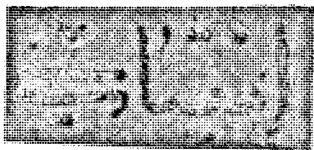
پھولوں کی زنجیر

دیبا خانم





کانٹوں کے نام

جب سوئی ایجاد نہیں ہوئی تھی۔
تب کانٹوں کی نوک سے
پھولوں کے ہار گندھے جاتے تھے۔
پھول تو سدا مہکتے رہے۔
پر کانٹے آج کھٹک گئے
ہم اُسی سے نفرت کرتے ہیں
جو ہمارے گلے میں پھولوں کے ہار
پہناتا ہے۔

دیبا خانم



یہ

پھولوں کی زنجیر ہے

لوہے کی زنجیر کو مرد اپنے

حوصلوں سے توڑ دیتا ہے۔ مگر پھول کی پتی تک

اس کے ہاتھ پہنچتے پہنچتے کانپ جاتے ہیں۔

مرد پتھر ہی سہی۔ مگر پھول جیسی عورت کا محافظ بھی ہوتا ہے۔ وہ کبھی غلط فہمی کا شکار رہتا ہے۔ کبھی جان بوجھ کر پھول کو بیدردی سے مسلتا ہے۔ کبھی قہقہے لگاتا ہے اور کبھی پچھتاتا ہے لیکن اپنی غلطیوں کی تلافی کرنے کا حوصلہ بھی رکھتا ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں، عورت کی غلطیوں کو بھی فراخدلی سے معاف کر دیتا ہے۔

میں نے یہ سبق آموز کہانی بڑے ہی رومان پرور ماحول میں لکھی ہے۔ میں نے گلشن گلشن پھول چنے ہیں اور انہیں کانٹوں سمیت ایک زنجیر میں پرو دیا ہے۔

اگر کہانی پڑھتے پڑھتے کہیں کانٹوں کی چبھن کا احساس ہو تو اسے ہنستی کھیلتی زندگی کی ایک ادا سمجھ کر برداشت کر لیجئے۔ ہم جیسے قلمکاروں کو بھی لکھنے کے دوران بڑے ہی صبر آزما کرب سے گزرنا پڑتا ہے۔

آخر میں ایک عرض کرتی ہوں کہ نقلی "دیبا خانم" کی کتابیں پڑھ کر آپ اصلی دیبا خانم کو خط نہ لکھیں۔ اگر آپ دھوکے سے نقلی کتابیں پڑھ لیتے ہیں تو اس میں میری کیا غلطی ہے۔ نقلی رضیہ بٹ، سلمیٰ کنول اور حمیدہ جبیں کی طرح نقلی دیبا خانم بھی شائع ہو رہی ہے۔ یہ نقالی کی لعنت اور نہ جانے کہاں تک فروغ پائے گی ——؟ سو بات کی ایک بات تو یہ ہے کہ آپ زندگی کی ضروریات خریدتے وقت اگر اصلی اور نقلی کی جانچ پڑتال کر سکتے ہیں تو کتابیں خریدتے وقت بھی اسی فارمولے پر عمل کرنا چاہیئے۔

اگر آپ ذرا سی توجہ دیں تو تحریر خود بتا دے گی کہ وہ کس کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے —— آزمائش شرط ہے۔

دیبا خانم

مُردہ چالیس دن رُلاتا ہے۔ لیکن مُردے کا مال ساری عمر ہنساتا ہے۔

یہ مثال مرحوم رب نواز کے عزیزوں پر صادق آتی تھی۔ آج رب نواز کو انتقال ہوئے اکتالیسواں دن تھا اور آج ہی وکیل صاحب تمام عزیزوں کو اُن کی آخری وصیت سنانے والے تھے۔ اسی لئے دور دراز کے شہروں میں رہنے والے رشتہ دار بھی آج یہاں کھنچے چلے آ رہے تھے۔

ڈرائنگ روم میں اچھا خاصہ میلہ لگا ہوا تھا۔ یہاں بوڑھے تجربہ کار مرد اور عورتیں بھی تھیں نادان اور ناتجربہ کار لڑکے بھی تھے۔ اور تتلیوں کی طرح اِدھر سے اُدھر پھُدکنے والی لڑکیاں بھی —— مہکتے جسم، دمکتے چہرے قہقہوں میں بھیگ رہے تھے۔ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ اس گھر میں چند روز پہلے کسی کا انتقال ہو چکا ہے۔

بہر حال مرنے والا مر گیا تھا۔ لیکن اس کی دولت کی تقسیم اس کے رشتہ داروں کو بے انتہا ہنسا رہی تھی۔ ہر ایک کے دل میں یہ امید روشن تھی کہ مرحوم نے اپنی جائیداد میں سے کچھ نہ کچھ خیرات اسے بھی دی ہوگی۔ ان میں بہت سی نوجوان لڑکیوں کے بوڑھے والدین زمین جائیداد اور نقد رقم کے لالچ میں نہیں آئے تھے۔ ان کی صرف ایک ہی تمنّا تھی کہ مرحوم ب نواز کا اکلوتا بیٹا خالد نواز ان کی لڑکیوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلے —— اسے اپنی شریک حیات بنالے۔ کیونکہ یہ حقیقت سب ہی کو معلوم تھی کہ خالد نواز اپنے باپ کی کروڑوں کی جائیداد کا تنہا وارث ہے۔ اب دیکھنا یہی تھا کہ وہ کون خوش نصیب لڑکی ہے جو خالد سے بیاہ کر یہاں آئے گی۔ اور کروڑوں کی جائیداد کی مالکہ بن جائے گی۔

اس وقت خالد نواز اس محفل کا ہیرو بنا ہوا تھا۔ تمام نگاہوں کے لئے جانِ محفل کی حیثیت رکھتا تھا۔ مرد ہو یا عورت، بوڑھی ہو یا جوان، ہر ایک کی یہی خواہش تھی کہ وہ خالد سے زیادہ سے زیادہ قریب رہے۔ بوڑھے مرد اسے پیشگی مبارکباد دے رہے تھے۔ بوڑھی عورتیں پان کی گلوری ایک کلّے سے دوسرے کلّے کی طرف کرتی ہوئی اس کی بلائیں لے رہی تھیں۔ اور نوجوان لڑکیاں مسکراتی ہوئی اس کے قریب آرہی تھیں اور خوشبو بکھیرتی ہوئی اس کے دل و دماغ پر چھا جانے کی کوششیں کر رہی تھیں۔

بڑا ہی رومان پرور ماحول تھا —— لباس ریشمی تھے، جسم ریشمی تھے۔ زیورات کی جھلمل میں چہرے بھی چمک رہے تھے اور سنگترے کی قاش کی مانند ہونٹوں پر پھیلے ہوئے تبسم بھی دلنشیں تھے۔ جو میٹھے انداز میں مسکرانے کا فن نہیں جانتی تھیں، وہ قہقہے لگا رہی تھیں۔ ان کے قہقہوں میں بھی ترنم تھا۔ جب وہ سفید چمکیلے دانتوں کی نمائش کرتی ہوئی قہقہے لگاتیں تو یوں محسوس ہوتا جیسے کسی چشمہ کا صاف، شفاف پانی لہراتا ہوا تلقل کر رہا ہے۔

خالد ایک بھونرے کی طرح ان پھولوں کے درمیان منڈلا رہا تھا۔ وہ فطرتاً بھونرا تھا لڑکیوں سے مسکرا کر باتیں کرنا اور انہیں اپنی محبت کا یقین دلانا اس کا بہترین مشغلہ تھا۔ وہ خوبصورت بھی تھا، دولتمند بھی تھا اور مغرور بھی —— اپنے قریب آنے والی ہر لڑکی کو وہ ایک کھلونا سمجھتا تھا۔ اس سے کھیلتا تھا۔ دل بہلاتا تھا اور پھر اسے بڑی بے رخی سے ٹھکرا دیتا تھا۔

جو ٹھوکریں کھا چکی تھیں۔ وہ خالد سے تنہائی میں ملنے کا موقع تلاش کر رہی تھیں تاکہ اس کی بے رخی کی شکائتیں کرسکیں اور جو ابھی خالد کی ہرجائی طبیعت کو نہیں سمجھ سکی تھیں وہ اس کے قریب سے قریب تر آنے کی کوششیں کر رہی تھیں۔ تاکہ ان کے خواب حقیقت میں بدل جائیں۔

خالد پرانی محبتوں سے کترا رہا تھا اور نئی محبتوں کے گرد اپنی مسکراہٹوں اور جھوٹے وعدوں کے جال بچھا رہا تھا —— پھر وہ اِدھر اُدھر سے بھٹکتا ہوا ایک جگہ ٹھٹھک کر رک گیا۔

اس کے سامنے —— ذرا فاصلے پر ایک ایسی حسین و جمیل لڑکی کھڑی ہوئی تھی کہ خالد لمحہ بھر کے لئے آنکھیں جھپکنا بھول گیا۔

سیاہ زلفوں کے سائے میں اس کا دودھیا چہرہ چاندنی کی طرح روشن تھا۔ ابرو پتلے اور کمان کی طرح خمدار تھے۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں کاجل کی بدولت کچھ اور زیادہ گہری اور خوابناک ہوگئی تھیں۔ ستواں ناک پر جمی ہوئی سرخ رنگ کی کیل نے اس کے حسن میں اور بھی اضافہ کردیا تھا۔ وہ جامنی رنگ کی ساڑھی میں ملبوس تھی۔ ساڑھی اتنے سلیقہ سے باندھی ہوئی تھی کہ جسم کے تمام پیچ و خم، تراشے ہوئے مجسمہ کی طرح ابھر آئے تھے۔

وہ سانس نہ لے رہی ہوتی تو خالد اسے کسی سنگ تراش کا شاہکار مجسمہ سمجھ کر گزر جاتا ـــ لیکن اب اس کے پیروں میں جیسے زنجیر پڑ گئی۔ وہ پلکیں جھپک جھپک کر اسے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ وہ لڑکی اب تک اس سے دور دور کیوں رہی؟ اس کے قریب کیوں نہ آئی؟ وہ بھی آج کے دن جبکہ کروڑوں کی جائداد کی لاٹری اس کے نام کھلنے والی تھی آج تو ہر لڑکی اس کے اشارے پر جان دینے کے لئے تیار تھی۔ پھر وہ ایسی بے نیاز کیوں ہے؟ کیا بہت مغرور لڑکی ہے؟

وہ فلاور اسٹینڈ کے قریب کھڑی ہوئی رابعہ خاتون سے باتیں کر رہی تھی۔ خالد چاہتا تو آگے بڑھ کر اس سے متعارف ہو سکتا تھا لیکن یہ اس کی شان کے خلاف تھا۔ آج تک لڑکیاں ہی اس کی طرف کھنچی چلی آئی تھیں۔ اس کی طرف سے کبھی پیشقدمی نہیں ہوتی تھی۔ پھر وہ اپنی طرف سے پہل کیوں کرتا؟

وہ بڑی بے نیازی سے پلٹ کر جانے لگا۔

اسی وقت اس کی آنٹی رابعہ خاتون نے اسے مخاطب کیا۔

"اے بیٹا خالد! کہاں جا رہے ہو۔ ذرا ادھر تو دیکھو یہ کون ہے ـــ؟"

خالد نے گھوم کر اسے دیکھا۔ لیکن آگے نہیں بڑھا ـــ آگے بڑھ کر تعارف حاصل کرنے میں اس کی توہین تھی۔

رابعہ خاتون اس کی مغرور طبیعت کو اچھی طرح سمجھتی تھیں لہٰذا وہ لڑکی کا بازو پکڑ کر خود ہی اسے کھینچتی ہوئی اس کے قریب آگئیں۔

"تم نے اسے نہیں پہچانا؟ یہ ارمانہ ہے۔ اپنے وکیل صاحب کی بیٹی....!"

ارمانہ ـــ؟ خالد چونک کر اسے دیکھنے لگا ـــ اب سے دس برس پہلے وہ وکیل صاحب کے ساتھ اکثر یہاں آیا کرتی تھی۔ لیکن اس وقت کی ارمانہ اور اب کی ارمانہ میں زمین آسمان کا فرق آگیا تھا۔ پہلے وہ ایک معمولی سی بچی تھی اور اب عمر کی شادابی نے اسے بنا سنوار کر ایک نئی دوشیزہ کے روپ میں ڈھال دیا تھا۔

رابعہ خاتون ارمانہ سے کہہ رہی تھیں۔

"بیٹی ـــ! بھلا اس سے کیا شرمانا؟ یہ تو اپنا خالد ہے ـــ تمہارا بچپن کا منگیتر...!"

ارمانہ کے چہرے پر سے ایک سایہ سا گزر گیا۔ خالد نے واضح طور سے محسوس کیا کہ منگیتر کا لفظ سن کر ارمانہ بجھ سی گئی ہے۔ نہ تو وہ شرمائی ہے اور نہ ہی کسی خوشی کا اظہار کیا ہے۔

لیکن پھر بھی خالد کو اپنی جیت کا یقین ہو گیا۔ ارمانہ کی پسند اور ناپسند سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وکیل صاحب دولت کے لالچ میں اپنی بیٹی کو اس گھر کی بہو ضرور بنا دیں گے ـــ کوئی ایسی ویسی لڑکی ہوتی تو خالد اسی وقت

اپنی نفرت اور انکار کا اظہار کر کے وہاں سے چلا جاتا ــــ مگر ارمانہ جیسی لڑکی کو بیوی بنا کر رکھنے میں ایک جیت کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس کوٹھی میں جہاں سینکڑوں قیمتی اور خوبصورت چیزیں آرائش کے لئے پڑی رہتی تھیں۔ وہاں خوبصورت ارمانہ بھی ایک آرائشی سامان کی طرح پڑی رہتی....

خالد نے فخریہ انداز میں دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اپنی نکٹائی کو سہلایا پھر ارمانہ کی طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا۔

"مس ارمانہ ــــ! مجھے تم سے مل کر خوشی ہو رہی ہے..."

ارمانہ اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر کترانے کے انداز میں ذرا سا بل کھا گئی۔ وہ بہت دیر سے دیکھ رہی تھی کہ خالد کس طرح نوجوان لڑکیوں کے گرد منڈلا رہا تھا۔ کس طرح بے تکلفی سے ان کے جسموں کو چھو رہا تھا۔ اس کی ایک ایک حرکت سے اس کے ہرجائی پن کا اظہار ہو رہا تھا۔

اس وقت بھی ارمانہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ وہ مصافحہ کرنے کے بہانے اس کے کنوارے ہاتھ کے لمس کو چکھنا چاہتا ہے۔ اس نے خالد کی ہمت افزائی نہیں کی بلکہ مصافحہ کرنے کی بجائے ہاتھ اٹھا کر ہولے سے کہا۔

"آداب ــــ! مجھے بھی آپ سے مل کر خوشی ہوئی ہے...."

خالد چند لمحوں تک سکتہ میں رہ گیا۔ زندگی میں پہلی بار کسی لڑکی نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دھتکار دیا تھا ــــ وہ اپنے غصہ کو ضبط کرنے کے لئے اپنے ہونٹوں کو چبانے لگا

رابعہ خاتون نے جلدی سے کہا۔

"اے بیٹا ــــ! تم کچھ خیال نہ کرنا۔ یہ بہت ہی شرمیلی ہے۔"

خالد نے اپنی آنٹی کو غصہ سے دیکھا ــــ پھر وہ طنزیہ انداز میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اسی وقت ڈرائنگ روم میں شور بلند ہوا ــــ "وکیل صاحب آ گئے ــــ وکیل صاحب آ گئے....."

خالد کا دھیان ہٹ گیا۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ وکیل ظفر عالم ڈرائنگ روم میں داخل ہو رہے تھے۔

رابعہ خاتون مسکراتی ہوئی ان کے استقبال کے لئے آگے بڑھیں لیکن ارمانہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں روکتے ہوئے پوچھا۔

"آنٹی آپ نے بتایا نہیں کہ فراز کہاں ہیں؟"

"ہوگا اپنے کمرے میں ــــ!" وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر چلی گئیں۔

لیکن خالد اپنی جگہ جوں کا توں کھڑا رہا ــــ ارمانہ کی زبان سے فراز کا نام سنتے ہی اس کے ذہن میں سوئیاں چبھنے لگیں۔

فراز ــــ!

"وہ فراز کو کیوں پوچھ رہی ہے ــــ؟

وہ سوچنے لگا ــــ "میں جو یہاں اتنی دیر سے موجود ہوں تو یہ میرے قریب نہیں آئی ــــ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اب تک فراز کو تلاش کر رہی ہے ــــ یعنی اس کی

نظروں میں میری کوئی اہمیت نہیں ہے۔ جو کچھ ہے، بس فراز ہی ہے۔

"فراز ـــ فراز ـــ فراز ......!"

وہ غصہ اور رقابت کی وجہ سے اپنے دانت پیسنے لگا۔

تمام سامعین ہمہ تن گوش تھے۔

وکیل ظفر عالم، مرحوم رب نواز کی آخری وصیت پڑھ کر سنا رہے تھے۔ خالد بھی ان کے قریب بیٹھا وہ بظاہر سن رہا تھا لیکن اُسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کا سارا دھیان رمانہ کی طرف لگا ہوا تھا۔

یوں بھی اسے وصیت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ یہ بات وہ پہلے سے ہی جانتا تھا کہ وہ اپنے باپ کی جائیداد کا تنہا وارث ہے۔ البتہ دلچسپی ان لوگوں کو تھی جن کے نام وصیت میں درج تھے۔ مرحوم رب نواز نے ان کی خدمات سے خوش ہو کر یا پھر رشتوں کا [illegible] کرتے تھوڑی بہت رقمیں ان کے نام لکھ دی تھیں۔

ان میں سرفہرست فراز کا نام آیا تھا۔ وکیل ظفر عالم بتا رہے تھے کہ مرحوم نے فراز

کے نام پر ایک لاکھ روپے کی رقم لکھی ہے۔

فراز کے نام پر خالد پھر تلملا سا گیا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو ارمانہ زینے طے کر ق
اوپری منزل کی طرف جا رہی تھی۔ کسی نے اس کی طرف دھیان نہیں تھا لیکن خالد اچ
سمجھ گیا تھا کہ وہ فراز کو تلاش کرنے جا رہی ہے۔

ارمانہ نے اوپری منزل پر جا کر نیچے ڈرائنگ روم کی طرف دیکھا لیکن پھر خالد کو ا
طرف متوجہ دیکھ کر جلدی سے پلٹ گئی اور اوپری برآمدے میں تیزی سے چلتی ہوئی فراز کا
تلاش کرنے لگی۔

دس برس پہلے وہ اس کوٹھی میں بارہا آ چکی تھی۔ اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ پہلے دو
کمرے چھوڑ کر تیسرا کمرہ فراز کا ہے۔ فراز کی بہت ساری باتیں اُسے یاد تھیں۔ انسان ضر
اسی کو یاد رکھتا ہے جو اس کا ہم مزاج ہوتا ہے۔ ارمانہ بھی اس شوخ اور شریر لڑکے کو
بھول سکی تھی، جو اس کے بچپن کا ساتھی تھا۔ اس کے ساتھ کھیلتا تھا۔ اُسے اکثر چھیڑ
رہتا تھا اور جب وہ روٹھ جاتی تو خوشامدیں کر کے اسے منا بھی لیتا تھا۔

ارمانہ کے لبوں پر پچھلی یادوں کی مسکراہٹیں رینگنے لگیں۔ وہ تیسرے کمرے کے دروازے
پر آ کر کھڑی ہو گئی۔ اب وہ بچپن کی بے تکلفی تو نہیں تھی کہ بلا جھجک دروازہ کھول کر اند
چلی جاتی۔ اس عمر میں پہنچ کر لڑکیاں آپ ہی آپ محتاط ہو جاتی ہیں بے تکلفی سے کتراتی ہیں اور
شرم و حیا کی آڑ میں تکلف برتنے لگتی ہیں۔

اس نے ہولے سے دستک دی۔

دل نے کہا ۔۔۔ نہ جانے وہ کیسا ہو گا؟ کتنا بدل گیا ہو گا؟ میں بھی تو بدل گئی ہوں
ان دس برسوں میں کیسے کیا ہو گئی ہوں ۔۔۔ اللہ جب وہ پہچانیں بھی جائیں گے یا نہیں؟

اس نے دوبارہ دستک دی۔

لیکن دروازہ نہ کھلا۔

وہ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی۔ پھر اس نے دروازے کے ہینڈل پر دباؤ ڈال کر
اسے کھولا ۔۔۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔

کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ وہ دبے پاؤں اندر آ کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ باتھ روم بھی
کھلا ہوا تھا۔ وہاں بھی کوئی نہ تھا۔ کمرے کی چیزیں عجیب بے ترتیبی سے پھیلی ہوئی تھیں۔ یوں
معلوم ہوتا تھا کہ یہ کمرہ برسوں سے غیر آباد ہے۔ یہاں کوئی جھانکنے بھی نہیں آتا ہے۔

وہ مایوس ہو کر کمرے سے باہر آ گئی۔

اسی وقت ایک ملازم وہاں سے گزر رہا تھا۔ ارمانہ نے اسے مخاطب کیا۔

"سنو ۔۔۔ فراز صاحب کہاں ہیں؟"

"وہ یہاں نہیں رہتے ۔۔۔!" ملازم نے جواب دیا۔ "یہاں کوٹھی کے پیچھے ایک
کاٹیج ہے۔ وہیں رہتے ہیں ۔۔۔"

"کاٹیج میں ۔۔۔؟" ارمانہ نے تعجب سے پوچھا۔ "اتنی شاندار کوٹھی کو چھوڑ کر وہ
کاٹیج میں کیوں رہتے ہیں ۔۔۔؟"

"ان کی مرضی ہے بی بی جی! ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔"

ارمانہ سر جھکا کر آگے بڑھ گئی ـــــ آگے ایک کاریڈور تھا اور اس کاریڈور کے آخری
سرے سے ایک زینہ کوٹھی کے پاس باغ کی طرف چلا گیا تھا۔

وہ اپنے حافظہ پر زور دیتے ہوئے اور راستوں کو یاد کرتی ہوئی پائیں باغ میں پہنچ گئی۔

وہ کاٹج باغ کے ایک گوشہ میں بنا ہوا تھا اور سارا کا سارا خوش رنگ پھولوں اور خودرو
بیلوں سے ڈھکا ہوا تھا ـــــ ارمانہ پھولوں بھرے ماحول کو دیکھتی رہ گئی۔

اس کے ذہن میں یادوں کے بہت سے پھول کھلنے لگے۔ اسے یاد آیا کہ فراز بچپن
ہی سے پھولوں کا عاشق رہا ہے۔ وہ ہمیشہ باغیچہ میں کھیلتا تھا اور پھولوں کے جھنڈ میں
بیٹھ کر اسکول کا سبق یاد کیا کرتا تھا۔

ارمانہ کو بہت سی باتیں یاد آ رہی تھیں۔

پھر پھولوں سے سجے ہوئے اس کاٹج سے گٹار کی دھن سنائی دینے لگی ـــــ شاید
فراز گٹار بجا رہا تھا ـــــ بڑی ہی دلنواز دھن تھی۔ ارمانہ کو یوں لگا جیسے وہ موسیقی کی
زبان سے اسے قریب بلا رہا ہے۔

اس کے قدم سبز گھاس پر اٹھنے لگے ـــــ وہ آگے بڑھنے لگی ـــــ کاٹج قریب
آنے لگا۔ گٹار کی مسحور کن موسیقی اس کے کانوں میں سرگوشیاں کرتی جا رہی تھی۔

کاٹج کے آگے ایک چھوٹا سا احاطہ تھا۔ اس احاطہ میں داخل ہونے کے لئے
سرسبز پتوں کو تراش کر ایک محرابی دروازہ بنایا گیا تھا۔

وہ محرابی دروازے پر آ کر رک گئی۔

گٹار کی آواز بھی تھم گئی۔

ایک ساعت کے لئے گہری خاموشی چھا گئی تھی۔ صرف ہواؤں کے سبک جھونکے
تھے جو پھولوں کی خوشبو لئے ارمانہ سے لپٹ رہے تھے۔

پھر ان مہکتی ہوئی ہواؤں کے دوش پر کسی کی آواز آئی۔

"ارمانہ ـــــ!"

ارمانہ کا دل اچانک دھڑکنے لگا کیونکہ وہ آواز دس برس پہلے والے لڑکے کی نہیں
تھی۔ ایک مضبوط، مستحکم اور مردانہ آواز تھی۔

ارمانہ کی آواز لڑکھڑا گئی۔

"کک ـــــ کون ہو تم؟"

"فراز ـــــ!"

"تم کہاں ہو ـــــ؟" وہ آواز کی سمت ایک جھاڑی کی طرف بڑھنے لگی۔

جھاڑی کی دوسری طرف فراز نہیں تھا۔ البتہ اس کا گٹار رکھا ہوا تھا۔ ارمانہ نے
ادھر ادھر دیکھ کر پوچھا۔

"کیا تم مجھ سے چھپ رہے ہو؟"

"ہاں ـــــ!"

اس بار آواز اس طرف سے آئی، جدھر سے ابھی ارمانہ آئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔
"بچپن میں بھی میں اس طرح چھپ جایا کرتا تھا اور تم مجھے تلاش کرتی رہتی تھی ـــــ

ارمانہ ـــــ! میں تمہیں بہت پہلے ہی دیکھ چکا ہوں۔ جب تم آنٹی کے ساتھ کوٹھی میں آئیں تو اسی وقت میں تمہیں دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ تم کتنی بدل گئی ہو ـــــ تمہیں دیکھ کر مجھے یقین نہیں آیا کہ تمہارے ذہن میں میری یاد باقی ہوگی۔ اسی لئے میں یہاں بیٹھا تمہارا انتظار کر رہا تھا۔"

ارمانہ خاموش کھڑی ہوئی اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کی باتوں میں بڑی اپنائیت تھی۔ بڑی گہرائی تھی۔ اس گہرائی میں ڈوب جاؤ تو پتہ چلتا تھا کہ صرف ارمانہ ہی اسے تلاش نہیں کر رہی تھی بلکہ وہ بھی بڑی لگن سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"ارمانہ ـــ!" فراز نے کہا۔ "اگر تم مجھے تلاش کرتی ہوئی آئی ہو تو پھر ہم بچپن کے ساتھیوں کی طرح جوانی کے اس موڑ پر ایک نئے انداز سے ملیں گے ـــــ اور اگر بھٹکتی ہوئی یہاں تک آگئی ہو تو صاف کہدو۔ ہم اجنبیوں کی طرح ملیں گے اور اجنبیوں کی طرح بچھڑ جائیں گے۔ میں نے تمہارا بہت انتظار کیا ہے ارمانہ ـــــ! بہت انتظار کیا ہے۔ بچپن کے نقوش مٹانے چاہے لیکن نہ مٹے ـــــ آج بھی تمہیں دیکھ کر بہت ساری خوش فہمیوں میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ خالد سے تمہاری منگنی ہو چکی ہے...."

"یہ جھوٹ ہے ـــــ!" ارمانہ نے کہا۔ "میں اس منگنی کو تسلیم نہیں کرتی توہی ہے۔ جب سے یہاں آئی ہوں۔ آنٹی نے بھی یہی رٹ لگا رکھی ہے۔ کیا میں نے اسی لئے تعلیم حاصل کی ہے کہ جانور کی طرح جو چاہے مجھے ہانک کر لے جائے۔ اور ـــ اور تم میرے سامنے کیوں نہیں آرہے ہو۔"

"اب آرہا ہوں۔ میں تمہارے دل کا فیصلہ سُننا چاہتا تھا۔ وہ تم نے سنا دیا ـــــ شکریہ......!"

ارمانہ نے گھوم کر دیکھا جدھر سے وہ آئی تھی۔ اُدھر سے فراز مسکراتا ہوا آرہا تھا وہ چند ساعت تک اُسے دیکھتی رہ گئی ـــــ اونچا پورا قد ـــ چوڑے شانے ـــ کشادہ سینہ ـــ چست پتلون اور بش شرٹ میں خوب جچ رہا تھا۔ چہرے پر مردانگی ایسی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ ارمانہ اسے دیکھتے ہی پگھل کر رہ گئی۔

وہ قریب آکر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ پھر بڑی آہستگی سے بولا۔

"ہم کتنی مدّت کے بعد ملے ہیں ارمانہ ـــــ!"

وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ سامنے کھڑا ہوا فراز اس کے حواس پر چھایا جا رہا تھا۔

"تم نے اس کاٹیج کو دیکھا؟ پھولوں کی کتنی ہی قسمیں ہیں۔ جن سے میں نے اس کاٹیج کو سجایا ہے۔ آج میرا یہ کاٹیج مکمل ہو گیا ہے...."

ارمانہ کے رخساروں پہ حیا کی سُرخی جھلکنے لگی۔ فراز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بھئی تم تو شرما رہی ہو۔ بچپن میں تو مجھ سے خوب لڑتی جھگڑتی تھیں ـــــ اچھا آؤ کاٹیج کے اندر چلیں...."

وہ خاموشی سے سر جھکائے اس کے ساتھ چلنے لگی۔ آج نہ جانے کیوں وہ اندر سے اس طرح بکھر گئی تھی کہ سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی ـــــ شاید اس لئے کہ فراز نے اس کے نازک جذبوں کو چھیڑ دیا تھا۔

کاٹیج اندر سے صاف ستھرا تھا۔ ہر چیز اپنی جگہ پر سلیقہ سے رکھی ہوئی تھی اور
مینٹل پیس پر فراز کی ایک خوبصورت سی تصویر مسکرا رہی تھی۔

فراز نے آتش دان کے قریب رکھے ہوئے فون کا ریسیور اٹھا کر ایک بٹن کو
کیا اور کہا۔

"ہیلو —— فضلو بابا! دو پیالی چائے اور ناشتہ لے آیئے ——!"

ارمانہ نے حیرت سے فون کی طرف دیکھا اور پہلی بار اپنی خاموشی کو توڑتے ہ
پوچھا۔

"یہ تم نے کہاں فون کیا ہے ——؟"

فراز نے ریسیور رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"اسی کوٹھی میں —— اس فون کا تعلق کوٹھی کے کچن سے ہے۔ مجھے جس چیز
ضرورت ہوتی ہے۔ میں یہاں بیٹھے منگوا لیتا ہوں —— آؤ یہاں بیٹھو!"

وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے پوچھا۔

"کیا تم کوٹھی میں نہیں جاتے ——؟"

"کوئی ضروری کام ہو تو چلا جاتا ہوں۔"

"اپنے گھر والوں سے بیزار نظر آتے ہو۔"

"اپنوں کی محبت نہ ہو تو اس ماحول سے جی اکتا جاتا ہے۔ ایک امی سے لگاؤ ر
ہے لیکن وہ بھی خالد کے پیچھے پیچھے گھومتی رہتی ہیں۔ کبھی بھولے بھٹکے مجھے پوچھ لیتی ہ

بس اسی طرح، جس طرح کہ ایک شناسا راہ چلتے خیریت پوچھ لیتا ہے۔"

"تعجب ہے ——!" ارمانہ نے کہا "آنٹی کو زیادہ تر تمہارے قریب رہنا چاہیئے۔"

فراز نے لاپرواہی سے کہا۔

"اس کوٹھی کی آب و ہوا ایسی ہے کہ اپنے بھی بیگانے بن جاتے ہیں —— بہرحال
تنہائی میرا مقدر ہے۔ اسی لئے میں تنہا یہاں رہنا چاہتا ہوں۔"

ارمانہ نے بات کا رُخ بدل کر کہا۔

"انکل نے اپنی وصیت میں تمہارے نام ایک لاکھ روپے لکھے ہیں۔"

"لاکھوں کی رقم بھی تنہائی کے احساس کو ختم نہیں کر سکتی۔ ویسے یہ ان کی مہربانی ہے
جب تک وہ زندہ رہے مجھے یہی محسوس ہوتا رہا جیسے میرے سر پہ باپ کا سایہ ہے۔
وہ مجھے خالد سے زیادہ چاہتے تھے۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ خالد نالائق لڑکا ہے۔ کاش کہ
تم میرے بیٹے ہوتے ....."

اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"اچھے لوگ اور اچھے دن جلد ہی گزر جاتے ہیں۔ آج بہت دنوں کے بعد تمہیں دیکھ
کر یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے پھر اچھے دن لوٹ کر آگئے ہیں۔"

ارمانہ نے سر جھکا کر زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں اتنی اچھی تو نہیں ہوں ..."

فراز نے جواباً مسکراتے ہوئے کہا۔

"اگر اپنی اچھائی نظر نہ آئے تو میری نظروں سے دیکھو۔ تمہیں اپنی اہمیت کا احساس ہو جائے گا۔"

وہ بل کھا کر رہ گئی۔ کچھ کہہ نہ سکی۔ فراز نے کہا۔

"ویسے اب خاندانی جھگڑے بڑھیں گے۔"

"کیوں ــــ؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"تمہاری وجہ سے ــــ!"

"میری وجہ سے ــــ؟" وہ حیرت سے تکنے لگی۔

"ہاں ــــ تم نے اگر منگنی سے انکار کر دیا تو خالد اسے اپنی توہین سمجھ کر ہنگامہ برپا کر دے گا۔"

"اونہہ ــــ!" ارمانہ نے ناگواری سے کہا۔ "وہ تو بچپن میں جیسے مغرور تھے۔ اب بھی ویسے ہی نظر آتے ہیں۔ مجھے تو ایک ذرا اچھے نہیں لگتے....."

بات ادھوری رہ گئی۔ اسی وقت فضلو بابا ناشتہ کی ٹرے لئے آئے اور ان کے درمیان رکھی ہوئی میز پر اسے رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"بٹیا ــــ! اس بڑھاپے میں مجھ سے جاسوسی نہ ہو سکے گی۔ میں یہ نوکری چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔"

"جاسوسی ــــ؟" فراز نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں ــــ! سرکار مجھے کہہ رہے تھے کہ ایک لڑکی تم سے ملنے کے لئے کالج

میں آئی ہے۔ تم دونوں یہاں کیا کر رہے ہو۔ اب مجھے اس کی رپورٹ سرکار کو سنانی ہو گی۔ اس بڑھاپے میں کیا یہی کام رہ گیا ہے؟"

فراز اس کی باتیں سن کر مسکرانے لگا۔

ارمانہ نے اس سے پوچھا۔

"یہ سرکار کون ہیں ــــ؟"

فراز نے جواب دیا۔

"تمام ملازم خالد کو سرکار کہتے ہیں۔ میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ تمہارا یہاں آنا اسے ناگوار گزرے گا۔"

"نان سنس ــــ!" ارمانہ نے غصے سے کہا۔ "وہ کون ہوتے ہیں۔ میری ٹوہ میں رہنے والے ــــ ایسی کھری کھری سناؤں گی کہ زندگی بھر یاد رکھیں گے۔"

فراز نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بھئی لڑنے جھگڑنے کی ضرورت نہیں ہے ــــ وہ تمہاری ٹوہ میں رہ کر خود ہی اپنا سکون برباد کر رہا ہے ــــ تم اسے اہمیت نہیں دو گی تو تمہیں غصہ بھی نہیں آئے گا۔"

وہ اپنے ہونٹ بھینچ کر غصہ ضبط کرنے لگی۔ پھول کی پتی جیسے لب ہلکے گلابی تھے۔ فراز انہیں دلچسپی سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ دس سال بعد ارمانہ اپنے اندر کتنی دلچسپیاں سمیٹ کر آئی ہے؟

فضلو بابا جانے لگے تو فراز نے کہا۔

" فضلو بابا —— ! خالد سے جاکر کہہ دینا کہ ارمانہ یہاں بیٹھی ہیں اور مجھ
بے تکلفی سے باتیں کر رہی ہیں۔"

ارمانہ کے لبوں پر آپ ہی آپ مسکراہٹ آگئی۔ وہ دل ہی دل میں کہنے لگی
فراز کی شخصیت ہی کچھ ایسی ہے —— اللہ ! میں کتنی جلدی بے تکلف ہوگئی
پھر وہ ٹرے اپنی طرف سرکا کر چائے بنانے لگی۔

خالد اوپری منزل کی کھڑکی سے کالج کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے کالج نظر آ
تھا لیکن اس کے اندر بیٹھے ہوئے فراز اور ارمانہ نظر نہیں آ رہے تھے۔

اس نے یہی سوچا تھا کہ ارمانہ جلد ہی واپس آ جائے گی۔ لیکن ایک گھنٹہ سے زیادہ
ہو چکا تھا اور وہ کالج سے نکلنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ اس سے صاف ظاہر تھا
فراز اسے اپنی لچھے دار باتوں سے لبھا رہا ہے۔

خالد کی نگاہوں میں ارمانہ کا سراپا ابھرنے لگا۔ اس کی زندگی میں بہت سی لڑکیاں
تھیں لیکن ارمانہ کا حسن اس کے لئے ایک چیلنج بن گیا تھا۔ اس لڑکی کی منفرد ادائیں
ہی تھیں کہ وہ خالد کی زندگی میں آنے والی لڑکیوں کی طرح سستی نہیں ہے۔
سستی ہو یا نہ ہو۔ مگر خالد کے لئے یہ ناقابل برداشت تھا کہ ارمانہ اس کے مقابلہ

ہیں فراز کو اہمیت دے رہی ہے اور اس کے ساتھ تنہا کاٹیج میں بیٹھی ہوئی ہے۔

وہ دونوں اتنی دیر سے کیا کر رہے ہیں؟ —— خالد کے ذہن میں بہت سے سوال کلبلا رہے تھے۔

وہ دونوں دور دور بیٹھے ہیں یا ایک دوسرے کے بالکل قریب بیٹھے ہیں —— قریب بیٹھے ہیں تو کیوں بیٹھے ہیں —— اتنی بے تکلفی کیسے پیدا ہو گئی ہے؟

وہ سوچ رہا تھا اور تلملا رہا تھا۔

ارمانہ کو اپنی جائداد سمجھ رہا تھا اور اس کے چھن جانے پر یوں محسوس کر رہا تھا جیسے زبردستی کسی نے اس کی جائداد چھین لی ہو۔

پھر وہ دروازے پر آہٹ سن کر پلٹ گیا۔

رالبعہ خاتون اور وکیل ظفر عالم کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔ رالبعہ خاتون نے دروازہ بند کرتے ہوئے خالد سے کہا۔

"بیٹے —— تم اتنی جلدی وہاں سے کیوں چلے آئے؟ مہمان تمہیں پوچھ رہے ہیں"

خالد نے ناگواری سے کہا۔

"ان مہمانوں نے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ پتہ نہیں یہ کب یہاں سے ٹلیں گے۔"

وکیل صاحب نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آج نہیں تو کل یہ مہمان ایک ایک کر کے رخصت ہو جائیں گے۔ بہر حال تمہیں اتنی جلد وہاں سے نہیں آنا چاہیے تھا۔"

وکیل صاحب نے رالبعہ خاتون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بیگم صاحبہ نے ابھی تمام مہمانوں کے سامنے اعلان کیا ہے کہ تمہاری اور ارمانہ کی منگنی ہو چکی ہے —— ایسے وقت تمہیں وہاں موجود رہنا چاہیئے۔"

"اونہہ —— !" خالد نے طنزیہ انداز سے کہا۔ "صرف میری موجودگی سے کیا ہوتا ہے۔ آپ کی بیٹی کو بھی وہاں رہنا چاہیئے تھا —— لیکن وہ کہاں ہے۔ کچھ پتہ بھی ہے آپ کو —— ؟"

وکیل صاحب نے اپنی عینک درست کرتے ہوئے کہا۔

"میں تو وصیت پڑھنے میں مصروف تھا۔ پتہ نہیں وہ کہاں چلی گئی ہے؟ کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟"

وہ کمرے کی جانب رخ کر کے کاٹیج کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس نے نفرت سے کہا۔

"ہاں میں اسے بہت دیر سے دیکھ رہا ہوں۔ وہ فراز کے ساتھ کاٹیج کے اندر گئی ہے ایک گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا ہے، لیکن ابھی تک واپس نہیں آئی —— کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ فراز کی کیا لگتی ہے اور کس لئے اس کے ساتھ تنہا ایک کاٹیج میں اتنی دیر سے بیٹھی ہوئی ہے؟"

وکیل صاحب پریشان ہو گئے۔ اس کی باتوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ فراز اور ارمانہ کے میل جول پر اعتراض کر رہا ہے اور بڑے ہی بے ڈھنگے پن سے ارمانہ کے کردار پر شبہ کر رہا ہے۔

انہوں نے اپنی بیٹی کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔

" وہ دونوں بچپن کے ساتھی ہیں۔ ارمانہ شاید اس لئے اس سے ملنے گئی ہے۔"

خالد نے رابعہ بیگم کو طنزیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

" آپ بھی اپنے بیٹے کی صفائی میں کچھ کہہ دیجئے۔"

رابعہ خاتون نے بڑی محبت سے کہا۔

" میرا بیٹا فراز نہیں ——— تم ہو....."

" رشتے بدلنے میں آپ کا جواب نہیں ہے۔" خالد نے کہا۔ " آپ میری امی بننے کی بجائے آنٹی ہی بنی رہیں تو بہتر ہے ——— کیا آپ کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ اس بڑھاپے میں آپ کی زندگی عیش و آرام سے گزر رہی ہے؟"

رابعہ خاتون کا منہ لٹک گیا۔ انہوں نے کہا۔

" تم ہمیشہ مجھ سے اسی طرح روکھے پن سے بات کرتے ہو کیا اسی دن کے لئے میں نے تمہیں دودھ پلایا تھا کہ تم جوان ہو کر مجھ سے....."

خالد نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

" ختم کیجئے آنٹی ——— میں بہت پریشان ہوں۔ آپ لوگوں نے میرا ذہنی سکون چھین لیا ہے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے کہ آپ اور وکیل صاحب دونوں مل کر مجھے بے وقوف بنا رہے ہیں۔"

وکیل صاحب نے چونک کر کہا۔

" یہ کیا کہہ رہے ہو خالد ———؟"

" ٹھیک ہی کہہ رہا ہوں۔ ایک طرف آپ لوگوں نے ارمانہ سے میری منگنی کر دی ہے۔ دوسری طرف اسے اتنی آزادی دے رکھی ہے کہ وہ غیر مردوں کے پاس جا کر گھنٹوں ان کے ساتھ تنہا رہ جاتی ہے۔"

وکیل صاحب نے طیش میں آ کر کہا۔

" تم ——— تم میری بیٹی کی توہین کر رہے ہو ——— وہ شروع ہی سے سوسائٹی مین ٹین کرنے والی لڑکی ہے۔ تمہیں اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیئے۔"

" وہ میری منگیتر ہے اس لئے میں اعتراض کرنے کا حق رکھتا ہوں۔ اگر آپ کو ناگوار گزرتا ہے تو پھر اس منگنی کو توڑ دیجئے۔"

رابعہ خاتون اور وکیل صاحب حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے کہا۔

" یہ نہیں ہو سکتا ——— اگر منگنی ٹوٹ گئی تو ہم سب کا نقصان ہے۔"

" اگر نقصان کا اتنا ہی خیال ہے تو پھر اپنی بیٹی پر پابندی لگائیے۔" خالد نے کہا " اور اگر آپ کی بیٹی آزاد خیال ہے اور قابو سے باہر ہے تو پھر چوبیس گھنٹے کے اندر اس کی شادی مجھ سے کر دیجئے۔ میں اس کی تمام آزاد خیالی بھلا کر رکھ دوں گا۔"

" چوبیس گھنٹے ———!؟" رابعہ خاتون اور وکیل صاحب پھر ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے۔

پھر وکیل صاحب نے کہا۔

"اتنی جلدی شادی کیسے ہوسکتی ہے ؟"

"کیوں نہیں ہوسکتی ؟ ہمارے پاس کس چیز کی کمی ہے —— روپیہ پیسہ، کپڑے، زیورات —— یہاں تک کہ مہمانوں کو بھی بلانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہاں سب ہی رشتے دار آکر جمع ہوگئے ہیں۔ اسی مہمانداری میں شادی کا مسئلہ بھی حل ہوجائے گا"

وکیل صاحب بے چینی سے پہلو بدلنے لگے۔

خالد نے پوچھا۔

"اب بھی کوئی اعتراض ہو تو بتایئے ؟"

"آں —— مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن ارمانہ کو ابھی اس رشتہ کے لئے میں قائل نہیں کرسکا ہوں۔ جب سے اُسے علم ہوا ہے کہ میں نے اُس سے پوچھے بغیر اس رشتہ کی بات کی ہے، تب ہی سے وہ اعتراض کر رہی ہے۔ مگر —— مگر تم اطمینان رکھو۔ میں اُسے راضی کرلوں گا۔"

"اونہہ —— مجھ سے شادی کرنے پر اعتراض ہے ؟" خالد نے نفرت سے کہا" پھر تو میں جبراً اس سے شادی کروں گا۔ میں یہ نہیں سُننا چاہتا کہ وہ انکار کر رہی ہے۔ آپ اس کا سودا کر چکے ہیں اور میں نکاح کے وقت اس سودے کی رقم دینے کا وعدہ آپ سے کر چکا ہوں۔"

وکیل صاحب نے تلملا کر کہا۔

"دیکھو سودے کا لفظ استعمال نہ کرو۔ یہ بازاری قسم کی باتیں ہیں۔ تمہیں شریف

آدمیوں کی طرح گفتگو کرنی چاہیئے۔"

خالد نے یک بیک ہنستے ہوئے کہا۔

"اگر آپ شریف آدمی ہیں تو پھر مجھ سے دو لاکھ روپے لینے سے انکار کر دیجئے۔ ہمارے درمیان جو معاہدہ ہوچکا ہے اُسے واپس کر دیجئے اور اپنی بیٹی کو لے کر یہاں سے چلے جایئے۔"

وکیل صاحب بے چینی سے کرسی پر پہلو بدلنے لگے۔ خالد نے کہا۔

"اسے اچھی طرح یاد رکھئے کہ معاہدے کی خلاف ورزی آپ کی طرف سے ہو رہی ہے ارمانہ شادی سے انکار کرے گی تو میرا کچھ نہیں بگڑے گا —— آپ ایک بہت بڑی رقم سے محروم ہو جائیں گے۔ میرا کیا ہے۔ مجھے ہزاروں لڑکیاں مل جائیں گی۔"

"ٹھیک ہی تو ہے۔" رابعہ خاتون نے کہا "آپ اپنی بیٹی کو سمجھا دیں۔ آخر میرے خالد میں کیا کمی ہے کہ وہ انکار کر رہی ہے...."

وکیل صاحب نے جواب دیا۔

"وہ انکار کر رہی ہے۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس کا انکار زیادہ دیر تک قائم نہیں رہے گا۔ میں اسے راضی کرلوں گا مگر اسے سمجھانے منانے کے لئے وقت لگے گا۔ اور پھر ہمارے معاہدے میں یہ نہیں لکھا ہے کہ چوبیس گھنٹے کے نوٹس پر اپنی بیٹی بیاہ دوں۔ اس کے لئے خالد کو انتظار کرنا پڑے گا۔"

"آپ کہیں تو میں زندگی بھر انتظار کرسکتا ہوں۔" خالد نے کہا۔ "لیکن آپ کو یہ

ضمانت دینی ہوگی کہ ارمانہ کسی دوسرے شخص سے دلچسپی نہیں لے گی۔"

وکیل صاحب کرسی سے اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کھڑکی کے پاس آئے کالج کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ میں تمہارا اشارہ سمجھ گیا ہوں۔ میں ارمانہ کو سختی کے ساتھ منع کر دوں گا کہ وہ فراز سے نہ ملا کرے..."

"اگر وہ منع کرنے کے باوجود ملنا چاہے تو ؟"

وکیل صاحب نے جھنجھلا کر کہا۔

"تم تو خواہ مخواہ بحث کرتے ہو۔ فراز بھی اس خاندان کا ایک فرد ہے۔ وہ چار آدمیوں کے سامنے ضرور اس سے ملے گی۔ ہم زیادہ سے زیادہ یہ پابندی لگا سکتے ہیں کہ وہ تنہائی میں یا اس کے کالج میں جا کر اس سے نہ ملا کرے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ کمرے سے باہر جانے لگے۔

دروازے میں پہنچ کر انہوں نے کہا۔

"خالد ــــ! تمہیں بھی اس حقیقت کو یاد رکھنا چاہیئے کہ بے جا غرور اور سخت رویہ اپنا کر تم کسی کا دل نہیں جیت سکتے۔ تم اپنے رویئے میں تبدیلی پیدا کرو۔ میں اپنی بیٹی کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ دولت پر نہیں ــــ محبت اور خلوص پر مرتی ہے...."

یہ کہہ کر انہوں نے دروازہ کھولا اور پھر اسے بند کرتے ہوئے باہر چلے گئے۔

رابعہ خاتون کھڑکی کی طرف بڑھتی ہوئی کہنے لگیں۔

"وکیل صاحب ٹھیک کہتے ہیں۔ تم کم از کم اس وقت تک اپنے مزاج میں تبدیلی پیدا کرو جب تک کہ وہ تمہاری بیوی نہیں بن جاتی۔ بیوی بنانے کے بعد پھر چاہے جیسا سلوک کرنا۔ عورت بیوی بن کر اپنا سارا غرور بھول جاتی ہے۔"

وہ دونوں کھڑکی کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ دونوں کے ذہن میں یہ پھانس چبھی ہوئی تھی کہ ارمانہ کالج میں فراز کے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔"

خالد نے کہا۔

"آپ صرف مجھے نصیحت کر رہی ہیں۔ یہاں وقت ضائع کرنے سے بہتر ہے کہ آپ کالج جائیں اور ایک ماں کی حیثیت سے فراز کو سمجھانے کی کوشش کریں۔"

"ماں کی حیثیت سے ــــ؟"

"ہاں ــــ!"

رابعہ خاتون اسے ممتا بھری نظروں سے دیکھتی ہوئی بولیں۔

"میں تمہیں بھی ماں کی زبان سے سمجھا رہی ہوں اور تمہاری خاطر اسے بھی جا کر سمجھانا ہوگا۔ تم اطمینان رکھو۔ میں اسے ارمانہ سے نہیں ملنے دوں گی ــــ مگر بیٹا! ایک بار اپنی زبان سے مجھے امی کہہ دو۔ میں تمہارے منہ سے یہ لفظ سننے کے لئے ترس گئی ہوں۔"

خالد نے جھنجھلا کر کہا۔

"آپ تو خواہ مخواہ اپنی ممتا جتلاتی رہتی ہیں ــــ اچھی بات ہے میں آپ کی خواہش پوری کر دوں گا۔ لیکن پہلے راستے کے اس کانٹے کو دور کیجئے۔"

"وہ کانٹا دور ہو جائے گا۔ پہلے تم مجھے امی کہو ۔۔۔!"

"نہیں آنٹی ۔۔۔ پہلے کام، پھر انعام ۔۔۔۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے پلٹ گیا اور کمرے سے باہر جانے لگا۔

رابعہ خاتون کا چہرہ مرجھا گیا۔ ان کے دل میں ٹیس سی اُٹھی اور وہ دونوں ہاتھو سے اپنے سینے کو تھام کر رہ گئیں۔

شام تک بہت سے مہمان رخصت ہو گئے۔ صرف قریبی رشتہ دار رہ گئے تھے اور یہ رشتے دار کچھ عرصہ یہاں قیام کرنے کے ارادے سے آئے تھے۔

ڈرائنگ روم میں چائے کا دور چل رہا تھا۔ چند بزرگ رب نواز کی چھوڑی ہوئی جائداد پر بحث کر رہے تھے اور ان کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں آپس میں ہنسی مذاق کر رہی تھیں۔

اس وقت قیصر ان کی ہنسی مذاق کا مرکز بنا ہوا تھا۔ مرحوم رب نواز نے اس کے نام پچیس ہزار روپے چھوڑے تھے لیکن شرط یہ تھی کہ پہلے وہ کسی سے شادی کرے اور اپنا گھر بسائے۔ اگر وہ شادی کرنے پر آمادہ ہو گیا تو نکاح کے بعد اسے پچیس ہزار کا چیک مل جائیگا۔

قیصر فی الحال شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اپنے چھوٹے سے کاروبار کو بڑھانے کیلئے اُسے اچھی خاصی رقم کی ضرورت تھی۔ وہ مرغیوں کے انڈے فروخت کرتا تھا۔ اگر یہ

پچیس ہزار روپے مل جاتے تو وہ ایک چھوٹا سا پولٹری فارم کھول سکتا تھا۔

اس وقت وہ صوفہ پر دونوں پاؤں اٹھائے اور اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامے سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، اس کے چچا زاد، پھوپھی زاد اور ماموں زاد بھائی اور بہنیں مذاق اڑا رہی تھیں۔

ایک ماموں زاد بھائی نے کہا۔

"قیصر ——! یوں سوچنے سے کام نہیں چلے گا۔ اپنے کاروبار کی ترقی چاہتے ہو تو فوراً ہی شادی کا فیصلہ کر لو۔"

"شادی —— بربادی کا دوسرا نام ہے۔ جو رقم مجھے مل رہی ہے، وہ کاروبار بڑھانے کے لئے تو ٹھیک ہے۔ لیکن بیوی کے نخرے برداشت کرنے کے لئے بہت کم ہے۔"

ایک لڑکی نے کہا۔

"رہنے دیجئے قیصر بھائی —— ہر عورت نخرے والی نہیں ہوتی۔ آپ سوچ سمجھ کر بیوی کا انتخاب کریں تو بیڑا پار ہو جائے گا۔"

قیصر نے جواب دیا۔

"چلو مان لیا کہ سمجھدار بیوی مل جائے گی —— مگر بچوں کی تعداد کیسے رُکے گی۔"

اس کی بات پر قہقہہ پڑا۔ مشورہ دینے والی لڑکی جھینپ گئی۔ قیصر نے کہا۔

"بیوی سے بہتر ایک پولٹری فارم ہے۔ حالانکہ وہاں بھی مرغیوں کے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ مگر یہ انڈے بچے کاروبار کی آمدنی بڑھاتے ہیں۔ انسان کے بچوں کی طرح

مہنگائی نہیں بڑھاتے....."

"بھئی کمال ہے۔ کتنی دور کی سوچتے ہو۔" ایک لڑکے نے تعریف کی۔

دوسری لڑکی نے چڑ کر کہا۔

"اونہہ —— شیخ چلی کی سوچ ہے۔ سامنے انڈوں کی ٹوکری رکھے سوچے جا رہے ہیں کہ ان انڈوں سے بچے نکلیں گے۔ پھر بچے بڑے ہوں گے۔ پھر آمدنی بڑھے گی۔ پھر ایک گھر بنے گا اور آخر میں بیوی آئے گی۔ اس کے بعد کسی بات پر غصہ آیا اور خیال ہی خیال میں لات مار دی۔ سامنے بیوی نہیں تھی انڈوں کی ٹوکری تھی۔ لات پڑتے ہی اُلٹ گئی۔ انڈے بھی ٹوٹے اور شیخ چلی کی سوچ بھی کام نہ آئی۔"

دوسری لڑکیوں نے اس بات پر قہقہہ لگایا۔

"ٹھیک تو ہے —— اب تو شادی کئے بغیر اور بیوی لائے بغیر پچیس ہزار نہیں ملیں گے، چاہے تمہاری سوچ کتنی ہی گہری کیوں نہ ہو۔"

قیصر فی الحال انڈے فروخت کرنے کا کام ہی کرتا تھا۔ اس کاروبار کی مناسبت سے شیخ چلی کی مثال بالکل مطابقت رکھتی تھی۔ اسی لئے لڑکیوں کو اس پر ہنسنے کا موقع مل گیا تھا۔

رخسانہ ان قہقہہ لگانے والی لڑکیوں سے ذرا الگ ہٹ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اندر ہی اندر بہت پریشان تھی اور بظاہر اپنی پریشانی کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ لڑکیاں جب بھی اس کی طرف دیکھتیں تو وہ بھی جبراً ہنسنے لگتی۔ لیکن تھوڑی دیر بعد اس کی ہنسی گھٹ کر رہ جاتی تھی۔

حالانکہ آج اسے بھی خوش ہونا چاہیئے تھا۔ مرحوم رب نواز نے اس کی شادی اور جہیز کے لئے اپنی وصیت میں پندرہ ہزار روپے لکھ دیئے تھے۔

لیکن وہ خوش نہیں تھی۔ خوشی تو اسے اس وقت ہوتی جب مرحوم پندرہ ہزار دینے کی بجائے اسے خالد سے منسوب کر دیتے۔

وہ رہ رہ کر اوپری منزل کی طرف دیکھ رہی تھی جس صوفہ پہ وہ بیٹھی ہوئی تھی، وہاں سے نہ تو خالد نظر آرہا تھا اور نہ خالد کا کمرہ —— اس کے باوجود وہ اتنا ضرور جانتی تھی کہ وہ بے وفا اپنے کمرے میں ہے اور ابھی تھوڑی دیر بعد کھانے کی میز پر آئے گا۔

جب سے وصیت پڑھ کر سنائی گئی تھی اور جب سے رالعبہ خاتون نے خالد اور ارما کی نسبت کا اعلان کیا تھا۔ اسی وقت سے رخسانہ کے دل پر چھریاں سی چل رہی تھیں۔ اس نے کئی بار خالد سے تنہائی میں ملنے کی کوشش کی مگر خالد نے اس کا موقع ہی نہ دیا تھا

اس وقت بھی وہ جانتی تھی کہ خالد اپنے کمرے میں تنہا نہیں ہے۔ وکیل صاحب وہاں موجود ہیں۔ اس لئے وہ بڑے صبر و ضبط سے وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔ خالد کی طوطا چشمی پر آنسو بہانے کو جی چاہتا تھا لیکن وہاں بیٹھی ہوئی لڑکیاں اُسے ہنسنے پر مجبور کر رہی تھیں۔

رُخسانہ رالعبہ خاتون کی چھوٹی بہن کی لڑکی تھی۔ بہن کے مرنے کے بعد رالعبہ خاتون اپنے ہاں اسے لے آئی تھیں۔ تقریباً دو برس سے رُخسانہ اس کوٹھی میں ایک یتیم لڑکی کی حیثیت سے زندگی گزار رہی تھی۔ مرحوم رب نواز اس کی یتیمی پہ ترس کھا کے اس کے نام پندرہ ہزار روپے چھوڑ گئے تھے اور ان کا بیٹا خالد اس کی یتیمی پر ترس کھا کے اسے

اپنی محبت کے فریب میں مبتلا کر چکا تھا۔

رالعبہ خاتون بزرگوں کی محفل میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر تک مہمان رشتہ داروں سے رسمی طور پر گفتگو کرنے کے بعد وہ وہاں سے اُٹھ گئیں اور وہاں سے کوٹھی کے کچن کی طرف چلی گئیں۔

کچن میں پہنچ کر انہوں نے ملازموں کو ہدایت کی کہ آدھے گھنٹے کے بعد میز پہ کھانا لگا دیں۔ اس کے بعد وہ کچن کے پچھلے راستے سے کاٹج کی طرف جانے لگیں۔

کاٹج کی ہریالی سے پھول مہک رہے تھے اور دور دور تک خوشبو بکھیر رہے تھے

رالعبہ خاتون آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کاٹج کے احاطہ تک پہنچ گئیں۔ پہلے انہوں نے سوچا تھا کہ ارمانہ کوٹھی میں واپس آئے گی تو فراز سے جا کر باتیں کریں گی اور اسے سمجھائیں گی کہ خالد کی منگیتر سے اس طرح ملنا جلنا مناسب نہیں ہے۔"

لیکن ارمانہ ابھی تک کاٹج سے واپس نہیں آئی تھی۔ وہ دوپہر کر گئی تھی۔ دوپہر سے شام —— اور شام سے اب رات ہو گئی تھی مگر وہ فراز کے پاس ہی بیٹھی رہی۔

اتنی طویل ملاقات سے صاف ظاہر تھا کہ ارمانہ کو خالد سے —— خالد کی کوٹھی اور جائداد سے دلچسپی نہیں ہے۔ صرف فراز کی باتوں سے دلچسپی رہ گئی ہے۔

احاطہ کے مغربی دروازے کے پاس پہنچ کر وہ رک گئیں۔ انہیں جس بات کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ وہی تماشا ان کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا۔

ہری بھری گھاس کے قطعہ پر وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔

نصف چاند کی روشنی ان کے چہروں پر چمک رہی تھی۔ رابعہ خاتون نے محرابی دروازے کی آڑ سے دیکھا۔ فراز پھولوں کا ایک محرابی گجرا ارمانہ کی کلائی میں پہنا رہا تھا۔

وہ سر جھکائے مسکرا رہی تھی۔ دونوں کلائیوں میں گجرا پہننے کے بعد وہ کہنے لگی۔

"فراز ——! میں آج ہی یہاں آئی ہوں۔ مگر یوں لگتا ہے کہ ہماری ملاقات کو مدتیں گزر گئی ہیں۔ سچ پوچھو تو تم بچپن کے وہی فراز ہو اور میں وہی ننھی سی ارمانہ ہوں۔ نہ تو پہلے ہم ایک دوسرے کے لئے غیر تھے اور نہ اب ہیں...."

فراز نے مسکرا کر جواب دیا۔

"زمانہ بدل جاتا ہے۔ عمر بدل جاتی ہے۔ مگر بچپن کا پیار نہیں بدلتا —— اور بدلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہم بچپن سے ایک دوسرے کے مزاج کو اچھی طرح سمجھتے آ رہے ہیں۔"

ارمانہ نے گجرے کو سونگھتے ہوئے کہا۔

"آہا —— کتنی اچھی خوشبو ہے —— یہ دیکھو!"

اس نے اپنے ہاتھوں کو فراز کی طرف بڑھا دیا۔ فراز نے اس کے ملائم ہاتھوں کو تھام لیا اور انہیں اپنی سانسوں کے قریب لا کر کہا۔

"جب بہت سے پھول آپس میں مل جائیں تو ان کی خوشبو دور تک جاتی ہے لیکن تنہا پھول کی خوشبو دور تک نہیں پھیلتی —— وہ دیکھو تمہارے بالوں میں وہ پھول تنہا تنہا سا الگ رہا ہے۔ وہ تنہا اپنی خوشبو نہیں پھیلا سکتا...."

ارمانہ نے کہا۔

"مگر مجھے تو اس پھول کی خوشبو بھی آ رہی ہے۔"

"وہ تمہارے قریب ہے۔ اگر مجھے بھی قریب سے سونگھنے کا موقع ملے تو شاید خوشبو کا پتہ چلے....."

اس نے شرما کر گردن جھکا لی۔

فراز نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں نے پھول سونگھنے کے لئے کہا ہے کچھ اور تو نہیں کہا ہے؟"

اس نے ارمانہ کے ہاتھوں کو آہستگی سے چھوڑ کر اس کے شانوں کو تھام لیا اور بڑی محبت سے اپنے قریب کھینچ لیا —— وہ قریب آتے آتے ایک ذرا سا بل کھا گئی اور اپنے چہرے کا زاویہ بدل کر اس کے کاندھے پر رکھ دیا۔

اس کی لہکی ہوئی سانسیں فراز کی گردن پر سرسرا رہی تھیں اور فراز کی سانسوں کے قریب اس کے بالوں میں الجھا ہوا تنہا سا پھول مہک رہا تھا۔

رابعہ خاتون مارے غصے کے لرز گئیں۔ ان کے جی میں آیا کہ وہیں سے چیخ چیخ کر ان پر لعن طعن کریں —— مگر وہ ایسا نہ کر سکتی تھیں —— ایسا کرنے سے بہت سی بنتی ہوئی باتیں بگڑ سکتی تھیں۔ خالد کو اگر معلوم ہوتا کہ ارمانہ فراز کی محبت میں اس قدر آگے بڑھ گئی ہے تو وہ شاید شادی سے انکار کر دیتا —— اس کا ایک انکار بہت سی الجھنیں پیدا کر سکتا تھا۔ ان الجھنوں کو صرف رابعہ خاتون اور وکیل صاحب ہی سمجھ سکتے

تھے لیکن انہیں سلجھا نہیں سکتے تھے اور نہ ہی کسی سے ان کا ذکر کر سکتے تھے۔

رابعہ خاتون نے مصلحتاً اپنے غصہ پر قابو پالیا۔ وہ واپس مڑ کر چند قدموں کے فاصلہ تک گئیں پھر رُک گئیں۔ ارمانہ اور فراز ایسی مدہوشی کے عالم میں تھے کہ اچانک ان کے سامنے جانا مناسب نہیں تھا۔

اسی لئے وہ دور سے آواز دیتی ہوئی جانے لگیں۔

" فراز ـــــ! تم کہاں ہو ـــــ؟ "

ارمانہ جلدی سے سنبھل کر بیٹھ گئی۔

فراز نے گھوم کر دیکھا ـــــ رابعہ خاتون ان کے قریب آ رہی تھیں۔ وہ دونوں اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

رابعہ خاتون نے ایک نظر ارمانہ کی کلائیوں کی طرف دیکھا۔ جہاں محبت کے گجرے مہک رہے تھے۔ پھر وہ بڑی محبت سے بولیں۔

" ارمانہ ـــــ! تمہارے ڈیڈی کتنی دیر سے تمہیں پوچھ رہے ہیں۔ جاؤ بیٹے! کوٹھی میں جاؤ۔ اب کھانے کا وقت بھی ہو رہا ہے۔ "

" جی بہت اچھا آنٹی .... " ارمانہ نے گردن جھکا کر کہا۔ چور نظروں سے فراز کو دیکھا۔ پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی احاطہ سے باہر جانے لگی۔

فراز نے آہستہ سے کہا۔

" امی ـــــ ارمانہ بالکل نہیں بدلی۔ اس میں ابھی تک وہی معصومیت اور

وہی بچپنا ہے .... "

" بچپن گزر چکا ہے۔ " رابعہ خاتون نے کہا۔ " اب تم لوگ بچے نہیں ہو کہ اتنی دیر تک تنہائی میں بیٹھے باتیں کرتے رہو ـــــ کیا تم نہیں جانتے ہو کہ خالد سے اس کی منگنی ہو چکی ہے "

" جانتا ہوں۔ " اس نے کہا۔ " تایا ابا کی وفات کے بعد ہی یہ افواہ اڑائی گئی ہے۔ "

فراز، مرحوم رب نواز کو تایا ابا کہا کرتا تھا۔ رابعہ خاتون نے سختی سے کہا۔

" یہ افواہ نہیں حقیقت ہے۔ ارمانہ، خالد سے منسوب ہونے والی ہے۔ "

" لیکن امی ـــــ! تایا ابا نے تو کبھی اپنی زندگی میں اس رشتہ کا ذکر نہیں کیا ـــــ کیا ان کی وفات کے بعد آپ نے یہ رشتہ طے کیا ہے؟ "

" یہی سمجھ لو۔ خالد اسے اپنی بیوی بنانا چاہتا ہے۔ اسی لئے میں نے وکیل صاحب سے بات پکی کر لی ہے۔ "

پھر وہ نرمی اور محبت سے سمجھانے لگیں۔

" بیٹا ـــــ میں تمہاری ماں ہوں۔ تم خود ہی سوچو کہ خالد اور اس کے ابا کے ہم پر کتنے احسان ہیں۔ ہم یہاں ان کا ہی نمک کھا رہے ہیں۔ یہ ان کی مہربانی ہے کہ وہ مرتے وقت تمہارے لئے ایک لاکھ روپے بھی چھوڑ گئے ہیں ـــــ انہوں نے تمہارے لئے اتنا کچھ کیا ہے اور تم اس کا صلہ کیا دے رہے ہو؟ "

فراز نے منہ پھیر کر پوچھا۔

"آپ کیا چاہتی ہیں امی ——— ؟"

"خالد کی خوشی ——— !" انہوں نے کہا۔

"میں آپ کا سگا بیٹا ہوں۔ کیا آپ کی نظروں میں میری خوشی کی کوئی اہمیت نہیں ہے ؟"

"میں تمہاری خوشی کے لئے جان بھی دے سکتی ہوں۔ مگر اپنے فرض کو نہیں بھول سکتی احسانمندی اور نمک حلالی کا تقاضہ یہی ہے کہ ہم خالد کی خوشیوں کے دشمن نہ بنیں۔ اگر تمہیں ماں کے ان نیک جذبوں کا ذرا بھی احساس ہے تو وعدہ کرو کہ ارمانہ سے اس طرح نہیں ملو گے"

فراز الجھن میں پڑ گیا۔ فوراً ہی کوئی جواب نہ دے سکا۔ پھر اس نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا۔

"امی ——! مجھے آپ کے نیک جذبوں کا احساس ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ارمانہ نے اگر اس رشتہ کو منظور کر لیا تو اس کے متعلق میرے سوچنے کا انداز بدل جائے گا اور میں ہمیشہ اسے خالد کی امانت سمجھتا رہوں گا۔"

"تم ارمانہ کو اس بحث میں نہ لاؤ۔ جو نصیحت تمہیں کر رہی ہوں اس پر عمل کرو۔"

"آپ نصیحت نہیں بلکہ حکم دیں۔ میں نے کبھی آپ کی نافرمانی نہیں کی۔ آپ نے کہا ہے کہ ہمیں خالد کی خوشیوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ لیکن ارمانہ نے اگر اسے پسند نہ کیا تو اس سلسلے میں ہم کیا کر سکتے ہیں ؟"

"تم ارمانہ کو سمجھا سکتے ہو۔ اس رشتہ کے لئے آمادہ کر سکتے ہو۔"

فراز نے بڑی اداس سی مسکراہٹ سے کہا۔

"آپ نمک حلالی اور فرض شناسی سے مجبور ہو کر عجیب سی بات کہہ رہی ہیں۔ آپ جانتی ہیں کہ یہ زندگی بھر کا سودا ہے۔ ارمانہ کوئی جاہل لڑکی نہیں ہے کہ اسے سمجھایا جائے۔ وہ تعلیمیافتہ ہے اور سوجھ سمجھ کر اپنی زندگی کے متعلق آپ فیصلہ کر سکتی ہے۔ نہ میں اسے مجبور کر سکتا ہوں اور نہ ہی خالد اسے مجبور کر سکتا ہے۔"

رابعہ خاتون نے غصہ سے کہا۔

"تم ایک سیدھی سادھی سی بات کو تسلیم کرنے کی بجائے خواہ مخواہ اُسے اُلجھا رہے ہو۔"

"نہیں امی ——— میں اُسے سُلجھا رہا ہوں۔ اس سے پہلے کہ کوئی بات بڑھے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ وکیل صاحب سے ملیں اور انہیں کہیں کہ ارمانہ کے سامنے اس نسبت کا اعلان کریں تاکہ سب کے سامنے ارمانہ بھی اپنا فیصلہ سُنا سکے۔ اس طرح جھگڑا خود بخود ختم ہو جائے گا۔"

رابعہ خاتون سوچ میں پڑ گئیں۔ فراز نے دو ٹوک فیصلے کا مشورہ دیا تھا اور یہ فیصلہ ارمانہ کی زبان سے ہو سکتا تھا۔ لیکن رابعہ خاتون جانتی تھیں کہ فی الحال ارمانہ، خالد کے حق میں فیصلہ نہیں کرے گی۔ وکیل صاحب نے یقین دلایا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ اپنی بیٹی کو اس رشتہ کے لئے راضی کر لیں گے۔

رابعہ خاتون کی سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ سر جھکا کر وہاں سے جانے لگیں۔

محرابی دروازے کے پاس پہنچ کر انہوں نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ جب تک ارمانہ اپنا فیصلہ نہ سنائے تم اس سے نہ ملو۔۔۔!"

"ہم ایک ہی کوٹھی میں رہتے ہیں امی! چار آدمیوں کے سامنے ارمانہ سے ملاقات ہو گی تو اخلاقاً بات کرنی ہی پڑے گی۔ ورنہ لوگ بد اخلاق کہیں گے۔"

انہوں نے جھنجھلا کر کہا۔

"میں چار آدمیوں کے سامنے ملنے سے منع نہیں کر رہی ہوں۔ میرے کہنے کا مطلب ہے کہ تم یہاں اس کالج میں اس سے نہ ملا کرو۔"

فراز نے مسکرا کر کہا۔

"اس کے لئے بھی بہتر راستہ یہی ہے کہ وکیل صاحب ارمانہ کو یہاں آنے سے منع کر دیں۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ اپنے دروازے پر آنے والوں کو ہمیشہ خوش آمدید کہ[نا] چاہیئے۔"

رابعہ خاتون غصہ سے پلٹ کر جانے لگیں۔

فراز نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر۔

"امی کو تو ذرا ذرا سی بات پر غصہ آجاتا ہے —— واہ میرے مالک! اس د[نیا] میں ایسی مائیں بھی ہوتی ہیں جو اپنے بیٹے کی خوشیوں کو کچل کر دوسروں کے لئے خوشیاں تلاش کرتی ہیں۔"

"کچھ بھی ہو۔ مجھے اپنی امی پر ناز ہے۔۔۔۔"

وہ ہری بھری گھاس پر جھک گیا اور بکھرے ہوئے پھولوں کو سمیٹنے لگا۔

کھانے کی ایک لانبی اور مستطیل میز کے اطراف کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ...ندان کے تمام افراد دو دو چار کی ٹولی میں باتیں کرتے آ رہے تھے اور ان کرسیوں پر بیٹھ ...ہے تھے۔

خالد بھی وکیل صاحب سے باتیں کرتا ہوا آکر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ارمانہ بھی ...ی وقت رابعہ خاتون کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔

ایک بار سب ہی کی نگاہیں اس کی جانب اٹھ گئیں۔ خالد بھی چور نظروں سے اسے ...ھنے لگا۔ جامنی رنگ کی ساڑھی میں اس کی گوری رنگت ایسی کھل رہی تھی کہ نگاہیں ہٹنے کا ...م نہیں لے رہی تھیں۔ اس کی دونوں کلائیوں میں موتیے کے گجرے اپنی بہار دکھا رہے ...ے اور ارمانہ کے سنگار میں ایک دلکش اضافہ کر رہے ہیں۔

رابعہ خاتون نے ارمانہ سے سرگوشی میں کہا۔

" خالد کے بازو ایک کرسی خالی ہے۔ وہاں بیٹھ جاؤ۔ "

ارمانہ نے بھی سرگوشی میں کہا۔

" سوسائٹی کے آداب یہ ہے کہ عورت کو دیکھ کر مرد اپنی قریبی کرسی پیش کرتا ہے
خالد صاحب نے اس ایٹی کیٹ کا خیال رکھا تو میں ضرور وہاں بیٹھوں گی۔ "

یہ کہہ کر وہ خالد کی جانب بڑھنے لگی۔

خالد دل ہی دل میں خوش ہو گیا کہ ارمانہ خود ہی اس کی طرف کھنچی آرہی ہے
بڑی بے نیازی سے چمچہ اور کانٹے کو اٹھا کر کھیلنے لگا۔

ارمانہ خوشبو کے ایک جھونکے کی طرح آئی۔ اس کے قریب ایک ساعت کے لئے
پھر آگے بڑھ گئی ——— خالد کی ساری خوش فہمی ختم ہو گئی۔

رابعہ خاتون نے جلدی سے کہا۔

" اے بیٹی! کہاں جا رہی ہو؟ یہاں خالد کے پاس جگہ خالی ہے ...."

لیکن ارمانہ تیزی سے چلتی ہوئی میز کی دوسری طرف آئی۔ قیصر نے جلدی
کر کرسی پیش کر دی۔

" آئیے ——— ! "

" شکریہ ——— ! " وہ مسکراتی ہوئی قیصر کے پاس بیٹھ گئی۔

کھانا شروع ہو گیا۔ لوگ اپنی اپنی ڈش اٹھا کر سالن اور روٹیاں لینے لگیں

رخسانہ بھی اس محفل میں بیٹھی چھوٹے چھوٹے لقمے اٹھا رہی تھی اور بار بار ارمانہ کو
دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں ایک حسرت تھی، ایک شکوہ تھا۔ وہ نگاہیں کہہ رہی
تھیں کہ ارمانہ تم نے میرے خالد کو مجھ سے چھین لیا ہے۔ پہلے مجھے شبہ تھا کہ خالد ہرجائی
ہے۔ آج منگنی کا اعلان سن کر یقین ہو گیا کہ اب وہ تمہارا ہو جائے گا ——— ہائے میں
کس سے فریاد کروں۔ خالد تو مجھے اتنا موقع ہی نہیں دے رہا کہ میں اس سے کوئی شکایت
کر سکوں ....

قیصر نے ارمانہ کی طرف ایک ڈش بڑھاتے ہوئے کہا۔

" میرا نام قیصر جمال ہے۔ میں خالد کا پھوپھی زاد بھائی ہوں۔ "

ارمانہ نے ڈش میں سے سالن لیتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

" میرا نام ارمانہ ظفر ہے۔ میں یہاں دس سال کے بعد آئی ہوں تو تمام چہرے اجنبی لگ
رہے ہیں۔ اب مجھے خیال آرہا ہے کہ میں نے پہلے بھی آپ کو یہاں دیکھا ہے۔ "

وکیل صاحب نے کہا۔

" یہ قیصر دس برس پہلے بھی ایسا ہی تھا۔ اس کی عمر بہت زیادہ ہے۔ میرے حساب
سے تو یہ بتیس یا تینتیس برس کا ہو گا مگر اب تک کنوارا ہے۔ شادی کے نام سے بھاگتا ہے
مرحوم نے اپنی وصیت میں لکھا ہے کہ جس دن یہ شادی کرے گا۔ اسی دن اسے پچیس ہزار روپے
ملیں گے۔ "

ارمانہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کسی کو شادی پر مجبور کرنے کے لئے یہ بہترین وصیت ہے۔"

"نہیں ۔۔۔! " قیصر نے کہا۔ "روپے کا لالچ مجھے شادی کے لئے مجبور نہیں کر

مگر مشکل یہ ہے کہ اپنا کاروبار بڑھانے کے لئے مجھے ایسی موٹی رقم کی ضرورت ہے۔"

"آپ کیا کاروبار کرتے ہیں ؟" ارمانہ نے پوچھا۔

قیصر نے لقمہ چباتے ہوئے کہا۔

"کاروبار ایسا ہے کہ جو بھی سنتا ہے۔ وہ ہنسنے لگتا ہے۔"

"اچھا ۔۔۔ میں بھی تو سنوں ؟"

اس نے چبائے ہوئے لقمہ نگل کر کہا۔

"میں انڈے بیچتا ہوں ... !"

ارمانہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

خالد نے قیصر کو گھور کر دیکھا اور کہا۔

"قیصر بھائی ! کیا آپ کو خاندان کی عزت کا ذرا بھی خیال نہیں ہے۔ ؟ ک
بیچنا کوئی فخریہ کام ہے ؟

"کیوں نہیں ۔۔۔!" اس نے جواب دیا۔ "یہ یقیناً فخریہ کام ہے۔ اسی
ہمارے ملک کی پی آئی اے شیور انڈے بیچتی ہے۔"

اس کی بات پر تمام لوگ مسکرانے لگے۔ اس نے ایسی مثال دی تھی کہ خا
ہو کر رہ گیا تھا۔

"مس ارمانہ ۔۔۔!" قیصر نے کہا "انڈوں کی باتیں کرنے سے خالد کو دکھ پہنچتا
ہے۔ لہٰذا ہم دوسری باتیں کریں ۔۔۔ اچھا یہ بتائیے کہ آپ نے یہ گجرے کہاں سے خریدے
ہیں ؟

وہ گجروں کو دیکھ کر مسکرانے لگی۔ پھر اس نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

"ایسی خوبصورت چیزیں خریدنے سے بھی نہیں ملتیں۔ پھولوں کا یہ تحفہ فراز نے مجھے
دیا ہے ...."

خالد کو لقمہ نگلتے نگلتے ٹھسکا لگ گیا ۔۔۔ رابعہ خاتون جلدی سے گلاس میں پانی لے
آئیں۔

خالد پانی پینے لگا۔

وکیل صاحب ان گجروں کو تشویش کی نظروں سے دیکھنے لگے ۔۔۔ قیصر کو یہ حقیقت
معلوم نہیں تھا کہ یہ گجرے اس وقت کیا گل کھلا رہے ہیں۔ وہ ایک باتونی آدمی تھا۔ اس نے
بغیر سوچے سمجھے پھولوں کے گجروں کو دیکھا اور کہا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فراز نے آپ کو پھولوں کی زنجیر پہنا دی ہے۔"

خالد نے زور سے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

"یہ کیا بکواس لگا رکھی ہے آپ نے ۔۔۔؟"

قیصر نے اسے حیرت سے دیکھ کر پوچھا۔

"کیوں ۔۔۔ اب کیا ہو گیا ؟"

"کچھ نہیں ـــــ میں خاموشی چاہتا ہوں۔"

"کیا تم مجھے حکم دے رہے ہو؟" قیصر کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

رابعہ خاتون نے جلدی سے کہا۔

"نہیں قیصر ـــــ تم بڑے بھائی ہو ـــــ خالد ایسا گستاخ نہیں ہے کہ تمہیں حکم د

دراصل آج اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اسی لئے یہ خاموش رہنے کے لئے کہہ رہا

قیصر نرم پڑ گیا اور خاموشی سے کھانے لگا ـــــ لیکن خالد کا سکون برباد ہو گیا تھا

کھانے کی بجائے جھنجھلاہٹ سے اپنے ہونٹوں کو چبا رہا تھا اور بار بار ارمانہ کی کلائی

پڑی ہوئی پھولوں کی زنجیر کو گھورتا جا رہا تھا۔

وکیل صاحب نے اس کی جھنجھلاہٹ کو محسوس کرتے ہوئے ارمانہ سے کہا۔

"ارمانہ ـــــ یہ کھاتے وقت گجرے پہننے کی کیا تک ہے ـــــ؟

"بس یونہی ڈیڈی! مجھے اچھے لگ رہے ہیں۔ اس لئے میں پہنے ہوئے ہوں۔

جو سنگار اپنے وقت اور ماحول کی نسبت سے نہ ہو اسے اتار کر پھینک دینا چاہئے

ارمانہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ـــــ؟

"میں ایک مناسب بات کہہ رہا ہوں۔"

اس نے سنجیدگی سے باپ کی جانب دیکھا۔ پھر کہا۔

"اگر یہ محض سنگار ہوتا تو یہ بات مناسب تھی لیکن یہ کسی کا تحفہ بھی ہے۔ تح

نہیں ہوتا کہ اسے بظاہر قبول کرنے کے بعد اتار کر پھینک دیا جائے۔"

"تم مجھ سے بحث کر رہی ہو؟"

"میں ایک وکیل کی بیٹی ہوں۔ بحث کرنے کی صلاحیتیں مجھے آپ سے ورثہ میں ملی ہیں۔"

تمام لوگ کھانا بھول کر باپ بیٹی کی بحث کو سننے لگے۔ ارمانہ کو اچانک احساس ہوا کہ چار

آدمیوں میں بیٹھ کر اسے باپ کی بات مان لینی چاہئے۔

وہ فوراً ہی سر جھکا کر کہنے لگی۔

"سوری ڈیڈی ـــــ میں آپ سے بحث نہیں کروں گی۔ آپ کہتے ہیں تو میں فرانہ

کے اس تحفہ کو اتار دیتی ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی میں وہ تمام تحفے پھینک دوں گی جو

آج تک میرے پاس محفوظ ہیں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ اس ہاتھ کی ایک انگلی میں

ہیرے کی انگوٹھی چمک رہی تھی۔

ارمانہ نے کہا۔

"آپ نے ایک دن یہ انگوٹھی دیتے وقت کہا تھا کہ خالد صاحب نے یہ تحفہ میرے

لئے بھیجا ہے۔ میں اس انگوٹھی کو قبول نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن آپ نے نصیحت کی کہ تحفہ

کسی کا ہو، اس کی قدر کرنی چاہئے ـــــ میں نے اس تحفہ کی قدر کی لیکن آج آپ تحفوں کی

ناقدری سکھا رہے ہیں۔ اس لئے میں کسی تحفہ کی بھی قدر نہیں کروں گی۔"

وہ دونوں ہاتھوں میں پڑے ہوئے گجروں کو نوچنے لگی۔ پھر اس نے انگلی سے انگوٹھی

اتاری اور اسے خالد کی طرف پھینکتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"معاف کیجئے گا ——" اس نے حاضرین سے کہا۔ "میں آداب محفل کے خلاف کر رہی ہوں —— اس بات کا مجھے افسوس ہے ...."

وہ ایک جھٹکے سے کرسی کو پیچھے ہٹا کر آگے بڑھ گئی اور ڈرائنگ روم سے باہر چلی گئی۔

وکیل صاحب کا سر جھکا ہوا تھا۔ رابعہ خاتون کا منہ حیرت سے کھلا ہوا تھا۔ خالد کا چہرہ اپنی توہین کے احساس سے سرخ ہوتا جا رہا تھا۔

رات کے گیارہ بجے تھے۔

وکیل ظفر عالم ایک کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہے تھے اور قریب ہی ارمانہ ایک کرسی کے ہتھے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

اپنے والد کو مضطرب اور پریشان دیکھ کر اس نے کہا۔

"آپ اپنی پریشانی خود ہی بڑھا رہے ہیں۔ جب پہلی بار میں نے اس رشتے سے انکار کیا تو آپ نے کہا تھا کہ میں اسے منگنی کی انگوٹھی سمجھ کر نہ پہنوں بلکہ خالد کا تحفہ سمجھ کر قبول کر لوں —— میں نے آپ کی بات مان لی اسے تحفہ سمجھ کر قبول کر لیا۔ لیکن آپ اپنے طور پر اسے منگنی کی انگوٹھی سمجھتے رہے —— اب آپ ہی بتائیے کہ اس میں میری کیا غلطی ہے ——؟"

وکیل صاحب ٹہلتے ہوئے پلنگ تک گئے پھر وہاں سے پلٹ کر کہا ۔

" غلطی تمہاری نہیں —— میری ہی ہے ۔ یہ میری بھول ہے کہ میں نے ایک ذمہدار
باپ کی طرح تمہاری لئے ایک کروڑپتی نوجوان کا انتخاب کیا ہے ۔ تاکہ تم ساری زندگی عیش
آرام سے گزار سکو —— کیسا عجب زمانہ آگیا ہے ۔ اولاد کے لئے خوشیاں تلاش کرنے وا
ماں باپ احمق اور غلط کار کہلاتے ہیں ۔"

ارمانہ سر جھکائے ان کی طنزیہ باتیں سن رہی تھی ۔ اپنی شادی کے متعلق وہ اپنی ر
کا اظہار کرنا چاہتی تھی لیکن باپ کے رُوبرو کچھ کہتے ہوئے اسے جھجک محسوس ہو رہی تھی
آخر اس نے دوسری طرف منہ پھیر کر کہا ۔

" آپ نے اپنے طور پر میری بھلائی کے لئے سوچا ہے ۔ مگر —— مگر میں صرف اتنا ہی ک
چاہتی ہوں کہ آپ میری خوشیوں کے لئے دولت کو نہ دیکھیں ۔ بلکہ آدمی کی خوبیوں اور خرابیو
کو دیکھیں ...."

" آخر اس میں کون سی خرابی ہے ؟" انہوں نے کہا ۔ " یہی ناکہ وہ ذرا مغرور ہے ۔
انسان میں کوئی نہ کوئی عیب ضرور ہوتا ہے ۔ تم بھی تو غصہ کی تیز ہو ۔ ذرا ذرا سی بات
بھڑک اُٹھتی ہو ۔ لیکن خالد نے تمہاری کبھی عیب جوئی نہیں کی ...."

" مرد شادی سے پہلے عورت کی عیب جوئی نہیں کرتا —— شادی کے بعد اس سے
انتقام لیتا ہے —— نہ جانے کیوں میرے انکار کے باوجود آپ خالد کی وکالت کر رہے"

" وکالت اس لئے کر رہا ہوں کہ تم یہاں بہو بن کر حکومت کر سکو ۔"

" مجھے حکومت نہیں چاہیئے —— آپ میری خوشی چاہتے ہیں تو اس رشتے سے انکا

کر دیجئے ...."

وہ کرسی کے ہتھے سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور کمرے سے باہر جانے لگی ۔

" ٹھہرو —— !" انہوں نے آواز دی ۔

اس کے قدم رک گئے ۔ لیکن اس نے پلٹ کر اپنے والد کی طرف نہیں دیکھا ۔

وہ آہستہ آہستہ اس کے قریب آتے ہوئے کہنے لگے ۔

" اگر تم مجھے ذلیل کرنا ہی چاہتی ہو تو میں انکار کر دوں گا —— تم نہیں جانتیں ارمانہ
کہ اس انکار کے بعد خالد مجھ سے کس قسم کی دشمنی کرے گا ۔"

ارمانہ نے پلٹ کر انہیں حیرت سے دیکھا ۔

" آپ —— آپ خالد سے ڈرتے ہیں ؟"

" ہاں کسی کا مقروض ہونے کے بعد اس سے ڈرنا ہی پڑتا ہے ۔"

" مقروض —— !؟" اس نے تعجب سے پوچھا ۔ " کیا آپ نے خالد سے قرض لیا ہے؟"

" خالد سے نہیں —— اس کے والد رب نواز سے لیا تھا —— میں رب نواز کا
ایک وکیل ہی نہیں بلکہ ایک جگری دوست بھی تھا —— یہ میری غلطی تھی کہ میں ایک
دولت مند کو اپنا دوست سمجھتا رہا ۔ لوگ آج بھی اس کی تعریفیں کرتے ہیں —— اور اس لئے
تعریفیں کرتے ہیں کہ دولت کی چمک دمک میں اس کی برائیاں آج تک کسی کو نظر نہیں آئیں ۔
لیکن میں اس کے بہت قریب رہ چکا ہوں —— میں جانتا ہوں کہ وہ کیسا شرابی
اور بدکار آدمی تھا ۔ اس نے رفتہ رفتہ مجھے بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا ۔ مجھے شراب پلانے
لگا اور ایسی ایسی جگہ لے جانے لگا جہاں طبلوں کی تھاپ اور گھنگروں کی جھنکار پر دولت

پانی کی طرح بہائی جاتی ہے۔ ایسے وقت میرے پاس پیسے نہ ہوتے تو وہ نوٹوں سے میری
جیب بھر دیتا اور میرا حوصلہ بڑھانے کے لئے کہتا رہتا۔ فکر نہ کر یار! جب بھی تیرے
پاس پیسے آئیں۔ مجھے لوٹا دینا....."

میں بھی قرض لوٹانے کے متعلق سوچتا رہا اور نشے کی ترنگ میں آئے دن قرض
لیتا رہتا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ رقم بڑھتے بڑھتے کہاں تک جا رہی ہے — دس
سال کے بعد جب ان رنگ رلیوں سے طبیعت ذرا اکتائی تو مجھے کچھ ہوش آیا اور میں یہ
دیکھ کر گھبرا گیا کہ میں دو لاکھ روپے کا مقروض ہو گیا ہوں....."

"دو لاکھ روپے —!؟ حیرت سے ارمانہ کی اوپر کی سانس اوپر ہی رہ گئی۔

"ہاں — مجھے بھی یقین نہیں آیا کہ میں اتنی بڑی رقم قرض کے طور پر لے چکا ہوں
رب نواز نے اپنے حساب کا کھاتہ کھول کر میرے سامنے رکھ دیا — اس کھاتہ میں پچھلے
دس سال کی تفصیل درج تھی۔ دو ہزار — چار ہزار — دس ہزار — اور پچیس ہزار
تک کی رقمیں وقتاً فوقتاً میں اس سے قرض لیتا رہا ہوں اور اس کھاتہ پر اپنے دستخط کرتا
رہا ہوں۔

میری آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ میں اس قرض سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ میں
وکالت کے ہتھکنڈے استعمال کر کے اس رقم کو زیادہ سے زیادہ گھٹا سکتا تھا — لیکن
میرے ضمیر نے گوارا نہیں کیا کہ ایک دوست سے قرض لینے کے بعد اسے دھوکہ دوں۔

رب نواز نے بھی اس رقم کا شدت سے تقاضا نہیں کیا۔ اس نے کہہ دیا تھا کہ جب
تیرے پاس پیسے آئیں، میں ادا کر دوں۔ لیکن میری آمدنی اتنی کہاں تھی کہ میں اتنی بڑی رقم

ادا کر سکتا۔

پھر رب نواز کا انتقال ہو گیا اور لین دین کا وہ کھاتہ خالد کے ہاتھوں میں آ گیا۔ تم تو
دیکھ چکی ہو کہ وہ کس قسم کا لڑکا ہے۔ باپ کو مرے ہوئے ابھی صرف چالیس دن ہوئے ہیں
اس مختصر سی مدت میں وہ سینکڑوں بار تقاضا کر چکا ہے کہ میں وہ دو لاکھ روپے ادا
کر دوں۔

وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ میں یہ رقم ادا نہیں کر سکتا — اس لئے اس نے
کھلے لفظوں میں یہ شرط رکھ دی کہ میں تمہاری شادی اس سے کر دوں — اس نے
وعدہ کیا ہے کہ وہ نکاح کے وقت یہ رسید لکھ کر دے گا کہ اس نے دو لاکھ روپے
مجھ سے وصول پا لئے ہیں...."

ارمانہ گم سم کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ کہہ رہے تھے۔

"اس کی یہ شرط سن کر پہلے مجھے بہت غصہ آیا۔ میرے ضمیر نے بھی کہا کہ غلطی میری
ہے — قرض میں نے لیا ہے — جو بھول میں نے ماضی میں کی ہے اس کی سزا مجھے
ملنی ہی چاہیئے۔ میں اپنی لاڈلی بیٹی کو اس کے سپرد نہیں کروں گا۔

پہلے میں نے غصہ کی حالت میں ایسا سوچا تھا۔ پھر میں نے ٹھنڈے دل سے غور
کیا تو مجھے اس میں نقصان کی بجائے فائدہ نظر آیا۔ میں تمہیں اس گھر کی بہو بنا کر خالد کی
کروڑوں کی جائداد کا حصہ دار بھی بنا سکتا ہوں اور اپنا قرض بھی اتار سکتا ہوں۔ مجھے تم پر
اعتماد تھا کہ شادی کے بعد تم اس مغرور لڑکے کو راہ راست پر لے آؤ گی — لیکن تم نے

اس رشتہ سے انکار کر دیا ہے۔

اچھا ہی کیا تم نے ——— کہ انکار کر دیا۔ مجھے اپنے کئے کی سزا بھگتنا ہی چاہئے وہ اس رقم کے لئے مجھے زیادہ سے زیادہ ذلیل کرے گا جیل بھجوا دے گا ——— میری عمر ہی اب کتنی رہ گئی ہے جو رہ گئی ہے۔ وہ جیل کی چار دیواری میں گزر جائے گی۔

ارمانہ نے تڑپ کر کہا۔

ڈیڈی ——— خدا کے لئے ایسی باتیں زبان سے نہ نکالیں ——— میں ایسی بے حس نہیں ہوں کہ آپ کو بڑھاپے میں ذلیل ہونے کے لئے چھوڑ جاؤں ——— آپ پریشان نہ ہوں ——— ہم اس رقم کی ادائیگی کے لئے کہیں نہ کہیں سے ضرور کوئی راہ نکال لیں گے"

انہوں نے مایوسی سے سر جھکا کر کہا۔

"ادائیگی کی اب کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے۔ میں ہر پہلو پر غور کر چکا ہوں۔ نہ تو میری آمدنی اتنی ہے اور نہ ہی اتنی بڑی رقم کوئی قرض کے طور پر دے سکتا ہے۔ پھر ایک قرض ادا کرنے کے لئے دوسرا قرض لینا بھی حماقت ہے۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی۔

دو لاکھ روپے کی رقم معمولی نہیں تھی۔ یہ قرض تھا۔ کوئی مذاق نہیں تھا کہ مذاق ہی مذاق میں ختم کر دیا جاتا۔

مایوسی اور محرومی کے احساس سے اس کا چہرہ مرجھانے لگا۔ وہ کیا کرے ——— وہ کیا کرے ——— ؟ ——— اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

وکیل صاحب اس کے اور زیادہ قریب آ گئے۔ انہوں نے بڑی شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

میری بچی ——— تم کیوں اداس ہو گئیں۔ یہ میری الجھنیں ہیں۔ میں انہیں سلجھانے کی کوشش کروں گا اور اگر نہ سلجھا سکا تو اپنی اداسی سمجھ کر اور الجھتا جاؤں گا تم فکر نہ کرو۔ جاؤ، آدھی رات ہونے کو آئی ہے۔ جا کر آرام سے سو جاؤ ——— میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ مجھے تمہاری خوشیاں عزیز ہیں۔ میں تمہیں خوش دیکھ کر جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھی خوش ہو جایا کروں گا۔"

"ڈیڈی ——— !" اس کا دل بھر آیا۔ آنکھوں سے یک بیک آنسو چھلکنے لگے۔

اس نے جلدی سے منہ پھیر لیا۔ پھر وہ دوڑتی ہوئی باہر جانے کے لئے دروازے تک گئی۔ اس نے دروازے کو کھولا لیکن آگے بڑھنے کی بجائے ایک ذرا دیر کے لئے رک گئی۔

ڈیڈی ——— !"

اس نے سر جھکا کر آنسو بھرے لہجے میں کہا۔

"مم ——— میں ——— میں آپ کی ذلت کبھی برداشت نہیں کر سکتی ——— کبھی نہیں۔!"

پھر وہ دوڑتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

وکیل صاحب کے چہرے سے اطمینان جھلکنے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کرسی کے پاس آئے اور تھکے ہوئے انداز میں کرسی پر بیٹھ گئے۔

تھکے ہوئے انداز کے باوجود ان کی بوڑھی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

رخسانہ کچن کا دروازہ لاک کر کے ڈرائنگ روم میں آئی تو ساری کوٹھی میں سناٹا ہوا تھا۔ تمام افراد اپنے اپنے کمرے میں جاکر گہری نیند سو گئے تھے۔

اس نے ڈرائنگ روم کے وال کلاک کو دیکھا۔ اس وقت ایک بجکر پچیس منٹ ہوئے تھے۔

خالد سے ملنے کے لئے یہی وقت مناسب تھا۔ صبح سے رخسانہ سے وہ کترا رہا تھا۔ اور مصروفیت کے بہانے تراش رہا تھا۔ رخسانہ نے سوچا کہ اتنی رات کو اب تنہائی میں کترانے کے لئے اس کے پاس کوئی بہانہ نہ ہوگا۔

وہ اوپری منزل کی طرف دیکھنے لگی۔

وہاں چار کمرے تھے۔ پہلا کمرہ رابعہ خاتون کا تھا۔ دوسرا کمرہ فی الحال ارمانہ کے لئے

مخصوص کر دیا گیا تھا۔ تیسرا کمرہ جہاں پہلے فرازنہ رہا کرتا تھا، آج وہاں وکیل صاحب ٹھہرے ہوئے تھے۔ چوتھا اور آخری کمرہ خالد کا تھا۔ جس کی کھڑکیاں کوٹھی کے پیچھے کاٹیج کی طرف کھلتی تھیں۔

رخسانہ اوپر منزل پر جانے کے لئے زینے کی طرف بڑھنے لگی ـــ مگر پھر رک گئی۔ ڈرائینگ روم کے باہری دروازے پر کھٹکا سا ہوا تھا۔

وہ گھبرا کر پلٹ گئی۔ حالانکہ گھبراہٹ کی بات نہیں تھی۔ وہ اس گھر کی رہنے والی تھی کہیں بھی، اِدھر سے اُدھر جا سکتی تھی۔ لیکن اس کے دل میں چور تھا۔ وہ چوری سے ملنے جا رہی تھی۔ اسی لئے گھبرا گئی۔

ڈرائنگ روم کا باہری دروازہ کھلا اور قیصر داخل ہوا۔ اس نے رخسانہ کو دیکھ کر کہا۔

"کمال ہے۔ تم بھی ابھی تک جاگ رہی ہو؟"

"جی ـــ جی ہاں!" وہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ "آپ بھی تو جاگ رہے ہیں۔"

وہ ایک صوفہ پر بیٹھ گیا اور قالین پر دونوں پاؤں پھیلا کر بولا۔

"ہاں ـــ پچیس ہزار روپے جگا رہے ہیں۔ میں سونا چاہتا ہوں مگر نیند نہیں آتی آج روٹی کھائی ہے تو وہ بھی ہضم نہیں ہو رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے جیسے میرے معدے میں پچیس ہزار روپے اٹک گئے ہیں۔ انکل اگر میرے لئے یہ وصیت نہ لکھتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا؟"

رخسانہ نے اسے ٹالنے کے لئے کہا۔

"اپنے کمرے میں جا کر کوئی اٹل فیصلہ کیجئے ـــ نیند آجائے گی۔"

"فیصلہ تو میں نے کر لیا ہے۔"

"کیا ——؟"

"یہی کہ جب تک شادی نہیں کروں گا وہ کمبخت وصیت میرے ذہن میں چبھتی رہے
گی۔ میں ابھی لان میں بیٹھا یہی فیصلہ کر رہا تھا کہ کسی ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہئے
پچیس ہزار ملنے کے بعد میں اسے طلاق دے کر چھٹی کر دوں۔"

"یہ کیا بات ہوئی ——؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"بات کیا ہونا ہے؟ مجھے روپے کی ضرورت ہے۔ انڈے مہنگے ہوتے جا رہے ہیں
میں بیوی لے کر کیا کروں گا۔"

رخسانہ نے ہونٹوں کو بھینچ کر اسے دیکھا۔ پھر کہا۔

"آپ بہت جلد پاگل ہونے والے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ جانے لگی۔

"ارے سنو تو ——!" اس نے آواز دی۔

وہ رک کر پلٹ گئی۔

"فرمایئے ——!"

"مجھے ابھی یاد آیا کہ تمہیں بھی شادی کے وقت پندرہ ہزار ملنے والے ہیں۔"

"تو پھر ——؟"

قیصر نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم عارضی شادی کر لیں۔ مجھے پچیس ہزار مل جائیں گے اور
تمہیں پندرہ ....."

"آپ بکواس کر رہے ہیں۔" وہ غصہ سے بولی۔ "آپ نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے۔"

"بھئی اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔ میں یہ تو نہیں کہہ رہا ہوں کہ ہم سچ مچ کے
میاں بیوی بن جائیں۔ دیکھو نا! صبح نکاح ہوگا۔ نکاح کے بعد ہمیں اپنی اپنی رقم کا
چیک ملے گا۔ ہم انہیں بینک میں جمع کر کے آئیں گے اور ایک دوسرے سے طلاق لے
لیں گے یعنی ہماری زندگی میں سہاگ رات آئے گی ہی نہیں۔"

"میں لعنت بھیجتی ہوں ایسی شادی پر —— کیا —— کیا آپ مجھے یتیم اور بے سہارا
لڑکی سمجھ کر میرا مذاق اڑا رہے ہیں ——؟"

وہ صوفہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

پھر اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"بڑی مشکل ہے۔ جس لڑکی سے بھی میں یہ بات کروں گا۔ وہ اسے مذاق سمجھے گی۔
کئی جگہ تو گالیاں اور جوتے کھانے کی نوبت بھی آ سکتی ہے۔ مگر پھر بھی میں کوشش کروں
گا۔ کوئی نہ کوئی تو ضرور ملے گی —— آہ! پچیس ہزار روپے ....."

وہ بڑبڑاتا ہوا اپنے کمرے کی طرف جانے لگا۔

"پاگل کہیں کا ——!"

رخسانہ بھی زیر لب بڑبڑاتی ہوئی زینے تک پہنچ گئی۔ قیصر اپنے کمرے کا دروازہ

کھول کر اندر چلا گیا۔ وہ زینے طے کرتی ہوئی اوپری منزل پر آئی اور دبے قدموں سے چلتی
ہوئی، پہلے تین کمروں کے سامنے سے گزرتی ہوئی خالد کے دروازے تک پہنچ گئی۔

اس نے آہستگی سے دستک دی۔

اسے یقین تھا کہ خالد جاگ رہا ہوگا۔ اور اپنی عادت کے مطابق تنہا بیٹھا شراب کے
نشہ میں بڑبڑا رہا ہوگا۔ رخسانہ اس کی راتوں کو اچھی طرح جانتی تھی۔

دوسری دستک پر دروازہ کھل گیا۔

پھر اس سے پہلے کہ خالد اسے نشہ میں پہچانے اور کمرے میں آنے سے منع کرے،
ادھ کھلے دروازے کو ایک جھٹکے سے کھول کر کمرے میں چلی آئی۔

خالد نے اسے گھور کر دیکھا۔ پھر آہستگی سے کہا۔

"تمہیں اس وقت نہیں آنا چاہیئے۔ مہمانوں میں سے کسی نے دیکھ لیا تو بدنام ہو جاؤ

"بدنام ہونے کے لئے رہ کیا گیا ہے؟ آپ نہیں جانتے کہ میں کس طرح تباہ ہونے والی

خالد نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"بکواس نہ کرو۔ یہاں سے چلی جاؤ۔

"نہیں —— میں بہت ضروری باتیں کرنے آئی ہوں۔"

خالد نے اسے بے بسی سے دیکھا۔ وہ جبراً اسے نکال بھی نہیں سکتا تھا خواہ
بات بڑھ جاتی تو گھر کے دوسرے لوگ بیدار ہو جاتے۔

اس نے مجبوراً دروازے کو بند کر کے اندر سے چٹخنی چڑھا دی۔

"دیکھو رخسانہ ——! جو بکواس کرنا ہے جلدی کرو۔ میں بہت پریشان ہوں اور
اس وقت تنہا رہنا چاہتا ہوں۔"

"اور یہ پریشانی ارمانہ کی وجہ سے ہے۔" وہ بولی۔ "تعجب ہے کہ اس نے سب کے
سامنے آپ کی انگوٹھی پھینک دی مگر پھر بھی آپ اپنی توہین محسوس نہیں کرتے ہیں۔ اسی
کے لئے سوچے جا رہے ہیں۔"

"اونہہ ——!" اس نے حقارت سے کہا۔ "میں نے اس توہین کا بدلہ نہ لیا تو میرا نام
خالد نواز نہیں۔"

رخسانہ نے دکھ بھرے لہجے میں پوچھا

"کیا بدلہ لینے کا یہی طریقہ رہ گیا ہے کہ آپ اس سے شادی کریں ——؟"

اس نے پلنگ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"ہاں —— شادی کے بعد میں اس کی زندگی تباہ کر دوں گا۔"

"جس طرح آپ نے میری زندگی تباہ کی ہے۔"

"فضول باتیں نہ کرو ——!" وہ منہ پھیر کر بولا۔

"یہ آپ کے لئے فضول باتیں ہیں۔ لیکن میری زندگی کا سب سے اہم فیصلہ ہے۔ کیا
اسی دن کے لئے مجھے کھلونا سمجھ کر کھیلتے رہے تھے؟ کیا آپ کو اپنے وعدے یاد نہیں ہیں؟
آپ تو کہا کرتے تھے کہ ہمیشہ مجھے اپنا بنا کر رکھیں گے۔"

"اپنا بنا کر رکھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں تمہیں بیوی بھی بنا لوں۔ ابا جان نے

تمہیں یتیم سمجھ کر یہاں پناہ دی۔ میں نے تمہیں غریب جان کر اپنی آغوش میں پناہ د
اس سے زیادہ اور کیا چاہتی ہو —— ؟ کیا تمہیں اس گھر کی مالکہ بنا دوں ——؟"

" میں مالکہ نہیں کنیز بن کر رہنا چاہتی ہوں۔ آپ ہی ایمان سے بتائیں کہ میں نے
آپ کی خدمت میں کون سی کمی کی ہے؟ آپ کی کون سی بات نہیں مانی ہے؟ آپ
لئے تو میں نے اپنا تن من دھن سب کچھ لٹا دیا ہے۔"

" تم نے اپنا سب کچھ لٹایا ہے تو میں نے بھی سخاوت میں کمی نہیں کی ہے۔ میں نے
تمہیں عیش و آرام کی زندگی دی ہے۔ تم یہاں اچھے سے اچھا کھاتی ہو۔ اچھے سے اچھا
ہو اور راتوں کو میرے پہلو میں سوتی ہو۔ ایک عورت کو اس سے زیادہ اور کیا چاہئے
ادھر —— غریب پروری بھی مصیبت بن جاتی ہے۔ غریب سمجھ کر منہ لگایا ہے تو
سر پر چڑھی جا رہی ہو۔ مجھ سے شادی کرنے کا خواب دیکھ رہی ہو۔"

اس کی باتیں سن کر رخسانہ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ
اسے ایک سستی لڑکی سمجھ کر اپنا مطلب نکالتا رہا ہے۔ غریب ہونے اور یہاں پناہ لینے کا
یہ تو نہیں تھا کہ اس کی کوئی عزت ہی نہیں ہے —— وہ اندر ہی اندر اپنی توہین کے
سے تلملانے لگی۔

وہ خالد کے اس رویئے سے نفرت کر سکتی تھی لیکن اس نفرت کا اظہار نہیں کر
تھی۔ اسے خالد کے غصے اور سخت مزاجی سے خوف آتا تھا۔ وہی کیا گھر کے سارے لوگ
کے مزاج کی تیزی اور تندی سے سہمے رہتے تھے۔

رخسانہ نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

" آپ نے جو کچھ بھی کیا وہ آپ کے لئے ایک کھیل تھا۔ لیکن آپ نے یہ نہیں سوچا کہ
اس کھیل کا انجام کیا ہوگا —— میں تو اب کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی ہوں ——
میں —— میں آپ کے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔"

خالد کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس نے جھنجھتی ہوئی سرگوشی کے انداز میں کہا۔

" بکواس مت کرو۔"

" میں —— میں سچ کہتی ہوں۔"

"تڑاخ" سے اس کے منہ پر طمانچہ پڑا۔ وہ الٹ کے پلنگ کے آخری سرے پر آ گری۔
پھر خالد نے اس کی چوٹی پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

" مجھ سے زیادہ چالاک بننا چاہتی ہو۔ بچے کا نام لے کر مجھے دھمکی دے رہی ہو کہ میں
مجبور ہو کر تم سے شادی کر لوں —— لیکن میں نے مجبور ہونا نہیں سیکھا ہے —— بیوقوف
عورت! اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ وہ میرا بچہ ہے؟"

" میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ ...."

بات پوری ہونے سے پہلے ہی اس نے دوسرا طمانچہ جڑ دیا۔

" تمہاری قسم کا کیا اعتبار؟ تم میرے پاس آ سکتی ہو تو کسی دوسرے کے پاس بھی
منہ کالا کر سکتی ہو۔ تمہاری جیسی بدکار عورتوں کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

دو طمانچے پڑنے کے بعد اس کے منہ سے خون نکلنے لگا تھا اور وہ دہشت زدہ نظروں

سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس نے مزید کچھ کہا تو پھر مار پڑے گی۔

خالد نے اس کی چوٹی کو جھنجھوڑ کر اسے پلنگ پر دھکیل دیا۔ وہ فوم کے ملائم بستر پر چاروں شانے چت ہو گئی۔ اس کا دوپٹہ ایک طرف کو جا پڑا تھا۔ وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی ——— یہ پہلا موقع نہیں تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے کئی مار کھا چکی تھی۔ وہ خالد کے ظلم اور تشدد کو اچھی طرح سمجھتی تھی کہ وہ کس طرح مارتا ہے اور پھر کس طرح پیار سے پچکارتا ہے۔

اس وقت بھی یہی ہوا۔ خالد اسے مارتے مارتے اچانک رک گیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا ——— وہ چت پڑی ہوئی تھی۔ بستر کی نیلی چادر پر سفید اُجلا جسم چم چم چمک رہا تھا۔ بیڈ لیمپ کی آدھی روشنی اس کے آدھے جسم پر پڑ رہی تھی اور لیمپ کا شیڈ بقیہ آدھے جسم کو چھپا رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ سائے سے نکل رہی ہے۔ اندھیرے سے اُٹھ رہی ہے اور روشنی کے دائرے میں آ کر خالد کی نگاہوں کو پکار رہی ہے۔

خالد کے دانت نکل گئے۔ پھر وہ ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے درندگی سے مسکرانے لگا۔

"عورت ایک خزانے کی طرح للچاتی ہے ہی ہی ہی ہی...."

اس نے ہنستے ہوئے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور اس کے گریبان کو اپنی مٹھی میں جکڑ لیا۔ گلابی کُرتے میں رخسانہ کا جسم کانپ رہا تھا۔ خالد نے ایک جھٹکا دیا تو گلے کے بٹن یکے دیگرے کھلتے اور ٹوٹتے چلے گئے۔

رخسانہ نے تڑپ کر کروٹ بدلی اور ہاتھ بڑھا کر بیڈ لیمپ کے سوئچ کو آف کر دیا۔

"تاریکی میں خالد غرّایا۔

"تم نے لائٹ کیوں بجھائی ——— ؟"

"آپ مجھے دیکھ کر بہک جاتے ہیں۔ پہلے فیصلہ کیجئے۔"

"فیصلہ ہو چکا ہے۔ بچے کو ضائع کر دو...."

"نہیں ——— !" رخسانہ کی آواز میں پہلی بار ممتا کا درد جاگا۔

"میں یہ ظلم نہیں کر سکتی...."

"تو پھر بدنام ہو جاؤ ——— !"

"میرے ساتھ آپ بھی بدنام ہو جائیں گے۔"

"اونہہ ——— ! یہ تمہارا خیال ہے ——— بیوقوف عورت ——— تمہیں اس بات کا اندازہ نہیں ہے کہ دولت اس دنیا میں کتنی بڑی طاقت ہے۔ آج مجھے ایک کروڑ روپے کی جائداد ملی ہے۔ آج سے جو بات میری زبان سے نکلے گی لوگ اسے آمنا صدقنا کہہ کر تسلیم کریں گے۔ میں ان سے کہوں گا کہ تم ایک کروڑ روپے کے لالچ میں آ کر مجھے بدنام کر رہی ہو۔ کسی کے گناہ کو میرے سر اس لئے تھوپ رہی ہو کہ تمہارا وہ بچہ میری جائداد کا وارث بن جائے۔"

رخسانہ تاریکی میں آنکھیں پھاڑے حیرت اور بے بسی سے تکنے لگی ——— بے بسی کیسی؟ اس کے اندر کی عورت نے یک بیک اسے جھنجھوڑا ——— یک بیک اس کے خون کی گردش میں تیزی آ گئی۔ اس کے ہاتھوں میں ایک اضطراری حرکت پیدا ہوئی اور پھر ان ہاتھوں

نے خالد کی گردن کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

اندھیرے میں اس کی غراہٹ ابھری۔

"کیا یہ آپ کا بچہ نہیں ہے —— ؟"

"ارے میری گردن چھوڑو ...." اس نے ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھوں کو پرے کر

"کمینی —— ! میرا کھاتی ہے اور میرا ہی گلہ دباتی ہے۔"

اس نے ایک زور کا ہاتھ جما دیا۔ رخسانہ نے چیخ کر کہا۔

"خبردار —— ! اب اگر آپ نے ہاتھ اٹھایا تو میں چیخنا شروع کر دوں گی۔"

وہ جلدی سے پرے ہٹ گیا۔ اندھیرے میں اس کی مستحکم آواز سنائی دے رہی تھی۔

"میں کمزور نہیں ہوں —— عورت کبھی مرد کی طاقت سے زیر نہیں ہوتی بلکہ اس کی
سے مار کھاتی ہے اور اس کے ظلم کو پیار کی ایک ادا سمجھ کر برداشت کر لیتی ہے۔
میں بھی آج تک برداشت کرتی رہی۔ آج تک یہی سوچتی رہی کہ تم میرے جسم
مالک ہو۔ میری زندگی کے محافظ ہو۔ اور میری عزت و آبرو کے رازدار ہو۔
مگر آج پتہ چلا کہ تم نہایت ہی ذلیل اور کمینے انسان ہو —— میں تمہیں گالیاں
رہی ہوں —— ہمت ہے تو آگے بڑھو اور مجھ پر ہاتھ اٹھاؤ —— لیکن میں جانتی ہ
اب تم مجھ پر انگلی بھی نہیں اٹھا سکو گے —— کیونکہ آج تم کمزور ہو اور میں طاقت
میری ایک چیخ سن کر کوٹھی کے تمام لوگ جمع ہو جائیں گے۔ اور پھر تمہاری باتوں کو
سمجھنے والے خود تم سے پوچھیں گے کہ اتنی رات گئے میں تمہارے بستر پر کیوں پڑی ہو

میرے کرتے کا گریبان کس نے چاک کیا ہے ؟
بتی جلاؤ —— اور دیکھو —— یہ وہی جسم ہے —— جس سے تم کھلونا سمجھ کر
کھیل لیا کرتے تھے

آؤ —— آؤ میرے جسم کے خریدار —— ! حوصلہ ہے تو آج مجھے چھو کر بھی دیکھ لو۔
تمہاری شرافت کی دھجیاں اڑ جائیں گی —— کیونکہ آج میں ایک کمزور اور بکنے والی عورت
نہیں ہوں۔ آج میرے اندر ایک ماں کا حوصلہ جنم لے رہا ہے۔

اور تم ذلیل کمینے —— تم مجھے مشورہ دیتے ہو کہ میں بچے کو ضائع کر دوں —— میں
تھوکتی ہوں تمہارے مشورے پر ...."

پھر یک بیک اس کی سسکیاں سنائی دینے لگیں۔

وہ رو رہی تھی۔

خالد غصہ میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ مگر اسکے رونے کی آواز سن کر اسے ایک عجیب
خوشی کا احساس ہوا۔ اس نے ایک ہی پل میں فیصلہ کر لیا کہ رخسانہ سے فوراً ہی صلح کرنی
ہوگی۔ ورنہ اس وقت بازی اس لڑکی کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی ایک ذرا سی چیخ و پکار سے
وہ بدنام ہو جائے گا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو اس بدنامی کا بھی مقابلہ کر لیتا۔ لیکن وہ زمانہ کے
سامنے اپنی کسی کمزوری کو بے نقاب نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اس نے فوراً ہی اپنے لہجے میں محبت کی شیرینی گھولتے ہوئے آواز دی۔

"رخسانہ —— ! تم اس طرح آنسو نہ بہاؤ میرے دل کو ٹھیس پہنچ رہی ہے ---"

اس کی سسکیاں اور تیز ہو گئیں۔

"رخسانہ ——! میں تو تم سے مذاق کر رہا تھا —— مگر یہ کتنے افسوس کی بات ہے
کہ تم مجھے گالیاں دینے لگیں —— اچھی بات ہے اگر تمہارا دل دکھا ہے تو اور گالیاں دے
لو مگر مجھے بے وفا نہ سمجھو!"

"کیسے نہ سمجھوں ——؟" وہ ہچکیاں لیتی ہوئی بولی۔ "آپ نے اتنی بڑی بات کہہ
دی۔ میرے بچے کے دشمن بن گئے۔ مجھے آپ نے اتنی زور زور سے مارا ہے ....."

وہ پھر رونے لگی۔

خالد بستر پر رینگ کر آگیا اور بڑے پیار سے بولا۔

"میں نے آج سے پہلے بھی تمہیں مارا ہے اور میں تمہیں اس لئے مارتا ہوں کہ تمہیں
اپنا سمجھتا ہوں۔ کسی غیر پر تو ہاتھ نہیں اٹھا سکتا ہوں نا ——!"

"بس رہنے دیجئے۔ اگر آپ مجھے اپنا سمجھتے تو ارمانہ سے شادی کا ارادہ نہ کرتے۔"

"ارمانہ کی ایسی تیسی —— تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اس نے انگوٹھی
کر پھینک دی تھی۔ اس سے تو شادی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"پھر آپ یہ کیوں کہہ رہے تھے کہ شادی کر کے اس سے بدلہ لیں گے ——؟"

"وہ تو میں غصہ میں کہہ رہا تھا۔ غصہ میں تو میں تمہیں بھی بہت کچھ کہہ دیتا ہوں
میں نے کبھی تم سے بدلہ لیا ہے ——؟"

رخسانہ خاموش ہو گئی۔ شاید سوچ میں پڑ گئی تھی —— شاید خالد کی باتوں

ے اور جھوٹ کو دل ہی دل میں تول رہی تھی۔

خالد اناڑی نہیں تھا کہ اسے زیادہ سوچنے کا موقع دیتا۔ اس نے اندھیرے میں اس
ے ہاتھ کو ٹٹول کر تھام لیا۔

"میری رخسانہ ——!"

رخسانہ نے جلدی سے ہاتھ چھڑا کر کہا۔

"آپ مجھے بہلا رہے ہیں۔"

"کیا تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے؟"

"نہیں ——!"

"کیا میں تمہیں ہاتھ نہیں لگا سکتا ——؟"

"نہیں ——؟"

"کیا تم میری رخسانہ نہیں ہو؟"

"نہیں ——!"

خالد نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"اچھی بات ہے۔ جب مجھ سے کوئی رشتہ نہیں ہے تو زچگی کے بعد بچہ مجھے دے دینا..."

"آپ کو کیوں دوں گی؟"

"کیوں نہیں دو گی؟ وہ میرا بچہ ہے۔"

"بڑے آئے بچے والے ...."

" بڑی آئی بچے والی ـــــ جب میں نے مذاق سے کہا کہ بچہ نہیں چاہیئے تو تم ناراض ہوگئیں اور اب اپنا حق مانگ رہا ہوں تو انکار کر رہی ہو۔"

" اس پر میرا حق بھی تو ہے۔"

" ہاں ـــــ یہ بھی تو ٹھیک ہے ـــــ وہ تو ہم دونوں کے پیار کی نشانی ہے۔"

رُخسانہ کے دل میں ایک ترنگ سی پیدا ہوئی۔ اس نے جلدی سے کروٹ لے اس کے دل کو تھام لیا۔

" آپ سچ کہہ رہے ہیں ؟"

" اور نہیں تو کیا جھوٹ کہہ رہا ہوں ـــــ پگلی کہیں کی ـــــ بھلا کوئی اپنی اولاد انکار کرتا ہے۔ کل صبح میں آنٹی سے تمہارے رشتے کی بات کر دوں گا۔"

" اللہ ! میں خوشی سے مر جاؤں گی۔"

خالد نے اندھیرے میں دانت پیستے ہوئے کہا۔

" کل تمہیں صحیح اندازہ ہوگا کہ خوشی کیا ہوتی ہے...."

یہ کہتے ہوئے اس نے ایک صیاد کی طرح اسے دبوچ لیا ـــــ وہ ایک پنچھی کی طرح دام میں آگئی ـــــ بہت گالیاں دے رہی تھی ـــــ بہت پھڑپھڑا رہی تھی بے وقوف عورت ....

فراز صبح پانچ بجے بیدار ہوتا تھا اور آب پاش میں پانی بھر کر اپنے کاٹج کی پھلواری کو سیراب کیا کرتا تھا۔

آج بھی وہ پودوں کو پانی دے رہا تھا اور بار بار کوٹھی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ ارمانہ اس سے ملنے ضرور آئے گی۔

بڑی دیر ہوگئی۔ پودے سیراب ہوگئے۔ مگر آنکھیں دیدار کی پیاسی رہ گئیں ـــــ کل باتوں باتوں میں ارمانہ نے بتایا تھا کہ وہ صبح اٹھنے کی عادی ہے ـــــ عادی ہے تو وہ آئی کیوں نہیں ؟

وہ پریشان ہو کر کاٹج سے باہر نکل آیا۔ صبح کی ملگجی روشنی میں کوٹھی خاموش تھی۔ میزبان اور مہمان ابھی تک سوئے پڑے تھے۔ صرف کچن کے کھلے دروازے سے برتنوں کے

اٹلنے اور رکھنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

وہ آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا کوٹھی کے سامنے لان میں آگیا —— وہاں ریشمی نظر آگئی —— دھانی دوپٹہ نارنجی کرتہ اور سفید شلوار میں ملبوس وہ سر جھکائے لان کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔

فراز قریب چلا آیا۔ وہ اسی طرح سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ فراز نے اندازہ لگایا کہ وہ کچھ پریشان ہے اور کسی اہم مسئلے پر غور کر رہی ہے۔

اس نے ہولے سے آواز دی۔

"ارمانہ ——!"

وہ ایکدم سے چونک کر کھڑی ہو گئی۔

"تم —— تم یہاں ——؟"

فراز نے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا

"تمہیں توقع نہیں تھی کہ میں یہاں آجاؤں گا۔"

"آں —ہاں" وہ بولی۔ "تم نے کہا تھا کہ اس طرف بہت کم آتے ہو۔

"اسی اطمینان سے تم بیٹھی ہوئی تھیں کہ میں یہاں نہیں آؤں گا۔"

وہ ہچکچاتی ہوئی بولی۔

"نہیں —— میں تو یونہی بیٹھی ہوئی تھی۔"

فراز نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم کالج میں کیوں نہ آئیں؟"

وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ خاموشی سے اپنا نچلا ہونٹ چبانے لگی۔

"بیٹھ جاؤ ——!" فراز نے کہا۔

وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

"کیا بات ہے ارمانہ ——؟ کسی نے تم سے کچھ کہا ہے؟"

"نہیں ——!"

"پھر کیا بات ہے؟ میں تمہارے انداز میں کچھ اجنبیت سی محسوس کر رہا ہوں۔ کل کی وہ [illegible]، وہ مسکراہٹ اور وہ گرمجوشی کیا ہو گئی؟"

وہ اپنے دوپٹے کے آنچل کو دونوں انگلیوں میں لے کر مسلنے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ فراز سے اپنی الجھنوں کا ذکر کس طرح کرے؟ کس طرح اس سے کہے کہ اس کے ڈیڈی دو لاکھ روپے کے مقروض ہیں اور خالد ان دو لاکھ روپے کے عوض میں اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

یہ بات صرف دو جملوں میں بھی کہی جا سکتی تھی۔ مگر کہنے اور سمجھانے میں بہت فرق ہوتا ہے —— جب تک نہ سمجھاؤ۔ سننے والے کو یقین نہیں آتا کہ کوئی آدمی اتنی بڑی رقم کا مقروض کیسے ہو سکتا ہے؟ اور اس قرض کے سلسلہ میں اس کی بیٹی کس طرح الجھ رہی ہے۔

وہ سوچ رہی تھی اور فراز اسے بڑی محویت سے دیکھ رہا تھا کل وہ ساڑھی میں رہی تھی۔ آج شلوار کرتے میں کھل رہی تھی۔ اس کا جسم ایسا صحت مند اور بھرپور تھا کہ

لباس اس پر کھلتا تھا —— کل اس کا صبیح چہرہ تبسم تبسم چمک رہا تھا۔ آج بھی اداسی
کے باوجود اس کا سوگوار حسن دل میں کھبا جا رہا تھا۔

فراز اسے بار بار دیکھتا تھا اور ہر بار دیکھنے کے بعد یہی محسوس ہوتا تھا کہ اس کے
حسن میں ایک نئی تازگی آ گئی ہے۔

"ارمانہ —— !" اس نے کہا۔ "میں تمہاری الجھن کو کسی حد تک سمجھ گیا ہوں۔"

"جی —— !" وہ حیرانی سے اسے تکنے لگی۔

فراز کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے کہا۔

"کل رات فضلو بابا نے مجھے بتایا کہ تم نے تمام لوگوں کے سامنے پھولوں کے گجرے
نوچ کر پھینک دیا تھا۔ یہ سن کر مجھے اپنی شکست کا احساس ہو گیا۔"

وہ اس سے نظریں چرانے لگی۔ فراز نے کہا۔

"پھر یہ سن کر اطمینان بھی ہوا کہ تم نے خالد کی انگوٹھی بھی پھینک دی ہے۔ میں نے
اپنے دل کو سمجھا لیا کہ شاید تم فیصلہ کرتے کرتے الجھ گئی ہو۔

میرا خیال ہے کہ مجھ سے مل کر ہی تمہاری الجھن دور ہو سکتی ہے۔ اسی لئے تو تم مجھ سے
ملنے کے لئے کالج میں نہیں آئیں۔

اسی لئے تم ایسی جگہ بیٹھی ہو۔ جہاں میرے آنے کی توقع نہیں تھی اور اب آ گیا
ہوں تو تم مجھ سے کترا رہی ہو۔ نظریں چرا رہی ہو۔

بہت سے لوگ زبان سے کچھ نہیں کہتے۔ اپنی خاموشی سے سمجھا دیا کرتے ہیں۔ تمہاری

خاموشی کا بہت بہت شکریہ .... !

وہ اچانک اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

ارمانہ نے گھبرا کر اسے دیکھا —— ابھی تو وہ اپنی خاموشی توڑنے والی تھی۔ ابھی تو
اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنی پریشانی کا ذکر کرے گی۔ مگر اس کے زبان ہلانے سے پہلے
قیصر نے دور سے آتے ہوئے لپک کر آواز دی۔

"ہیلو فراز —— ! ارے بھائی، میں آ رہا ہوں اور تم جا رہے ہو۔ کمال ہے
میں ہوا کا جھونکا تو نہیں ہوں کہ تم مکھی کی طرح اڑ جاؤ گے۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا قریب آ گیا۔ پھر فراز کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"بیٹھو بیٹھو۔ تم سے بہت ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں قیصر بھائی —— !" فراز نے ارمانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرا یہاں
بیٹھنا مناسب نہیں ہے۔"

"کیوں مناسب کیوں نہیں ہے —— ؟"

"بس یونہی —— یہاں بیٹھنے سے پریشانی بڑھ جاتی ہے۔"

ارمانہ نے پریشان ہو کر اسے دیکھا۔ وہ قیصر کے سامنے کچھ بھی نہیں کہہ سکتی تھی۔

قیصر نے اپنی ہی ہانکتے ہوئے کہا۔

"بھئی تم یہاں بیٹھو یا کہیں دوسری جگہ جا کر بیٹھو پریشانی تو ہر جگہ ہو گی۔ اب مجھے
ہی دیکھو نا —— جاگتا ہوں جب بھی پریشان ہوتا ہوں۔ سوتا ہوں تب بھی پریشانی

بچا ہیں چھوڑتی۔ کل رات خواب میں پچیس ہزار روپے کھنک رہے تھے۔

ہائے چچا مرحوم! آپ تو آرام کی ابدی نیند سو گئے مگر میری راتوں کی نیند حرام کر دی

دراصل فراز! اس گھر میں تم سب سے زیادہ ذہین ہو۔ اسی لئے میں پچیس ہزار
کے سلسلہ میں تم سے کچھ مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔"

فراز بیزار ہو گیا۔

"مجھے افسوس ہے قیصر بھائی! میں اس وقت آپ کو مناسب مشورہ نہ دے سکوں گا۔"

"اوہو — تم تو کچھ سننے سے پہلے ہی بیچ میں بول پڑتے ہو۔ دراصل میں بھی الٹی
بات کہہ گیا۔ میں تم سے مشورہ لینا نہیں بلکہ تمہیں مشورہ دینا چاہتا تھا — دیکھو نا!
ماشاءاللہ تم بھی جوان ہو چکے ہو — تم نے شادی کے لئے کسی نہ کسی لڑکی کو پسند تو کیا ہوگا؟"

فراز اور ارمانہ کی نظریں ایک ساتھ ملیں اور جھک گئیں۔ پھر فراز نے تلخی سے کہا۔

"میرا پسند کرنے سے کیا ہوتا ہے جبکہ لڑکی ہی پسند نہ کرے۔"

"بھئی واہ — تم بھی عجیب باتیں کرتے ہو۔ بھلا تم جیسے خوبرو نوجوان کو کوئی پسند نہ کرے
— بس ارمانہ! آپ ہی بتادیں — میرے فراز میں کوئی کمی ہے؟"

"جی — جی — میں کیا کہوں ...... ؟" وہ ہچکچاتی ہوئی بولی۔

فراز نے قیصر سے کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔"

قیصر نے جواب دیا۔

دراصل میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر تم نے کوئی لڑکی پسند نہیں کی ہے تو فوراً کسی کو
پسند کر لو مگر پہلے تم اس شادی کو کینسل میں کر دوں گا۔"

"کیا مطلب —؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

ارمانہ بھی اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

قیصر نے کہا۔

"بھئی مطلب کیا ہو سکتا ہے۔ صبح میں اس لڑکی سے شادی کر دوں گا۔ دوپہر تک پچیس
ہزار مل جائے گا۔ پھر شام کو میں اسے طلاق دے دوں گا — اس کے بعد رات
کو تم اس سے شادی کر لینا۔"

"آپ کا دماغ تو صحیح ہے —؟" فراز نے بگڑ کر کہا۔

"بھئی — اگر یہ بات میں باہر کہوں تو لوگ مجھے پاگل سمجھیں گے۔ مگر یہ تو گھر کی بات
ہے تمہاری ہی ہو گی۔ مگر تمہارے ذرا سے تعاون سے مجھے پچیس ہزار مل جائیں گے"

"آپ خواہ مخواہ میرا وقت ضائع کر رہے ہیں۔" فراز نے کہا اور وہاں سے پلٹ کر چل دیا۔

"ارے بھئی سنو تو —!" اس نے آواز دی۔ مگر وہ دور ہوتا چلا گیا۔ ارمانہ اسے
دور جاتے دیکھ رہی تھی اور محسوس کر رہی تھی جیسے وہ صرف نگاہوں سے دور ہونے کے لئے
بلکہ دل سے دور ہونے کے لئے جا رہا ہے۔

وہ اپنی خاموشی پر کڑھنے لگی۔

وہ کرتی بھی کیا —؟ کوئی بات کہنے سے پہلے سوچنا پڑتا ہے پھر بھی

طرح لفظوں کو تول کر کہنے کی باری آتی ہے۔ مگر اتنی دیر میں وقت کے بہت سے قیمتی لمحات گزر جاتے ہیں۔

پھر اسی وقت اس نے فیصلہ کیا کہ اسے ابھی کالج کی طرف جانا چاہیئے اور فراز سے تنہائی میں مل کر اپنی اصل پریشانی کا ذکر کرنا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے وہ اس پریشانی کا کوئی اچھا ساحل تلاش کر سکے۔

قیصر نے اس سے کہا۔

"فراز کچھ اکھڑا اکھڑا سا ہے۔ اب سے پہلے میں نے کبھی اسے پریشان نہیں دیکھا تھا۔ وہ ہمیشہ ہنستے بولتے رہنے کا عادی ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ بھی کچھ پریشان ہیں۔"

"نہیں تو ــــــ مجھے بھلا کیا پریشانی ہونے لگی...."

وہ وہاں سے جانے لگی۔ قیصر نے آگے بڑھ کر کہا۔

"آہا ــــ ذرا سنیئے تو ــــ!"

وہ رک کر اسے دیکھنے لگی۔ قیصر جھجکتے ہوئے بولا۔

"میں تو بھول ہی گیا تھا۔ کل آپ نے خالد کی انگوٹھی اتار کر پھینک دی تھی نا ــــ؟"

ارمانہ نے ناگواری سے جواب دیا۔

"مجھے اس کے نام سے نفرت ہے۔"

"نفرت تو اس سے ہونا ہی چاہیئے۔ وہ کمبخت ہے اسی قابل ــــ مغرور ــــ بدتمیز ــــ آپ نے اچھا ہی کیا ــــ صبح منگنی کا اعلان ہوا اور رات کو یہ منگنی توڑ دی۔

ں بھی اسی اصول کا قائل ہوں کہ صبح شادی ہو اور شام کو طلاق دے دی جائے۔ میرے ر آپ کے اصول ملتے جلتے ہیں۔ اگر آپ پھر اسی طرح صبح کو شادی کریں اور شام کو مجھ سے ق لے لیں تو میں آپ کا احسان...."

"پلیز قیصر بھائی ــــ! آپ مجھ سے ایسی باتیں نہ کریں۔"

قیصر نے ٹھنڈی سانس لیکر کہا۔

"اب آپ نے قیصر بھائی کہہ دیا ہے تو شادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عجیب مشکل ں پڑ گیا ہوں۔ کوئی مجھے پاگل کہتی ہے اور کوئی مجھے بھائی بنا لیتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یں ہزار کس طرح حاصل ہوں گے۔"

ارمانہ نے بیزار ہو کر پوچھا۔

"آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ یہ کوئی شرافت ہے کہ صبح شادی کی اور شام کو ق دے دی۔"

یہ کہہ کر وہ اس کا جواب سنے بغیر جانے لگی۔ اس کا رخ کالج کی طرف تھا چند قدم نے کے بعد وہ رک گئی۔ اس کے ڈیڈی کوٹھی سے نکل کر اس کی طرف آ رہے تھے۔ اب ان ے سامنے کالج کی طرف جانا مناسب نہیں تھا۔ وہ یہی سمجھتے کہ ان کی بیٹی پر پچھلی رات کی ں کا اثر نہیں ہوا ہے۔ وہ اب بھی فراز سے دلچسپی لے رہی ہے۔

وہ پھر قیصر کی طرف پلٹ گئی۔ اور اس کے قریب کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

ں تو آپ شادی کرنا چاہتے ہیں؟"

قیصر خوش ہو کر اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر وکیل صاحب کی طرف دیکھ کر بولا۔

"آیئے انکل! ـــــ آپ سے بھی ضروری مشورہ کرنا ہے۔"

وکیل صاحب ان کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ ارمانہ کا سارا دھیان کاٹج کی طرف لگا ہوا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب یہاں سے کوٹھی کے اندر جائے گی اور کوٹھی کے پچھلے راستے سے کاٹج میں پہنچ جائے گی۔

اس نے اپنے ڈیڈی اور قیصر کو شادی کے مسئلہ میں اُلجھاتے ہوئے کہا۔

"ڈیڈی ـــــ! یہ پچیس ہزار حاصل کرنے کے لیے عارضی شادی کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی شادی کی۔ روپے حاصل کیے۔ اور دُلہن کو طلاق دے دی۔"

وکیل صاحب نے قیصر کو دیکھ کر حیرت سے کہا۔

"یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے ـــــ؟ تمہیں باقاعدہ شادی کرنا ہو گی۔"

قیصر نے سر سے دبا۔

"پاپا مرحوم کی وصیت میں باقاعدہ اور بے قاعدہ کی شرط نہیں ہے۔ صرف شادی کی شرط ہے۔ میں نے وصیت کو غور سے سنا ہے۔ آپ بھی پھر اسے ایک بار غور سے پڑھ لیں۔ اگر میں دو گھنٹے یا دو چار دن کے لیے شادی کروں تو آپ اعتراض نہیں کر سکتے۔ آپ کا کام صرف اتنا ہی ہے کہ نکاح کے بعد مجھے پچیس ہزار روپے دلوا دیں ...."

وکیل صاحب سوچ میں پڑ گئے۔ قیصر کی باتیں سن کر انہیں یاد آیا کہ وصیت میں

رت اتنا ہی لکھا ہوا تھا کہ قیصر اگر کسی شریف لڑکی سے شادی پر رضامند ہو نکاح کے بعد اسے پچیس ہزار روپے دے دیئے جائیں ـــ مرحوم رب نواز سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ قیصر روپے حاصل کرنے کے بعد بیوی کو طلاق دے

مانہ نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

یڈی! آپ لوگ شادی اور قانون پر بحث کریں۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

کہہ کر وہ تیزی سے چلتی ہوئی کوٹھی میں آئی۔ ڈرائینگ .... سے ر ی کچن میں داخل ہوئی۔ یہاں اب میز پر ناشتہ لگانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں پچھلے دروازے سے نکل کر پائیں باغ میں آگئی۔

ن اسے دیر ہو چکی تھی۔

ز اپنی سُرخ رنگ کی ٹو سیٹر کار کو ڈرائیو کرتا ہوا پائیں باغ کے گیٹ سے باہر گیٹ سے سڑک پر ٹرن لیتے ہوئے اس نے دور کھڑی ہوئی ارمانہ کو دیکھا۔ پھر ر ایک زناٹے سے آگے بڑھتی ہوئی دور ہوتی چلی گئی۔

مانہ کے دل پر ایک چوٹ سی لگی۔ نراز اسے دیکھنے کے بعد بھی انجان بن کر چلا گیا بے اعتنائی، کتنی بے رُخی تھی اس کے انداز میں ـــ؟

انہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

رابعہ خاتون ناشتے کے لئے ڈائننگ روم کی طرف جانے والی تھیں کہ اتنے میں خالد ان کے کمرے میں آ گیا۔

رابعہ خاتون اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ انہیں یاد نہیں آ رہا تھا کہ آج سے پہلے بھی وہ ان کے کمرے میں آیا ہوگا۔ وہ خود ہی اپنی محبت سے مجبور ہو کر اس کے کمرے میں جایا کرتی تھیں۔ ہمیشہ اس کے پیچھے بھاگی بھاگی پھرتی تھیں۔

خالد نے کمرے کا دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی چڑھا دی۔ پھر ان کی طرف پلٹ کر بولا۔

"آپ ہمیشہ شکایت کرتی ہیں کہ میں آپ کو امی کہہ کر نہیں پکارتا۔ مگر آپ ہی سوچیں کہ میں دنیا والوں کے سامنے آپ کو کس طرح امی کہہ سکتا ہوں۔"

"آخر کیوں نہیں کہہ سکتے۔" انہوں نے کہا۔ "مجھے امی کہنے سے دنیا والے یہ شبہ نہیں کریں گے کہ تم واقعی میرے بیٹے ہو۔ سب ہی جانتے ہیں کہ مرحوم نے مجھ سے باقاعدہ شادی کی تھی۔ اس رشتے سے میں تمہاری سوتیلی ماں ہوں۔"

"مگر آپ تو سگی ماں سے بھی زیادہ مجھ سے پیار جتایا کرتی ہیں۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ لوگ کہیں حقیقت کی تہہ تک نہ پہنچ جائیں ——— آپ وعدہ کریں کہ آج سے دوسروں کے سامنے اس طرح پیار نہیں جتایا کریں گی۔ میں کبھی کبھی یہاں آ کر تنہائی میں آپ کو امی کہہ لیا کروں گا۔"

رابعہ خاتون خوش ہو کر بولیں۔

"ہائے بیٹا ———! مجھے اور کیا چاہیئے۔ آج تم نے اپنی ماں کو وہ خوشی دی ہے جس کی تلاش میں میں تمہارے پیچھے بھاگی بھاگی پھرتی ہوں ——— آؤ بیٹا میرے سینے سے لگ جاؤ۔"

خالد "امی" کہتا ہوا ان کے گلے سے لگ گیا۔ رابعہ خاتون خوشی سے کانپتی ہوئی کہنے لگیں

"خدا تمہیں میری بھی عمر دے دے۔ میں تو تمہاری ہی خوشیوں کے لئے جی رہی ہوں۔ تم ایک بار ماں کہو گے۔ میں ہزار بار تم پر قربان ہو جاؤں گی۔"

"امی ——— !" خالد نے کہا۔ "آپ نے میرے لئے جو کچھ کیا ہے۔ وہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا تھا۔ مگر میں ہی نادان ہوں کہ اپنے لئے پریشانیاں مول لیتا ہوں ——— میں بہت پریشان ہوں امی ——— میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں ؟"

رابعہ خاتون نے اس سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔

"پریشان ہوں تمہارے دشمن —— مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟ کیا تمہیں یہ کہ ازبانہ تم سے شادی نہیں کرے گی؟"

"نہیں —— یہ بات نہیں ہے امی!"

وہ سر جھکا کر پلنگ کے قریب آیا اور اس کے سرہانے پر بیٹھ کر بولا۔

"دراصل مجھ سے ایک غلطی ہو گئی ہے —— ایک —— ایک لڑکی میرے"

رابعہ خاتون نے سنجیدگی سے کہا۔

"اسی دن کے لئے میں تمہیں کہا کرتی تھی کہ لڑکیوں سے دور رہا کرو۔ کروڑوں کی جائیداد دیکھ کر یہ لڑکیاں تم سے شادی کرنے کے لئے ہاتھ دھو کر"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ سر جھکائے بیٹھا رہا۔ اسے پریشان دیکھ کر الجھن سے کہا۔

"تم اس طرح اداس نہ رہا کرو۔ میرا دل دکھتا ہے —— اور پھر اس کی کیا بات ہے۔ جب تم اس سے شادی نہیں کرنا چاہو گے تو وہ تمہیں کسی طرح مجبور کر سکے گی۔"

"وہ مجبور کر سکتی ہے —— دراصل بات یہ ہے —— بات یہ ہے کہ وہ ماں بننے والی ہے ...."

"کیا —— ؟" وہ حیرت اور گھبراہٹ سے چیخ پڑیں۔

خالد اس کے بعد کچھ نہ کہہ سکا —— اور کہنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔

سب کچھ سمجھ گئی تھیں۔ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ وہ ایک نہیں بلکہ درجنوں لڑکیوں سے عشق کرتا رہتا تھا۔ کسی سے فون پر گھنٹوں باتیں کرتا رہتا ہے۔ کسی کے ساتھ پک نک منانے کے لئے اکثر شہر سے باہر جاتا ہے۔ اور کسی کے ساتھ ہوٹلوں میں ڈنر کھانے جاتا ہے تو رات بھر کے لئے غائب ہو جاتا ہے۔

وہ اکثر اسے سمجھایا کرتی تھیں۔ اسے راہ راست پر لانے کی کوششیں کرتی رہتی تھیں لیکن وہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر خاموش کر دیا کرتا تھا۔

انہوں نے ناراضگی سے کہا۔

"یہ تم نے کیا کیا ہے بیٹے —— ! میں کچھ سوچ سمجھ کر ہی تمہیں ان حرکتوں سے روکتی تھی لیکن تم نے کبھی میری نصیحتوں پر دھیان نہیں دیا۔ اب اس کا برا انجام سامنے آیا ہے تو پچھتا رہے ہو۔ اب تمہیں پتہ چلا ہے کہ تم دنیا والوں کے سامنے کس طرح بدنام ہو سکتے ہو۔ اس لڑکی کے ساتھ لوگوں نے تمہیں بار ہا دیکھا ہو گا۔ اس لئے اب تم انکار بھی نہیں کر سکو گے کہ وہ بچہ تمہارا نہیں ہے۔"

خالد نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"اگر کوئی ایسی لڑکی ہوتی جو باہر آزادی سے گھومتی پھرتی ہے تو میں اس کے الزام سے نہیں گھبراتا —— کیونکہ وہ مجھ سے ملتی ہے تو دوسروں سے بھی ملتی ہو گی۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ اپنے ہی گھر کی لڑکی ہے۔"

"اپنے گھر کی لڑکی —— ! ؟" انہوں نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "کون ہے وہ؟"

تم کس کی بات کر رہے ہو ۔۔۔۔۔؟ "

" میں ۔۔۔۔۔ میں رخسانہ کی بات کہہ رہا ہوں ۔

رابعہ خاتون کے کلیجہ میں ایک گھونسہ سا لگا ۔ وہ دو قدم پیچھے چلی گئیں اور آ
پھیلا کر خالد کو دیکھنے لگیں ۔ "

رخسانہ ان کی یتیم بھانجی تھی ۔ اپنی ہی سگی بہن کی لڑکی تھی ۔ بہن کے مرنے کے
انہوں نے اسے کلیجہ سے لگا کر رکھا تھا ۔ اپنی ہی بیٹی سمجھ کر بڑے لاڈ پیار سے اس کی
کی تھی اور اب خالد نے اس بیٹی کی عزت پر ڈاکہ ڈالا تھا ۔۔۔۔۔ ڈاکہ بھی ڈالا تھا ا
کے سامنے آکر بڑی معصومیت سے اپنی پریشانی کا اظہار بھی کر رہا تھا ۔

اچانک ان کے تیور بدل گئے ۔ انہوں نے غصہ سے کہا ۔

" تمہیں لوٹنے کے لئے میرا ہی گھر ملا تھا ۔ اسے برباد کرتے ہوئے تمہیں اتنا خ
آیا کہ وہ ایک یتیم بچی ہے ۔ تم نے میری ممتا کا بھی احساس نہیں کیا کہ میں نے کتنی مح
اس کی پرورش کی ہے ۔ تم نے میری گود میں کھیلی ہوئی لڑکی کو منہ دکھانے کے قابل
رکھا ۔ ۔ ۔ "

خالد نے عاجزی سے کہا ۔

" امی ۔۔۔۔۔ ! جو کچھ بھی ہوا ہے ۔ اس کا مجھے سخت افسوس ہے ۔ اگر مجبوری
تو میں رخسانہ سے شادی کر لیتا ۔ آپ تو جانتی ہی ہیں کہ میں نے اگر ارمانہ سے شادی
کی تو وکیل صاحب ہمارے دشمن بن جائیں گے ۔ ہمارے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے ا

رو سے ہم ایک دوسرے کے مخالف نہیں بن سکتے ۔ یہ مخالفت ہم سب کے لئے نقصان دہ
ثابت ہوگی ۔ "

رابعہ خاتون کا غصہ ذرا دھیما پڑ گیا ۔ خالد کی باتوں نے انہیں الجھا دیا تھا ۔ وہ ٹھیک
ہی کہہ رہا تھا کہ جب تک وکیل صاحب ارمانہ کا رشتہ دینے سے انکار نہ کر دیں ۔ اس وقت
تک خالد کسی دوسری لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا تھا ۔

پھر رخسانہ کا کیا ہوگا ۔۔۔۔۔؟

کیا وہ اپنی بھانجی کی بربادی کا تماشا دیکھ سکتی تھیں ۔۔۔۔۔؟ ان کا دل گھٹنے
لگا ۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر کرسی پر بیٹھ گئیں اور بڑبڑانے لگیں ۔

" میری بچی تباہ ہو گئی ۔۔۔۔۔ لوگ اس پر انگلیاں اٹھائیں گے ۔ اب کہیں سے اس
کا رشتہ نہیں آئے گا ۔۔۔۔۔ ہائے بیٹا ! یہ تم نے کیا کیا ؟ اس معصوم سے کس دشمنی کا
بدلہ لیا ہے ؟ "

" آپ تو خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں ۔۔۔۔۔ " خالد نے کہا ۔ " ہم چاہیں تو یہ بات
دوسروں کو نہیں معلوم ہوگی ۔ بدنامی سے پہلے ہی بچے کو ضائع کیا جا سکتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ "

رابعہ خاتون اندر ہی اندر کانپ کر رہ گئیں ۔ وہ بھی ایک عورت تھیں ، ایک بیٹے کی ماں
تھیں ۔ وہ ممتا کے درد کو اچھی طرح سمجھتی تھیں ۔ رخسانہ کے مزاج کو بھی اچھی طرح جانتی تھیں
کہ وہ کس طرح محبت کے فریب میں آ کر خالد سے ملی ہوگی اور اب ماں بن کر کتنی آرزوؤں
کے ساتھ اس ننھی سی مخلوق کو اپنا خون پلا رہی ہے ۔

"آپ خاموش کیوں ہوگئیں ـــــ ؟"

خالد نے انہیں گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ کو یہ مشورہ پسند نہیں ہے تو اس کا ایک اور بہترین حل موجود ہے۔"

رابعہ خاتون سر اٹھا کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔ خالد نے کہا،

"آپ جلد از جلد اس کی شادی کسی دوسری جگہ کر دیجئے۔ اب بھی وقت ہے۔ شا
بعد اگر وہ سات ماہ میں بھی ماں بنی تو کسی کو شبہ نہیں ہوگا۔ اکثر بچے سات ماہ میں
ہوتے ہیں۔"

"مم ـــ مگر اتنی جلدی اس کے لئے رشتہ کہاں سے ملے گا ؟"

"کوشش کرنے سے کیا نہیں ہوتا ـــ آپ شادی کرانے والے کسی بھی دفتر
رابطہ قائم کریں۔ کوئی نہ کوئی احمق ضرور آ پھنسے گا۔"

رابعہ خاتون سوچنے لگیں۔ خالد کے ہونٹوں پر ایک مکار سی مسکراہٹ آئی۔ پھر ا
سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"آپ یہ نہ سوچیں کہ اس کے لئے رشتہ کہاں سے آئے گا۔ سب سے زیادہ اہم
یہ ہے کہ رخسانہ کو اس شادی کے لئے راضی کیا جائے۔ کل میں نے بڑی مشکلوں سے
کر اس کی زبان بند کی ہے۔ اس سے جھوٹا وعدہ کیا ہے کہ میں اس سے ضرور شادی کر
ـــ اگر میں ایسا نہ کرتا تو وہ کل ہی شور مچا کر بدنام کر دیتی ...."

"میں جانتی ہوں۔ وہ جتنی سیدھی اور سعادت مند ہے، اتنی ہی ضدی بھی ہے

کسی دوسری جگہ شادی کے لئے راضی کرنا بہت مشکل ہے۔"

"آپ کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر ان کے پاس آیا اور ان کے قدموں پر بیٹھ کر اور ان کے
گھٹنوں سے لپٹ کر کہنے لگا۔

"اگر آپ مجھے اپنا بیٹا سمجھتی ہیں۔ اگر آپ میری امّی ہیں تو آپ کو یہ کام کرنا ہی پڑے
گا ـــ رخسانہ کو کسی نہ کسی طرح مجبور کرنا ہی پڑے گا ـــ اس کے ذہن میں یہ بات
بٹھا دیجئے کہ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند نہیں لگ سکتا۔ وہ اس خیال کو دل سے نکال دے کہ اس
کی شادی مجھ سے ہو سکے گی ـــ دیکھئے میں آپ سے کتنی التجا کر رہا ہوں امّی کتنے
پیار سے آپ کو امّی کہہ رہا ہوں...."

انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"ہاں ـــ اب میری سمجھ میں آیا ہے کہ آج تم میرے کمرے میں کیوں آئے ہو، کیوں
پیار سے امّی کہہ رہے ہو۔

میں پاگل ہوں کہ تمہاری زبان سے نکلے ہوئے اس لفظ کے لئے ترستی ہوں، تڑپتی
ہوں ـــ تم بیٹے بن کر نہیں، ایک سخی داتا بن کر" امّی کے لفظ کی خیرات دیتے ہو۔ خیرات
بھی دیتے ہو اور احسان بھی جتاتے ہو ـــ لوگ احسان کر کے معاوضہ طلب کرتے ہیں۔ تم
مجھ سے سودا کر رہے ہو کہ میں رخسانہ کو کسی بھی ایرے غیرے کے حوالے کر دوں ـــ
جلد از جلد اس بدنامی کو کسی دوسرے کے سر تھوپ دوں۔

اچھی بات ہے ——— میں ایسا ضرور کروں گی ——— تم مجھے امّی جو کہہ رہے ہو،
تم ہزار خود غرضی سے مجھے ماں کہو۔ میں تو اسے اپنے دودھ کا چٹخارہ ہی سمجھوں گی،
خالد خوش ہو کر اپنی جگہ سے اٹھا اور "امی" کہہ کر ان کے سینے سے لگ گیا۔

———————

رابعہ خاتون نے رخسانہ سے اس کوٹھی میں باتیں کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ اسے
انی کوٹھی میں آگئیں۔ یہ کوٹھی بھی مرحوم رب نواز کی ملکیت تھی۔ جب سے نئی کوٹھی تیار ہوئی
ت سے اسے کرائے پر اٹھا دیا گیا تھا۔ فی الحال پرانا کرایہ دار جا چکا تھا اور نئے کرایہ دار
نہ میں یہ خالی پڑی ہوئی تھی۔
کوٹھی کے احاطہ میں داخل ہوتے ہی رخسانہ کے دل نے کہا۔ ضرور کوئی خاص بات ہے،
ہی تو خالہ جان اسے یہاں ویران سے مکان میں لے کر آئی ہیں ——— رخسانہ کو کسی
بات کا خیال یوں آیا کہ پچھلی رات خالد نے اس سے وعدہ کیا تھا اور وعدہ کے مطابق وہ
د خالہ جان سے اس کے رشتہ کی بات کرنے کے لئے ان کے کمرے میں گیا تھا۔ اسی وقت

سے وہ محسوس کر رہی تھی کہ خالہ جان کو چُپ سی لگ گئی ہے اور وہ کچھ پریشان سی نظر
رہی ہیں۔

ان کی چپ اور پریشانی سے رُخسانہ کا دل ڈوبا جا رہا تھا۔ اگر خالد نے اس رشتہ کی
کی ہے تو خالہ جان کو خوشی ہونا چاہیئے تھا۔ جتنی خوشی اور جوش و خروش سے انہوں نے
اور ارسانہ کی منگنی کا اعلان کیا تھا، اتنی ہی جوشیلی خوشیوں کا اظہار انہیں اس وقت بھی
چاہیئے تھا —— مگر ان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ان کی خاموشی رخسانہ کو بہت کچھ کہہ رہی

کوٹھی کے بیڈ روم میں آکر رابعہ خاتون تھکے ہوئے انداز میں بیٹھ گئیں۔ رخسانہ پلنگ کے
قریب آکر کھڑی ہو گئی اور ان کے کچھ کہنے کا انتظار کرنے لگیں۔

" اس طرح کیوں کھڑی ہو۔ " بیٹھ جاؤ! "

وہ ایک طرف سمٹ کر بیٹھ گئی۔

انہوں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

" رخسانہ —— ! ایک عالیشان کوٹھی میں تم کتنے آرام و سکون سے زندگی گزار رہی ہو۔ کھانے
کے لئے اچھی سے اچھی غذائیں، پہننے کے لئے ایک سے ایک ریشمی لباس اور سونے کے
آرام دہ بستر —— لڑکیاں جھونپڑوں میں رہ کر جو خواب دیکھتی ہیں۔ اس خواب کو میں نے تمہارے
لئے حقیقت میں بدل دیا ہے۔ لیکن میری بچی! میں تمہیں جھونپڑی سے اٹھا کر محل میں اس لئے
نہیں لائی کہ تم اپنی حیثیت ہی بھول جاؤ۔"

رخسانہ کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ خالہ جان کے اس آخری فقرے نے اسے بہت

کچھ سمجھا دیا تھا۔

وہ کہہ رہی تھیں۔

" تم ایسی چیز کی تمنا میں بھٹک گئی ہو جو تمہیں کبھی حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ تمہاری
اوقات سے باہر ہے۔ نہ تم اس سے محبت جیت سکتی ہو اور نہ ہی آنسوؤں سے پگھلا سکتی
ہو....."

رخسانہ اندر سے ٹوٹنے لگی۔ اس نے نظریں چُراتے ہوئے ہولے سے رُک رُک کر کہا۔

" مگر —— انہوں نے —— مجھ سے وعدہ کیا ہے..."

" اور تم اس وعدہ کے فریب میں آگئیں —— اس جھوٹے وعدے سے بہل کر تم نے اپنے
آپ کو سستا کر دیا۔ اپنے آپ کو اتنی پستی میں گرا دیا ہے کہ اب میں کسی کے سامنے سر
اٹھا کر بات نہیں کر سکوں گی۔ کسی کے سامنے فخر سے یہ نہیں کہہ سکوں گی کہ میری گود میں
پرورش پانے والی لڑکی نیک اور پارسا ہے —— کیا تمہیں احساس ہے کہ تمہاری وجہ سے
میری کتنی توہین ہو سکتی ہے؟"

رخسانہ کی آنکھوں سے آنسو اُمنڈنے لگے۔

رابعہ خاتون نے اس کی بھیگی ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر کہا۔

" نادان لڑکیاں انجام کار اسی طرح روتی ہیں —— روتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ عزت کے
اُجلے دامن پر لگا ہوا دھبہ آنسوؤں سے دُھل جائے گا۔

وہ سسکنے لگی۔ پھر اچانک دوڑتی ہوئی آئی اور قدموں پر گر کر ان کی گود میں سر رکھتے

ہوئے بلکنے لگی۔

" میں اپنی غلطی پر شرمندہ ہوں ـــــ مجھے بدنامی سے بچا لیجئے خالہ جان ـــــ ! آپ
چاہیں تو انہیں مجبور کر سکتی ہیں ۔ آپ نے ماں بن کر میری پرورش کی ہے ۔ اگر آپ ماں کی
میری حمایت کریں گی ۔ میری طرف سے ان پر دباؤ ڈالیں گی تو وہ ضرور مجبور ہو جائیں گے

رابعہ خاتون کا ضمیر لمحہ بھر کے لئے بیدار رہا ۔ رخسانہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی جس محبت
اور خلوص سے انہوں نے اس کی پرورش کی تھی ۔ اس کا تقاضہ یہی تھا کہ وہ خالد کو مجبور
مگر وہ ایسا نہیں کر سکتی تھیں ۔ وہ جانتی تھیں کہ خالد کبھی رخسانہ کو نہیں اپنائے گا ۔ اور
ہی کسی کے دباؤ میں آئے گا ۔

انہوں نے رخسانہ کے سر کو سہلاتے ہوئے کہا ۔

" یہ تمہاری خوش فہمی ہے کہ خالد تم سے شادی کرے گا ۔ اور پھر میں اس کی سوتیلی ما
ہوں ، وہ میری بات کیا مانے گا ؟ الٹا مجھ پر الزام لگا رہا ہے کہ میں تمہارے ساتھ مل
اس کے خلاف سازش کر رہی ہوں ۔ اس کی جائیداد کی حصہ دار بننے کے لئے میں نے
سہارا لیا ہے ۔ اس کے کہنے کے مطابق میں تمہیں اس لئے کوٹھی میں لائی تھی کہ تم اس
محبت کے فریب میں مبتلا کر دو ۔ "

" یہ جھوٹ ہے خالہ جان ! میں نے کبھی فریب سے کام نہیں لیا ۔ وہی مجھے میٹھی
باتیں کر کے پھسلاتے رہے اور مجھے اس انجام کو پہنچا دیا ۔ "

تمہاری بات پر میں یقین کر سکتا ہوں لیکن دنیا والے تو یہی کہیں گے کہ بچہ کا

ور کا ہے اور میں تمہاری حمایت میں خالد کو بدنام کر رہی ہوں ۔ "

" نہیں ـــــ ! " وہ اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر چیخنے لگی ۔ " مجھے ایسا الزام مت دیجئے
بن قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں نے ان کے سوا کسی اور کا منہ نہیں دیکھا ہے ۔ میرے ساتھ
دکچھ بھی ہو رہا ہے اس کے ذمہ دار صرف وہی ہیں ـــــ صرف وہی ہیں . . . . "

" تم کتنے لوگوں کو اپنی سچائی کا یقین دلا سکتی ہو ـــــ تم خالد کے انکار کی روشنی میں
سوچو ـــــ اگر وہ انکار کرتا ہے تو تم اسے خالد کا گناہ ثابت نہیں کر سکتیں ـــــ میں
س کے خلاف کہوں گی تو سوتیلی ماں کہلاؤں گی ـــــ لوگ ہم دونوں پر ہی الزام رکھیں گے "

رخسانہ نے چند لمحے تک انہیں خالی خالی نظروں سے دیکھا ۔ پھر بڑے ہی عزم سے کہنے
لگی ۔

" میں اس سچائی کو ان سے منوا کر رہوں گی ۔ اگر انہوں نے انکار کیا تو میں سب کے
سامنے ان کا گریبان پکڑ لوں گی ۔ وہ مجھے رسوا کر سکتے ہیں تو میں بھی انہیں ذلیل کر سکتی ہوں "

" پاگلوں جیسی باتیں نہ کرو ۔ "

انہوں نے سخت لہجہ میں کہا ۔

" کیا خالد سے دشمنی کرنے کے بعد ہم اس گھر میں سکون سے رہ سکیں گی ـــــ ؟ "

" جس گھر میں میری عزت کو کھلونا سمجھا گیا ہو ۔ میں اس گھر پر ہزار بار لعنت بھیجتی ہوں "

" تم لعنت بھیج سکتی ہو مگر میں کس طرح اس گھر کے در و دیوار سے نفرت کر سکتی ہوں
وہ میرے مرحوم خاوند کا مکان ہے ۔ تم دلہن بن کر نہیں گئیں اس لئے اب نفرت کرتی

ہو۔ مگر میں وہاں دلہن بن کر گئی تھی۔ مجھے تو وہاں کے ذرّے ذرّے سے محبت ہے۔ تم چاہتی ہو کہ میں خالد سے دشمنی کر دوں اور جس گھر سے میرے سہاگ کی یادیں وابستہ ہیں۔ اسے جیتے جی چھوڑ کر چلی جاؤں؟

وہ ذرا دیر کے لئے ان کی باتوں سے اُلجھ گئی۔ پھر اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے آپ ان سے دشمنی نہ کریں مگر میں چار آدمیوں کے سامنے ان سے اپنا حق مانگوں گی۔"

"کیسا حق —— ؟ کہاں کا حق —— ؟ ذرا عقل کی بات کر لڑکی —— تیری شادی نہیں ہوئی اور تو نے اسے خاوند تسلیم کر لیا —— تو اس کی بیوی نہیں تھی اور تو نے اُسے خاوند کے سارے حقوق دے دیئے۔ —— اس بات کا نہ کوئی گواہ ہے اور نہ ہی اس کی کوئی قانونی حیثیت ہے —— پھر کس بات کا دعویٰ کرے گی —— غلطی تو نے کی ہے۔ بدنامی بھی تیری ہی ہوگی مرد کبھی بدنام نہیں ہوتا —— ذرا ٹھنڈے دل سے سوچ، تو نے اگر کوئی الٹی سیدھی حرکت کی تو خالد صرف تیرا ہی نہیں میرا بھی دشمن بن جائے گا۔

کیا اسی دن کے لئے میں نے تیری پرورش کی تھی اور تجھے اس کوٹھی میں رکھا تھا کہ تُو غلطی کرے، بدنامی اٹھائے اور مجھے بھی وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دے۔

اچھی بات ہے جا —— جو تیرے جی میں آئے وہ کر لے —— میں یہاں سے اب اس کوٹھی میں نہیں جاؤں گی۔ نہ تیری بدنامی کا تماشہ دیکھوں گی اور نہ ہی خالد کو اس بات کا موقع دوں گی کہ وہ مجھے گھر سے نکل جانے کے لئے کہے۔ اس سے پہلے ہی میں کہیں چلی جاؤں گی۔"

انہوں نے بڑے ہی دُکھ بھرے لہجے میں یہ باتیں کہیں۔ پھر آنکھوں پہ آنچل رکھ کر رونے لگیں۔

"پر مجھے میری نیکیوں کا پھل مل رہا ہے۔ سوتیلا بیٹا مجھے ماں نہیں کہتا۔ ایک بھانجی کو بیٹی بنا کر کلیجہ سے لگایا تو وہ بھی میرے ہی گھر میں ایسی حرکتیں کر رہی ہے کہ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں۔ میرے نصیب ہی ایسے ہیں۔ میں کسی سے کیا شکوہ کروں۔"

ان کے آنسو دیکھ کر وہ پگھل گئی۔ پہلے جو بات غصہ کی حالت میں وہ سمجھ نہ سکی تھی۔ اب سمجھ میں آنے لگی —— اس کی خالہ جان ٹھیک ہی کہہ رہی تھی کہ خالد اس گناہ کو کسی دوسرے کے سر تھوپ کر الگ ہو جائے گا —— وہ بدنام ضرور ہوگی اس کے ساتھ ہی خالہ جان بھی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گی۔ اپنی غلطی کی وجہ سے خالہ جان کو بڑھاپے میں ذلیل کرانا کہاں کی دانشمندی ہے۔

وہ ان کا ہاتھ تھام کر شکست خوردہ لہجے میں بولی۔

"مجھے معاف کر دیجئے خالہ جان ——! میں اب تک خود غرض ہو کر سوچ رہی تھی۔ میں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ میری بدنامی سے آپ پر بھی حرف آئے گا —— میں آپ کی بیٹی ہوں۔ آپ نے ماں بن کر میرے ساتھ نیکیاں کی ہیں۔ میں بھی آپ کی بدنامی اور ذلت گوارا نہیں کر سکتی۔

مجھے میری غلطی کی سزا ملنی چاہیئے۔ میں یہاں سے کہیں دور چلی جاؤں گی —— بہت دور —— کسی ایسی جگہ جہاں مجھ بدکار کے نام کے ساتھ آپ لوگوں کے نام کو منسوب کرنے والا کوئی نہ ہو۔

رالبعہ خاتون نے دفورِ محبت سے اسے گلے لگا لیا۔

"نہیں بیٹے ___ ! تم کہیں نہیں جا سکتیں۔ تم بے مروّت بنکر مجھ سے دور جانے کیلئے سوچ سکتی ہو۔ مگر میں تمہیں اپنی گود سے جُدا نہیں کروں گی۔"

"میں آپ کی گود میں رہی تو آپ بدنام ہو جائیں گی۔"

"نہیں ___ اس بدنامی کو پھیلنے سے پہلے ہی ختم کیا جا سکتا ہے۔"

"نہیں خالہ جان! خون کے رشتہ کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ آپ مجھے یہ مشورہ نہ دیں۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔ میں بچّے کی دشمن نہیں ہوں۔ میں بھی ماں ہوں۔ بچّے کی کیا محبت ہوتی ہے۔ اسے میں خوب سمجھتی ہوں۔ میں یہ نہیں کہتی کہ ایک گناہ کے بعد معصوم بچّے کی جان لے کر دوسرا جرم کیا جائے۔ اس کا بہترین حل یہ ہے کہ فوراً ہی تمہاری شادی کہیں کردی جائے"

"نہیں ___ میں اب شادی نہیں کروں گی۔ کبھی نہیں کروں گا۔"

"پھر وہی پاگلوں جیسی باتیں ___ ؟ عورت پاکباز رہ کر بھی ساری زندگی تنہا نہیں گزار سکتی اور تمہارے دامن پر تو داغ لگ چکا ہے۔ تم ایک بچّے کو گود میں لے کر تنہا زندگی گزارو گی تو پھر وہی بدنامی سامنے آئے گی۔ لوگ یہی سوال کریں گے کہ یہ بچّہ کہاں سے آیا ہے ؟"

رُخسانہ نے بڑے ہی کرب سے کہا۔

"نہیں ___ میں اب کسی مرد کے رحم وکرم پر نہیں رہنا چاہتی۔ آپ مجھے مجبور نہ کریں۔"

"تمام مرد ایک جیسے نہیں ہوتے بیٹا ___ ! میں تمہارے لئے ایک شریف لڑکا تلاش کرچکی ہوں۔

"کوئی میرے گناہ کو برداشت نہیں کرے گا خالہ جان ___ !"

"کسی کو بتانے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ تم سے کوئی غلطی ہو چکی ہے ___ کیا تم نہیں چاہتیں کہ تمہارے بچّے کے لئے ایک باپ مل جائے ___ ؟ شادی کے بعد اس بچّے کو کوئی لاوارث نہیں کہے گا۔ جس بچّے کو تم زندہ رکھنا چاہتی ہو، اسے زندگی کے جائز حقوق بھی دو۔"

رخسانہ نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"م ___ مگر ___ خالہ جان ___ یہ تو اس شریف آدمی سے دھوکا ہوگا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں کسی غیر کو دھوکہ نہیں دوں گی ___ تمہیں بدنامی سے بچانے کے لئے میں اپنے ہی بیٹے کو دھوکا دینا چاہتی ہوں۔"

"جی ___ !" وہ حیرت سے انہیں تکنے لگی۔

انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"میں آج فراز کو مجبور کردوں گی کہ وہ تم سے شادی کرلے ___ لیکن خبردار! اسے اس بات کا علم کبھی نہ ہو کہ تم شادی سے پہلے ہی ماں بننے والی ہو۔"

رُخسانہ کے منہ سے ایک بات نہ نکل سکی۔ وہ حیرت سے اور غیر یقینی نظروں سے انہیں دیکھے جا رہی تھی۔

ارمانہ صبح سے شام تک انتظار کرتی رہی۔ پھر شام سے رات ہو گئی۔ لیکن فراز واپس نہیں آیا۔

اس کا اضطراب بڑھنے لگا۔

"وہ کہاں چلے گئے —— ؟ ابھی تک واپس کیوں نہیں آئے۔ کیا وہ اسی طرح کاٹیج سے باہر رہتے ہیں ؟ یا پھر مجھ سے ناراض ہو کر یہاں آنا نہیں چاہتے ؟"

وہ سوچ رہی تھی اور اس کے انتظار میں تڑپ رہی تھی۔

وہ شام کو ایک بار موقع پا کر کاٹیج کی طرف گئی تھی مگر وہ موجود نہیں تھا۔ اس کی کار بھی نہیں تھی —— البتہ کاٹیج کھلا ہوا تھا۔ فضلو بابا نے اسے بتایا تھا کہ وہ یہاں رہے یا نہ رہے۔ کاٹیج ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔

وہ تھوڑی دیر تک وہاں بیٹھی انتظار کرتی رہی پھر وہ اپنے ڈیڈی کی ناراضگی کے خیال سے جلد ہی واپس آ گئی۔

عجیب بے چینی تھی۔ کسی کروٹ سکون نہیں مل رہا تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کوئی شخص اس کے دل و دماغ پر اس طرح چھا جائے گا۔ نہ اسے بھوک لگ رہی تھی اور نہ ہی اسے نیند آ رہی تھی۔ اس کے ڈیڈی نے اور رابعہ خاتون نے کئی بار اسے کھانے پر بلایا مگر وہ بہانہ کر کے ٹال گئی۔ وہ بھی ارمانہ کی بے تابی کو سمجھ رہے تھے اور سمجھ بوجھ کر بھی انجان بن رہے تھے۔

کھانے کے بعد کوٹھی کے افراد بڑی دیر تک ڈرائنگ روم میں بیٹھے باتیں کرتے رہے ان کے درمیان صرف دو لڑکیاں نہیں تھیں —— ارمانہ اور رخسانہ —— دونوں اپنے اپنے کمرے میں خاموش اور تنہا تنہا سی تھیں۔ ارمانہ روٹھے ہوئے فراز کو منانے کی فکر میں تھی اور رخسانہ فراز سے منسوب ہو کر اپنے گناہ کو چھپانے کی فکر کر رہی تھی۔

رات کے ایک بجے کوٹھی میں سناٹا چھا گیا۔ تمام لوگ اپنے اپنے کمروں میں جا کر سو گئے۔ یکے بعد دیگرے تمام کمروں کی بتیاں بھی بجھ گئیں۔ ارمانہ نے اپنے کمرے سے نکل کر دیکھا اور برآمدے میں کوئی نہ تھا۔

وہ دوسری طرف کے کاریڈور کی سیڑھیاں اتر کر کوٹھی کے پچھلے حصہ میں آ گئی۔ نصف چاند کی روشنی میں دور پھولوں سے سجا ہوا کاٹیج نظر آ رہا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کاٹیج کے قریب جانے لگی۔ دھیرے دھیرے پھولوں کی نگری

پاس آتی گئی اور پھولوں کی مہک دل و دماغ کو معطر کرتی گئی ۔

آج گٹار کی آواز نہیں تھی ۔ سُریلی موسیقی کا بلاوا نہیں تھا ۔ اس خاموشی کا مطلب
بھی ہو سکتا تھا کہ فراز ابھی تک نہیں آیا تھا ۔

ارمانہ کا دل ڈوبنے لگا ۔

محبوب رُوٹھ جائے تو کیا صدائیں بھی رُک جاتی ہیں ؟ کوئی نغمہ نہیں ، کوئی ساز
—— ہواؤں نے بھی اپنی سرگوشیاں بند کر دی ہیں ۔

کیا وہ واقعی ابھی تک نہیں آئے ؟

وہ محرابی دروازے سے داخل ہو کر کاٹیج کے بائیں طرف آئی ۔ پھر وہاں فراز کی کار
کر اس کا دل خوشی سے دھڑکنے لگا ۔

پھر اسے یوں محسوس ہوا جیسے پھول پہلے سے زیادہ مہک رہے ہیں اور اپنی خوش
لٹا رہے ہیں ۔ ہوائیں پیار بھری سرگوشیاں کرنے لگی ہیں اور کاٹیج کے دروازے کے کھلے
دونوں پٹ ، فراز کی کھلی ہوئی بانہوں کی طرح اسے اپنی طرف بُلا رہے ہیں ۔

وہ آگے بڑھی اور رک گئی —— دل نے پوچھا ۔ کیا وہ سو رہے ہوں گے ؟

نہیں —— جاگ رہے ہوں گے .....

وہ دو قدم اور آگے بڑھی —— شاید وہ میرا انتظار کر رہے ہوں گے کہ میں انہ
منانے کے لئے ضرور آؤں گی ....

وہ دروازے کے قریب پہنچ گئی —— مگر اندر نہ جا سکی —— اندر سے رابعہ خا

کی آواز سُنائی دے رہی تھی ۔

" میں پوچھتی ہوں ، آخر تم کب تک اس طرح تنہائی کی زندگی گزارو گے —— ؟ چلو مان
لیتی ہوں کہ خالد سے تمہاری نہیں بنتی —— مگر میں تو تمہاری ماں ہوں ۔ تم مجھے بھی چھوڑ کر
یہاں تنہا رہنے لگے ہو ۔ کیا تمہارے دل میں کسی کے لئے محبت نہیں ہے ؟ "

" محبت تو ہے امی —— ! " فراز کی آواز آئی ۔ " مگر اس محبت کی قدر کرنے والا کوئی نہیں
ہے ۔ "

ارمانہ کو یوں لگا جیسے فراز یہ بات اسے کہہ رہا ہے ۔ وہ دبے قدموں چلتی ہوئی کھڑکی
کے پاس آئی اور اس کی آڑ سے دیکھنے لگی ۔

رابعہ خاتون ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھیں اور ان کے سامنے فراز اِدھر سے اُدھر ٹہل
رہا تھا ۔ پھر اُن کے قریب رُک کر وہ کہنے لگا ۔

" انسان زندگی بھر تنہا نہیں رہ سکتا ۔ کوٹھی چھوڑ کر یہاں آتے وقت میں نے آپ سے
کہا تھا کہ آپ بھی میرے ساتھ اس کاٹیج میں رہا کریں لیکن آپ نے میری بات نہیں مانی
پتہ نہیں خالد آپ کو اتنا عزیز کیوں ہے کہ آپ ہمیشہ اسے مجھ پر ترجیح دیتی ہیں ۔ "

" غلط نہ سمجھو ۔ میں اس کی سوتیلی ماں ہوں ۔ پھر بھی میں ماں کا رشتہ اس سے نبھانا چاہتی
ہوں ۔ اگر میں تمہارے ساتھ یہاں رہنے لگی تو لوگ طعنے دیں گے کہ خاوند کے مرتے ہی
میں سوتیلے بیٹے سے الگ ہو گئی ہوں ۔ "

پھر انہوں نے بڑی محبت سے کہا ۔

"میں بظاہر تم سے دور ہوں۔ مگر میرا دل ہی جانتا ہے کہ میں دن رات تمہارے متعلق کتنا سوچتی ہوں، کتنا کڑھتی ہوں کہ تم تمام رشتوں سے کٹ کر الگ ہوگئے ہو۔ اور آج ——— آج اس بات کا فیصلہ کر کے آئی ہوں کہ اب تم تنہا نہیں رہو گے۔ میں تمہاری تنہائی کا علاج کر دوں گی۔"

فراز نے کھسیانی مسکراہٹ سے کہا۔

"میری تنہائی کا کوئی علاج نہیں ہے امی!"

"کیوں نہیں ہے ——— ؟ کیا زندگی بھر تم کنوارے ہی رہو گے۔ آخر ایک نہ ایک دن تمہیں اس کاٹج میں اپنی دلہن لانا ہی ہو گی۔"

"میں ابھی شادی نہیں کروں گا۔"

"کیسے نہیں کرو گے ——— ؟ فضول باتیں نہ کرو۔ میں نے تمہارے لئے لڑکی پسند کر لی ہے۔"

ارمانہ کا دل ایک بار پھر دھڑکنے لگا۔ اس نے فراز کی طرف دیکھا۔ وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہہ رہا تھا۔

"لڑکی تو میں نے بھی پسند کی ہے امی! ——— اور میں جانتا ہوں کہ آپ کو بھی میری پسند کا اندازہ کسی حد تک ہو گیا ہو گا۔ اگر آپ نے بھی اسے پسند کیا ہے تو میں انکار نہیں کروں گا۔"

ارمانہ کے لبوں پر ایک شرمیلی سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ فراز کی باتوں سے ظاہر

رہا تھا کہ وہ دل سے ناراض نہیں ہے۔ بس یونہی صبح ارمانہ کی بے اعتنائی سے خفا ہو کر چلا گیا تھا۔

رابعہ خاتون بڑی ہی گمبھیر آواز میں کہہ رہی تھیں۔

"ارمانہ کا خیال دل سے نکال دو۔ تم نہیں جانتے کہ وکیل صاحب دو لاکھ روپے کے مقروض ہیں۔ اس قرض کو اتارنے کے لئے وہ خالد سے ارمانہ کی شادی ضرور کریں گے"

فراز انہیں غیر یقینی نظروں سے دیکھنے لگا۔

انہوں نے کہا۔

"شاید تمہیں میری باتوں کا یقین نہیں ہے ——— تم چاہو تو ارمانہ سے مل کر حقیقت معلوم کر سکتے ہو۔ اچھا ہے، تمہیں بھی اس بات کا پتہ چل جائے گا کہ وہ لڑکی کتنی مہنگی ہے اس سے تو وہی شادی کر سکتا ہے جو اس کے باپ کو دو لاکھ روپے دے کر اس قرض سے سبکدوش کر سکے۔"

فراز کی پیشانی پر شکنیں پھیل گئیں۔

ارمانہ اسے دھڑکتے ہوئے دل سے دیکھ رہی تھی۔ جو بات وہ یہاں کہنے آئی تھی اسے رابعہ خاتون نے کہہ دیا تھا ——— اچھا ہی ہوا کہ اسے اپنی زبان سے نہ کہنا پڑا۔ وہ ماں بیٹے کی گفتگو سے ہی اپنی تقدیر کا فیصلہ سن سکتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد فراز نے کہا۔

"ہم ——— تو ارمانہ اسی لئے صبح مجھ سے ملنے نہیں آئی تھی۔"

" ہاں —— وہ ایک سمجھ دار لڑکی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ اس کے باپ کا قرض کون
ادا کر سکتا ہے —— تم یا خالد —— ؟ "

ارمانہ کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ رابعہ خاتون اس بات کو غلط انداز میں پیش کر رہی
تھیں۔ اس نے ابھی تک یہ سوچا بھی نہ تھا کہ خالد کے مقابلہ میں فراز اس کی قیمت ادا کر
یا نہیں ؟

" امی —— ! " فراز نے کہا " لڑکی کی قیمت دو لاکھ روپے ہوں یا صرف دو رو
—— میں خریدنے کا قائل نہیں ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ ... جیسی تعلیم یافتہ لڑ
اس انداز میں بکنا گوارا نہیں کرے گی۔ البتہ ایک بیٹی کے سامنے یہ مسئلہ ضرور رہے
کہ باپ کا قرض کس طرح اتارا جائے۔ "

مجبوری کے وقت بکنے یا خریدنے سے زیادہ ہمدردانہ امداد کا جذبہ ہوتا ہے۔
کوئی خاندانی رئیس نہیں ہوں۔ پھر بھی مرحوم نے وصیت میں میرے نام جو ایک لاکھ
لکھے ہیں۔ میں اسے ارمانہ کو دے دوں گا۔ "

ارمانہ کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ وہ فرطِ محبت سے اسے دیکھنے لگی۔

" اونہہ —— ! " رابعہ خاتون نے کہا۔ " تمہارے پاس کوٹھی ہے نا جائداد —— مر
یہی ایک لاکھ روپے ملنے والے ہیں اور انہیں بھی تم گنوا دینا چاہتے ہو —— مگر ا
فائدہ کیا ہوگا —— ؟ ایک لاکھ ادا کرنے کے بعد بھی ایک لاکھ قرض بدستور رہے گا
فراز نے جواب دیا۔

اگر ہم سب مل کر کوشش کریں تو یہ قرض بھی اتارا جا سکتا ہے۔ وکیل صاحب کے پاس
بھی کچھ نہ کچھ رقم ہوگی اور کچھ رقم آپ کے پاس بھی ہے۔ "

رابعہ خاتون نے ناگواری سے کہا۔

" میرے پاس جو کچھ بھی ہے، اس کی بات نہ کرو۔ میں تمہاری طرح دیوانی نہیں ہوں کہ
سارا گھر لٹا کر ایک بہو لاؤں ....."

کبھی خوشی اور کبھی افسردگی، کبھی امید اور کبھی ناامیدی —— ارمانہ کے ساتھ یہی
ہو رہا تھا۔ فراز کی باتیں جتنی خوش کن تھیں، اتنا ہی رابعہ خاتون کا رویہ مایوس کن تھا۔ وہ
کہہ رہی تھیں۔

" بہو تو گھر میں خوشیاں لے کر آتی ہیں۔ تم میرے لئے ایسی بہو لانا چاہتے ہو جو گھر میں
آنے سے پہلے ہی گھر کو اجاڑ دے۔ ہمارے پاس جو تھوڑی بہت پونجی ہے وہ اپنے باپ
کے قرض خواہوں کو دے دے گی۔ اس لڑکی کا تو کچھ نہیں جائے گا۔ مگر ہم کہیں کے نہ رہیں
گے۔ پلّے سے رقم بھی جائے گی اور خالد بھی ہمارا دشمن بن جائے گا۔ "

" میں کسی کی دشمنی کی پرواہ نہیں کرتا ..... "

" مگر میں تو کرتی ہوں۔ میں نے دوسری شادی اس لئے نہیں کی تھی کہ مرحوم کی آنکھ
بند ہوتے ہی اس گھر میں سوتیلے بھائیوں کے جھگڑے پیدا کر دوں —— خالد ہزار سوتیلا
سہی مگر میرے مرحوم خاوند کا لڑکا ہے۔ تمہیں ایک لڑکی کی محبت میں پاگل ہونے کی بجائے یہ
سوچنا چاہئے کہ تم پر مرحوم کے کتنے احسانات ہیں —— ؟ کیا ان احسانات کا صلہ یہی

ہے کہ تم ان کے لڑکے سے دشمنی کرو ——— ؟ ''

ارمانہ دل برداشتہ ہو کر کھڑکی کی طرف سے پلٹ گئی —— فراز نے ماں کو کیا جواب دیا۔ یہ سُننا بھی اس نے گوارا نہیں کیا —— اتنا تو اسے یقین ہو گیا تھا کہ فراز جب کہے گا۔ اس کی حمایت ہیں کہے گا —— مگر ایسی حمایت کا کیا فائدہ کہ ماں ناراض ہو جائے۔ ایسی محبت سے کیا فائدہ کہ محبوب کی ساری پونجی اس کے نام پر لُٹ جائے۔

وہ کھڑکی سے دور چلی گئی۔ قدم وہاں سے اُٹھنا نہیں چاہتے تھے۔ مگر وہ جا رہی پہلے آہستہ آہستہ —— پھر تیزی سے۔ دل کی دھڑکنیں اُسے روک رہی تھیں۔ مگر ا اپنی خوشی کے لئے رکنا سراسر زیادتی تھی۔

وہ تیزی سے دوڑتی ہوئی کوٹھی کی طرف چلی گئی۔

کالج کے اندر فراز بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ماں کو کس طرح اپنی باتوں سے قائل کرے۔ آخر اس نے جھنجھلا کر کہا۔

" اچھی بات ہے۔ آپ خالد سے ماں کا رشتہ نبھائیں —— بیٹا وہ بھی ہے اور بیٹا بھی ہوں۔ ہم میں سے جس کی بھی شادی ہو گی۔ آپ کے لئے بہو آ جائے گی۔ لہٰذا آپ ارمان پورے کرنے کے لئے خالد سے کہیں کہ وہ آپ کے لئے ایک بہو لے کر آئے۔ میں شادی نہیں کروں گا۔''

" اور میں نے جو لڑکی پسند کر لی ہے۔ اس کا تمہیں ذرا بھی خیال نہیں ہے ؟''

" امی —— ! ہم دونوں کی پسند میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ نہ میں آپ سے متفق

ہو سکتا ہوں اور نہ آپ مجھ سے متفق ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا اس مسئلہ پہ اب بحث نہ کی جائے تو بہتر ہے۔''

رابعہ خاتون اسے غصہ سے دیکھنے لگیں۔ انہیں رُخسانہ سے کیا ہوا وعدہ یاد آ رہا تھا انہوں نے بڑے یقین سے کہا تھا کہ فراز رخسانہ سے شادی کر لے گا —— لیکن اب فراز کو راضی کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ کیونکہ انہوں نے فراز کی پسند کو ٹھکرا دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ فراز بھی ان کی پسند کو کبھی قبول نہ کرتا۔

وہ اس اُلجھن میں پڑ گئیں کہ رخسانہ کو کس کے پلّے باندھا جائے —— ؟ کس طرح اس کے گناہوں پر پردہ ڈالا جائے —— ؟

سوچتے سوچتے انہیں خالد کی باتیں یاد آنے لگیں۔ اس نے کہا تھا۔

" کوشش کرنے سے کیا نہیں ہوتا —— آپ شادی کرانے والے کسی بھی دفتر سے رابطہ قائم کریں۔ کوئی نہ کوئی احمق ضرور آ پھنسے گا ....''

واقعی اگر وہ رخسانہ کے ساتھ اچھے جہیز اور اچھی خاصی نقد رقم کا لالچ دیں تو کتنے ہی لالچی نوجوان اسے اپنانے پر تیار ہو جائیں گے۔ انہیں ضرور کسی دفتر شادی سے رابطہ قائم کرنا چاہیئے۔

رابعہ خاتون کی آنکھوں میں ایک نئی امید کی چمک لہرانے لگی۔

اپنے کمرے میں آتے ہی ارمانہ رونے لگی —— وہ خود ہی کالج سے بھاگ کر چلی آئی تھی۔ حالانکہ فراز کی باتیں اسے پیار کی سچائی کا یقین دلا رہی تھیں۔ مگر پھر بھی وہ پیار کے آستانہ کو چھوڑ کر چلی آئی تھی۔

محبت میں اکثر ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ خود ہی اپنا دل توڑ کر خود ہی آنسو بہانا پڑتا ہے۔

اس نے کمرے کے دروازے کو اندر سے بند کر دیا اور دوڑتی ہوئی، ایک صوفہ پر آ کر گر پڑی۔ وہ صبر و ضبط سے کام لینا چاہتی ہے۔ مگر چوٹ ایسی تھی کہ بے اختیار آنسو نکلے جا رہے تھے۔

رابعہ خاتون کی باتیں اس کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔

"میں تمہاری طرح نادان نہیں کہ سارا گھر لٹا کر ایک بہو لاؤں —— بہو تو گھر میں خوشیاں لیکر آتی ہے۔ تم ایسی بہو لانا چاہتے ہو، جو گھر میں آنے سے پہلے ہی گھر کو اجاڑ دے گی —— ہمارے پاس جو تھوڑی بہت پونجی ہے، وہ اپنے باپ کے قرض خواہوں کو دے دے گی۔"

"نہیں —— نہیں ——!" ارمانہ اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر بڑبڑانے لگی۔ "میں یہ الزام نہیں اٹھا سکتی کہ ڈیڈی کا قرض اتارنے کے لئے میں نے فراز کا گھر تباہ کر دیا ہے۔ —— میں یہ طعنے نہیں سن سکتی کہ میری وجہ سے اس گھر کے لوگ آپس میں لڑنے لگے ہیں....."

وہ دونوں ہاتھوں سے چہرے کو چھپا کر رونے لگی۔

آہ ——! ابھی محبت سے دل دھڑکا تھا —— ابھی فراز اس کی زندگی میں آیا تھا ابھی آرزوؤں کی نت نئی کلیاں کھل رہی تھیں —— اور ابھی دیکھتے ہی دیکھتے یہ کلیاں مرجھانے لگی تھیں۔ فراز اس سے دور ہو رہا تھا —— نہیں، بلکہ وہ خود فراز سے دور ہو جانا چاہتی تھی۔

یہی دانشمندی تھی کہ وہ دور ہو جائے —— محبت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ محبوب مل جائے۔ محبت کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ محبوب پر کسی قسم کی آنچ نہ آئے۔ نہ اس کا گھر تباہ ہو اور نہ اس کی پونجی ضائع ہو۔

اسے جو ایک لاکھ روپے مل رہے ہیں۔ وہ ان روپوں سے بہت بڑا کاروبار

کر سکتا ہے۔ اپنا ایک شاندار مستقبل بنا سکتا ہے۔ اپنا بینک بیلنس بڑھا سکتا ہے۔
اپنے لئے ایک نئی کوٹھی بنا سکتا ہے۔ اس نئی کوٹھی میں ایک نئی دلہن لا سکتا ہے۔ جب
تک یہ کاروبار ترقی کرے گا۔ اس وقت تک میری محبت اس کے لئے ماضی کی ایک بھولی
بن جائے گی۔ تمام عمر کوئی کسی کے لئے آنسو نہیں بہاتا —— آنسو پونچھنے کے لئے کسی
دوسری محبت کا سہارا مل جاتا ہے۔

یہ سوچ کر ارمانہ کو دکھ ہو رہا تھا کہ فراز آئندہ کبھی اُسے بھلا بھی سکتا ہے۔ کہتے
ہیں کہ وقت کے ساتھ ساتھ انسان اپنی زندگی کی پچھلی بہاروں کو بھلا دیتا ہے اور آنے
والی بہاروں سے بہل جاتا ہے —— چلو یہ بھی آزمائش ہو جائے کہ وہ ایک دوسرے
کو بھلا بھی سکتے ہیں یا نہیں ؟

کوشش کرنے میں حرج ہی کیا ہے ؟ اس طرح کم از کم اس کے ایک لاکھ روپے
میرے ڈیڈی کے قرض کی ادائیگی میں ضائع نہیں ہوں گے۔

مگر میں فراز کو کس طرح سمجھاؤں کہ وہ میرا خیال دل سے نکال دیں اور اپنا مستقبل بنا
وہ اپنی ماں کی بات نہیں مانتے، میری کیا مانیں گے ؟

پھر یہ کہ اب میں ان کے سامنے نہیں جانا چاہتی —— سامنا ہوگا تو محبت کے
مجھے کمزور بنا دیں گے —— اللہ! کتنی پُر وقار شخصیت ہے ان کی ؟ ان کے سامنے
کر تو میں اپنے آپ کو بھول جاتی ہوں۔ پھر اپنی بات کیسے منواؤں گی —— ؟

وہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے سوچنے لگی بہتر یہی ہے کہ میں یہاں سے چلی جاؤں

ہاں، مناسب یہی ہے —— ورنہ وہ کل صبح پھر مجھ سے ملنے کی کوشش کریں گے کیونکہ ان کی
ناراضگی دور ہو چکی ہے۔ وہ سمجھ گئے ہیں کہ میں ڈیڈی کے قرضے کی وجہ سے پریشان ہوں
میں انہیں ملاقات کا موقعہ ہی نہ دوں تو بہتر ہوگا۔

یہ فیصلہ کرتے ہوئے وہ اپنے نازک سے لبوں کو دانتوں تلے چبانے لگی۔ اپنے آپ کو
اذیت دینے لگی —— بے وفائی کا الزام اٹھانے کے لئے موم جیسے دل کو پتھر دل بنانا ہی
پڑتا ہے۔

پھر وہ یک بیک اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ صوفہ کے پاس سے چلتی ہوئی دروازے کے
پاس آئی اور اسے کھول کر کمرے سے باہر جانے لگی۔

اسی وقت رابعہ خاتون اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ
کر ٹھٹک گئیں۔ ارمانہ سمجھ گئی کہ وہ ابھی فراز کے پاس سے واپس آ رہی ہیں اور رابعہ خاتون
اس کی شب بیداری سے یہ سمجھنے لگیں کہ شاید وہ اس وقت فراز سے ملنے جا رہی ہے۔ انہوں
نے بظاہر تعجب سے پوچھا۔

" تم ابھی تک جاگ رہی ہو ؟ "

جی —— جی ہاں —— نیند نہیں آ رہی ہے

"شاید باہر جا رہی ہو ؟ " انہوں نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر پوچھا۔

" جی نہیں —— ڈیڈی کے پاس شکایت کرنے جا رہی ہوں کہ مجھے ایسی جگہ
کیوں لائے ہیں، جہاں آ کر نیند مر جاتی ہے۔ "

"تعجب ہے کہ تمہیں نیند نہیں آتی ۔" انہوں نے کہا۔ "ہم تو یہاں گہری نیند سوتے ہیں ۔"

"پھر آپ اتنی رات گئے تک کیوں جاگ رہی ہیں ؟"

وہ اس سوال پر بوکھلا گئیں ۔ پھر انہوں نے سنبھل کر جواب دیا۔

"یہ تو آج پہلا موقع ہے کہ میں جاگ رہی ہوں ۔ ورنہ ......"

ارمانہ نے بات کاٹ کر کہا۔

"نہیں آنٹی ـــــ کل رات بھی آپ بڑی دیر تک جاگتی رہیں اور ڈیڈی سے باتیں کرتی رہیں ـــــ ڈیڈی بھی اپنی عادت کے خلاف جاگتے رہے ۔ قیصر صاحب بھی یہی کہہ رہے تھے کہ انہیں بھی رات کو نیند نہیں آتی ـــــ یہاں سب لوگ جاگتے ہیں اور راتوں کو بھٹکی ہوئی روحوں کی طرح ادھر سے اُدھر گھومتے ہیں ـــ انکل مرحوم اس دنیا سے جاتے جاتے ہم سب سے عجیب مذاق کر گئے ہیں ۔ کسی کو سگے اور سوتیلے رشتوں میں اُلجھا دیا ہے ـــ کسی کو پچیس ہزار کا لالچ دے دیا ہے ـــ کسی کو کروڑوں کی جائداد کا مالک بنا دیا اور کسی کو دو لاکھ کے قرضے میں جکڑ دیا ہے ـــ پھر آپ ہی بتائیں کہ ایسے میں نیند کیسے آئے گی ؟"

رابعہ خاتون نے خشک لہجے میں کہا۔

"تم بہت زیادہ پڑھ لکھ گئی ہو ۔ اس لئے ایسی طنزیہ باتیں کرتی ہو ۔ میرے اور تمہارے جاگنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سارا گھر جاگ رہا ہے ۔ کیا تمہیں نظر نہیں آتا

ہے کہ یہاں کتنی خاموشی ہے ۔ لوگ کتنے سکون سے اپنے کمروں میں سو رہے ہیں ـ؟"

ان کی بات ختم ہوتے ہی اوپری برآمدے کے آخری سرے پر خالد کے کمرے کا دروازہ کھلا اور وہاں سے وکیل صاحب برآمد ہوئے ۔ ان کے پیچھے پیچھے خالد بھی چلا آیا ۔

وکیل صاحب نے انہیں دیکھ کر تعجب سے کہا ۔

"ارے بھئی ۔ یہ دونوں بھی جاگ رہی ہیں ۔"

نیچے ڈرائنگ روم سے قیصر کی آواز سنائی دی ۔

"بھئی جاگنے والوں کی فہرست میں میرا نام بھی شامل کر لیجئے ۔ حالانکہ آج ایک دواخانہ سے میں نیند کی گولیاں لا کر کھا چکا ہوں مگر لعنت ہے ان ملاوٹ کرنے والوں پر ــــ جماہی پر جماہی آرہی ہے لیکن نیند نہیں آرہی ہے ....."

وہ منہ کے سامنے چٹکی بجاتے ہوئے جماہی لینے لگا ۔

ارمانہ نے طنزیہ نظروں سے رابعہ خاتون کو دیکھا اور ایک ٹھنڈی سانس لیکر بولی ۔

"بیچارے ـــ!"

رابعہ خاتون تلملا کر رہ گئیں ۔

وکیل صاحب کے پیچھے پیچھے خالد آرہا تھا اور ارمانہ کو کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا ۔ اسے دیکھ کر اپنی ناکامی کا احساس ہونے لگتا تھا کہ وہ مغرور لڑکی اب تک اس کے ہتھے نہیں چڑھ سکی ہے ۔

وکیل صاحب نے ارمانہ سے پوچھا ۔

"کیا بات ہے بیٹے! تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟"

ارمانہ نے خالد کو حقارت سے دیکھا اور جواب دیا۔

"جی ہاں ـــــ اس شاندار کوٹھی میں سب کچھ ہے مگر ایک پُرسکون نیند نہیں ہے اگر میں یہاں کچھ دن اور رہی تو بیمار پڑ جاؤں گی ـــــ ڈیڈی! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم صبح کی ٹرین سے واپس چلے جائیں۔"

سب لوگ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ وکیل صاحب نے کہا۔

"نہیں بیٹے ـــــ اتنی جلدی واپس جانا مناسب نہیں ہے۔"

"بالکل مناسب ہے۔" قیصر نے ان کے قریب آ کر کہا۔ "میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ اپنے پنڈ چلا جاؤں۔ وہاں اپنے گھر میں ضرور نیند آئے گی۔"

خالد نے قیصر کو گھور کر دیکھا اور بولا۔

"قیصر بھائی ـــــ آپ بغیر سوچے سمجھے دوسروں کے معاملے میں بول پڑتے ہیں۔ آپ کو جانا ہے تو جائیے۔ وکیل صاحب وصیت کے سلسلہ میں کچھ روز تک مصروف رہیں گے۔"

"ڈیڈی ـــــ!" ارمانہ نے کہا۔ "اگر آپ اپنی مصروفیات کی وجہ سے نہیں جا سکتے تو مجھے اجازت دیجئے میں تنہا چلی جاؤں گی۔"

"نہیں ـــــ تمہارا تنہا جانا مناسب نہیں ہے۔"

"تو پھر آپ ایک دن کے لئے اپنی مصروفیات کو چھوڑ کر چلیں اور مجھے پہنچا کر چلے آئیے"

وکیل صاحب نے بڑے ہی اداس لہجے میں پوچھا۔

"اچھی بات ہے ـــــ تم جاؤ ـــــ میں اپنے قرض کا بوجھ اتارنے کے لئے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں گا ـــــ ہو سکتا ہے کسی کو رحم آ جائے ...."

ارمانہ نے خالد کی جانب دیکھا کہ وہ اخلاقاً بھی رحم دلی کا اظہار کرتا ہے یا نہیں لیکن وہ لاتعلقی سے دوسری طرف دیکھنے لگا تھا۔

ارمانہ کے دل میں اس کے لئے اور بھی نفرت پیدا ہو گئی ـــــ مگر نفرت سے خالد کا کیا بگڑتا؟ اس کا مطالبہ تو اپنی جگہ اٹل تھا۔ دو لاکھ روپے یا اس کا نرم و نازک ہاتھ...

"ڈیڈی ـــــ!" وہ سر جھکا کر بولی۔ "آپ کسی سے رحم کی بھیک نہ مانگیں۔ البتہ قرض کی ادائیگی کے لئے ذرا مہلت مانگ لیں۔ بی اے آنرز کرنے کے بعد آپ جو کچھ کہیں گے میں اسے مان لوں گی...."

یہ کہہ کر وہ تیزی سے آگے بڑھی اور اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔

وکیل صاحب خوش ہو کر رابعہ خاتون سے کہنے لگے۔

"دیکھا، میں نہ کہتا تھا کہ وہ مان جائے گی۔ میں اپنی بیٹی کے مزاج کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔"

رابعہ خاتون اس کامیابی پر مسکرانے لگیں۔ خالد نے کہا۔

"مگر ـــــ بی اے آنرز ہونے میں کتنے سال لگیں گے؟"

"زیادہ سے زیادہ ایک سال ـــــ!" وکیل صاحب نے جواب دیا۔

رابعہ خاتون نے خالد کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ایک سال تو دیکھتے ہی دیکھتے گزر جائے گا۔ تم فکر نہ کرو۔ اس بات کو سوچو
کہ کل اس نے انگوٹھی اتار دی تھی اور آج تم سے شادی کے لئے راضی ہو گئی ہے۔"

"شادی کے لئے ——!؟" قیصر نے تعجب سے پوچھا۔

"لیکن مس ارمانہ نے ابھی شادی کے متعلق تو کوئی بات نہیں کی ہے۔ وہ تو قرض کے
متعلق....."

خالد نے اس کی بات کاٹ کر غصہ سے کہا۔

"آپ پھر ہمارے معاملات میں بول رہے ہیں —— یہ آپ کی بہت بُری عادت ہے"

"میری عادت بُری نہیں ہے۔ البتہ تم کو بات بات پر بُرا ماننے کی عادت پڑ گئی ہے
—— اونہہ! مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کسی کے معاملات میں بولنے کی —— مجھے
اس بے خوابی نے پریشان کر رکھا ہے۔ اسی لئے یہاں آ گیا تھا۔ مگر تم لوگ تو مجھ سے بیزار
نظر آتے ہو....."

وہ بڑبڑاتا ہوا وہاں سے جانے لگا۔

پھر اس نے زینے کے پاس سے پلٹ کر کہا۔

"مجھ سے بیزار ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں یہاں زندگی بھر رہنے کے لئے نہیں
ہوں —— شادی کروں گا۔ پچیس ہزار لوں گا اور طلاق دے کر یہاں سے چلا جاؤں گا
—— کیوں وکیل صاحب! کیسی تدبیر سوچی ہے میں نے —— آخر میں بھی ایک
کا ہی بیٹا ہوں۔ اباجان اگر زندہ ہوتے تو مجھے بھی ضرور وکیل بنا دیتے —— آہ!۔

نصیب میں تو انڈے بیچنا لکھا ہے ...."

وہ بڑبڑاتا ہوا نیچے ڈرائنگ روم کی طرف چلا گیا۔ خالد نے وکیل صاحب سے پوچھا۔

"یہ کیا بکواس کر رہے تھے —— کس سے شادی کریں گے اور طلاق دیں گے۔"

وکیل صاحب نے تعریفی انداز میں کہا۔

"بھئی یہ لڑکا ہے ذہین —— اس نے پچیس ہزار حاصل کرنے کے لئے یہ تدبیر سوچی
ہے کہ عارضی طور پر کسی لڑکی سے شادی کرے گا اور روپے حاصل ہوتے ہی اسے طلاق
دے دے گا۔"

خالد اور رابعہ خاتون نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا —— ان کے درمیان
ان ہی نظروں میں کچھ باتیں ہوئیں، کچھ سازشیں ہوئیں —— پھر وہ معنی خیز انداز میں
مسکرانے لگے۔

فراز کو یقین تھا کہ ارمانہ اس سے ملنے کے لئے ضرور آئے گی۔

یہی سوچ کر اس نے ناراضگی کا اظہار کر دیا تھا کہ ارمانہ کے دل کو ذرا چوٹ لگے ـــ وہ ذرا تڑپے اور اس سے ملنے کے لئے بھاگی چلی آئے۔ اور وہ آئی تھی مگر پہلے ہی وہ کار لے کر کالج سے چلا گیا تھا۔ جان بوجھ کر باہر گھومتا رہا تھا۔ تاکہ تمام دن بے چینی سے انتظار کرتی رہے۔

لیکن رات ہوتے ہی وہ خود بے چین ہو گیا تھا۔ ارمانہ اس سے ملنے نہیں آئی تھی۔ اس کی امی گھنٹہ بھر کے لئے آئی تھیں اور اسے کسی لڑکی سے شادی کرنے پر مجبور کرتی رہی تھیں۔

پتہ نہیں امی کو کیا ہو جاتا ہے اور کچھ نہیں سوجھی تو میری شادی کا ارمان لے کر

بیٹھ گئیں۔ لیکن میرے ارمانوں کا انہیں ذرا بھی خیال نہیں ہے۔ جب دیکھو سوتیلے بیٹے کی حمایت میں بولتی رہیں گی۔ اونہہ ـــ! اچھا کیا میں نے جو انکار کر دیا ـــ نہ جانے کس لڑکی کو میرے پلے باندھ رہی تھیں۔

وہ پریشان ہو کر سوچتا رہا اور ارمانہ کا انتظار کرتا رہا۔ جیسے جیسے رات گزرتی گئی اس کی بے چینی بڑھتی گئی۔ اس نے کالج سے نکل کر دیکھا ـــ کالج کے احاطہ سے باہر آکر دیکھا مگر اس کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کالج کا راستہ بھول گئی ہے اور اب کبھی یہاں نہیں آئے گی۔

ارمانہ کو بے چین کرنے اور تڑپانے والا خود بے چین ہو رہا تھا۔ خود ہی تڑپ رہا تھا۔

پھر صبح ہو گئی اور ـــ تھوڑی دیر کے بعد دھوپ بھی پھیلنے لگی۔ مگر وہ نہیں آئی۔

فراز کا دل ڈوبنے لگا ـــ کیا ارمانہ اسے دل سے نکال چکی ہے؟ یہی بات ہے ورنہ وہ ایسی بے رخی کا اظہار نہ کرتی۔

وہ بے چینی سے ٹہلتا ہوا کوٹھی کے سامنے آگیا۔

اسی وقت قیصر کہیں باہر سے آرہا تھا۔ کوٹھی کے گیٹ سے داخل ہو کر اس نے جماہی لیتے ہوئے منہ کے سامنے چٹکی بجائی اور فراز کے قریب آتے ہوئے کہنے لگا۔

”معلوم ہوتا ہے تم بھی میری طرح جاگتے رہے ہو۔ بھئی کمال ہے۔ تمہیں تو بغیر کسی شرط کے ایک لاکھ روپے مل رہے ہیں۔ پھر تم کس لئے جاگتے ہو؟“

”قیصر بھائی۔ دنیا میں پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا۔“

یہ کہتے ہوئے فراز نے کوٹھی کے پورچ کی طرف دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ ارمانہ کوٹھی سے نکل کر آتی ہی ہوگی۔ قیصر نے کہا۔

"میں تو یہ جانتا ہوں کہ آدمی کو پیسہ جگاتا ہے یا پھر عشق ساری رات تڑپاتا ہے۔"

"عشق ——!" اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

قیصر نے چٹکی بجا کر کہا۔

"ہاں —— پکڑی گئی چوری —— عشق کے نام پر چونک رہے ہو تو ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے پھر منہ کھول کر جماہی لی۔

"لاحول ولاقوۃ —— رات کو سونے کے وقت نیند کی گولیاں کھائی تھیں۔ اب صبح جاگنے کے وقت نیند آرہی ہے پورے بارہ گھنٹے بعد اثر ہو رہا ہے۔ اب مجھے جا کر سونا چاہیئے۔"

اسی وقت رابعہ خاتون کوٹھی سے باہر آئیں اور قیصر کو دیکھتے ہی خوش ہو کر اس کی طرف لپکیں۔

"اے بیٹا قیصر ——! تم رات کو کہاں چلے گئے تھے۔ میں تمہیں کتنی دیر سے تلاش کر رہی ہوں۔"

قیصر نے جواب دیا۔

"نیند کی تلاش میں گیا تھا آنٹی ——! کل تمام رات سڑکوں پر گھومنے کے بعد یہ

حقیقت معلوم ہوئی کہ راتوں کو صرف ہم ہی نہیں جاگتے بلکہ شہر کے کتے بھی ہماری طرح جاگتے ہیں۔"

رابعہ خاتون کو اس کی بات بہت ہی بری لگی مگر وہ جبراً مسکرانے لگیں۔ انہوں نے فراز کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"تم آج اس طرف کیسے چلے آئے؟"

فراز سے پہلے ہی قیصر بول پڑا۔

"آنٹی ——! فراز تو کل بھی اس طرف آئے تھے مس ارمانہ بھی تھیں —— مگر افسوس اس کا ساتھ کتنی جلدی چھوٹ جاتا ہے۔ مس ارمانہ شاید چلی گئی ہیں۔"

فراز چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ رابعہ خاتون نے گہری نظروں سے بیٹے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں —— وہ صبح پانچ بجے کی ٹرین سے واپس چلی گئی ہے۔"

"کیا واقعی ——؟" فراز نے ٹوٹے ہوئے دل سے پوچھا۔

"اور نہیں تو کیا —— میں تم سے جھوٹ بول رہی ہوں۔ ماں کی بات تم نے نہیں رکھی —— میرے منع کرنے کے باوجود تم اسی لڑکی کے گن گاتے رہے۔ اب دیکھ لو جاتے وقت اس نے تم سے ملنا بھی گوارا نہیں کیا...."

ماں کی بات فراز کے دل پر ایک گھونسے کی طرح لگی۔ یہ اس کے پیار کی کتنی توہین تھی کہ اس نے جاتے وقت بھی ملنا گوارا نہیں کیا تھا۔

"اچھا ——!" قیصر نے سر ہلا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب پتہ چلا کہ آپ مس ارمانہ کے لئے تمام رات جاگتے رہے ہیں۔"

فراز نے جھلا کر کہا۔

"مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ کسی کے لئے جاگتا رہوں۔"

یہ کہتے ہوئے وہ ایک جھٹکے سے دوسری طرف گھوم گیا۔ اور تیز قدم اٹھاتا ہوا کاٹج کی طرف جانے لگا۔ قیصر نے کہا۔

"عجیب بات ہے کہ لوگ حقیقت سے انکار کرتے ہیں۔ مجھے دیکھو۔ میں ڈنکے کی چوٹ پر اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہوں کہ پچیس ہزار روپے مجھے جگایا کرتے ہیں۔"

رابعہ خاتون نے مسکرا کر کہا۔

"اب تمہیں بھی جاگنے کی ضرورت نہیں پڑے گی —— میں نے تمہارے لئے لڑکی پسند کرلی ہے۔"

قیصر نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"مجھے نیند آرہی ہے —— ویسے آنٹی! میں آپ کی پسند سے شادی کرکے نہیں چاہتا۔"

وہ گھبرا کر اسے دیکھنے لگیں اور سوچنے لگیں کہ کہیں اسے رخسانہ کی حقیقت معلوم تو نہیں ہوگئی ہے؟

انہوں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو؟ کیا میں رخسانہ سے شادی کرکے تمہیں پھنسانا چاہتی ہوں۔"

"رخسانہ ——!" اس نے حیرت اور خوشی سے پوچھا۔ "یعنی —— یعنی کہ آپ کی بھانجی ——؟"

"ہاں ——!"

"آہا —— آنٹی وہ تو بہت اچھی لڑکی ہے۔ میں نے اس سے کہا بھی تھا کہ وہ ایک دن کے لئے مجھ سے شادی کرلے مگر وہ بگڑ گئی۔"

"بگڑنے کی تو بات ہی ہے۔ تم کسی بھی لڑکی سے ایسی بات کرو گے تو وہ ناراض ہوجائے گی۔"

"ناراض ہونے دیجئے —— مگر آپ پکی شادی کرا کے مجھے پھنسانے کی کوشش نہ کریں میں زندگی بھر کسی عورت کے نخرے برداشت نہیں کرسکتا۔"

انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"یہ مجھے معلوم ہوچکا ہے کہ تم کسی طرح بھی پکی شادی نہیں کرنا چاہتے۔ میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ رخسانہ سے تمہاری شادی پکی نہ ہو۔"

"کیا ——!؟" اس نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

رابعہ خاتون نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آؤ بیٹھو ——! میں یہی بات کہنے کے لئے کل رات سے تمہیں تلاش کر رہی تھی۔"

قیصر نے ان کے سامنے ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ مجھ پر اتنی مہربان ہوگئی ہیں۔"

"مہربانی کی کیا بات ہے بیٹا! یہ تو بزرگوں کا فرض ہے کہ وہ بچوں کے آڑے وقت کام آئیں ——— دراصل بات یہ ہے کہ رخسانہ کو بھی شادی کے لئے پندرہ ہزار روپ گے۔ میں نے سوچا کہ وہ بھی یتیم ہے اور تم بھی یتیم ہو۔ اگر تم دونوں کو اپنے اپنے حص رقم مل جائے تو کیا بُرا ہے ....."

"خدا آپ کو سلامت رکھے۔ آپ کو یتیموں کا کتنا خیال ہے۔"

"مجھے تو ہر بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے بیٹے ——— اب یہی دیکھو نا کہ تم شادی ک فوراً بعد ہی طلاق دے دینا چاہتے ہو۔ مگر اس میں رخسانہ کی اور ہمارے خاندان کی بدنامی ہوگی۔"

"ہاں ——— گھر کی کسی لڑکی سے شادی کرکے طلاق دینے پر اپنے ہی خاندان بدنامی ہوگی ——— ٹھیک ہے رہنے دیجئے۔ میں کوئی دوسری لڑکی تلاش کرلوں گا۔"

رابعہ خاتون نے جلدی سے گھبرا کر کہا۔

"ارے رے یہ کیا کہتے ہو۔ میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم رخسانہ نہ کرو۔ میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ اسے جلدی طلاق نہ دو۔ پہلے طلاق دینے کا ایسا بہانہ تلاش کرو کہ دنیا والے تم دونوں پر انگلی نہ اٹھا سکیں۔ مثلاً یہ کہ شا بعد تم میاں بیوی کبھی کبھی لڑتے رہا کرو۔ ایک دوسرے سے بیزاری کا اظہار کر ——— کچھ عرصہ کے بعد ہم دونوں ہی کہیں گے کہ تم دونوں کا ایک ساتھ گزارہ

ہو سکتا۔ اس لئے طلاق ہو جائے تو بہتر ہے۔"

قیصر ان کی بات سن کر سوچنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

"آپ کی تدبیر بہت اچھی ہے۔ مگر لڑنے جھگڑنے اور بیزاری ظاہر کرنے میں کئی دن گزر جائیں گے۔"

"ارے کتنے دن گزریں گے؟ زیادہ سے زیادہ ایک سال ——— !"

"ایک سال ——— !" اس نے حیرت سے چیخ کر کہا۔ "نہیں نہیں ——— میں ایک سال تک کسی عورت کو برداشت نہیں کرسکتا ——— ارے عورت تو ایک ہی دن میں حکومت کرنے لگتی ہے۔ سال بھر تک نہ جانے میرا کیا حشر کرے گی۔"

"تم تو خواہ مخواہ گھبرا رہے ہو۔ رخسانہ تم پر کبھی حکومت نہیں کرے گی۔"

"میں کیسے یقین کرلوں ——— ؟"

"شادی سے پہلے وہ تمہیں لکھ کر دے دے گی بلکہ یوں سمجھو کہ تم دونوں کے درمیان تحریری معاہدہ ہو جائے گا۔"

"ہاں ——— یہ ٹھیک ہے۔ دیکھئے میری شرط یہ ہوگی کہ آج سے ٹھیک ایک سال کے بعد یعنی آئندہ دسمبر کے مہینے میں وہ مجھ سے طلاق لے گی اور اس سلسلہ میں کوئی اعتراض نہیں کرے گی۔"

"منظور ہے۔"

"شادی کے بعد وہ بیوی بن کر مجھ پر حکومت نہیں چلائے گی۔ وہ اپنی مرضی کی مالک ہو

ہو گی اور میں اپنی مرضی کا مالک ۔۔۔۔"

"یہ بھی منظور ہے ۔"

" شادی کے بعد روپے ملتے ہی میں احمد نگر چلا جاؤں گا اور وہاں میں اپنے مکان کے احاطہ میں ایک مرغی خانہ بناؤں گا ۔ لہذا رخسانہ یہاں آپ کے پاس رہا کرے گی ۔"

" یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟" وہ گھبرا سی گئیں ۔

" کیوں نہیں ہو سکتا ۔۔۔ ؟"

" ذرا عقل سے کام لو قیصر ! تم نئی نویلی دلہن کو چھوڑ کر جاؤ گے تو لوگ کس طرح باتیں بنائیں گے ۔ رخسانہ کو طعنے دیں گے کہ اس میں کوئی کھوٹ ہے اس لئے خاوند چھوڑ کر چلا گیا ہے ۔ میں کتنوں کی زبان پکڑوں گی ۔ مجھ سے بھی یہ طعنے نہ سنے جائیں گے ۔۔۔ نہیں بیٹے دیکھو میں تمہاری تمام شرطیں مان رہی ہوں ، اس لئے تم بھی میری بات مان لو ۔"

" مگر ۔۔۔ آنٹی ۔۔۔ !"

" مگر وگر کچھ نہیں ۔۔۔ آخر تمہیں پریشانی کس بات کی ہے ۔ معاہدہ میں رخسانہ صاف طور سے اقرار کرے گی کہ ایک سال کے بعد اسے تمہاری طرف سے دی جانے والی طلاق منظور ہو گی ۔۔۔ پھر گھبرانے کی کیا بات ہے ؟"

" ہاں ۔۔۔ !" اس نے قائل ہو کر کہا ۔ "جب اس قسم کا تحریری معاہدہ ہو گا تو گھبرانے کی بات نہیں ہے ۔"

" تو پھر تمہیں یہ رشتہ منظور ہے ؟"

اس نے منہ کے سامنے چٹکی بجاتے ہوئے جماہی لیکر کہا ۔

" منظور ۔۔۔ ہے ۔۔۔۔۔ !"

محبت کو کچلتے کچلتے آدمی خود ہی کچل کر رہ جاتا ہے۔

فراز کی بھی یہی حالت تھی۔

وہ مسکرانا بھول گیا تھا۔ وہ ظالم بن کر زمانہ کی یادوں کو کچل رہا تھا اور مطلوا
کر اپنا سکون کھو رہا تھا۔ اس کی بھوک مر گئی تھی۔ چہرے پر خشونت بڑھ گیا تھا۔ راتوں کو
کی وجہ سے آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ اسے دیکھ کر پتہ چلتا تھا کہ محبت کو مارتے ما
وہ خود اندر سے مر رہا تھا۔

وہ اپنے کاٹیج میں قید ہو کر رہ گیا تھا۔ کوٹھی میں آج صبح سے مہمان آ رہے
شام کو قیصر اور رخسانہ کا نکاح ہونے والا تھا لیکن فراز کو کسی کی ذات سے دلچسپی
تھی۔ اس کی امی صبح آکر کہہ گئی تھیں کہ آج اسے قیصر کی شادی میں ضرور شریک ہو

وہ اپنی طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے ٹال گیا تھا۔

پھر شام ہونے سے پہلے قیصر خود ہی اس کے پاس چلا آیا۔

"یہ تم نے کیا حالت بنا رکھی ہے؟" اس نے فراز کو دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

"کچھ نہیں ——— طبیعت ٹھیک نہیں ہے یار۔"

"طبیعت ٹھیک نہیں تو ڈاکٹر سے علاج کراؤ۔ یا کم از کم ہمیں اطلاع دیا کرو۔ تم تو
دن سے اس طرح دور رہ گئے ہو جیسے ہم سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔"

"یہ بات نہیں ہے قیصر بھائی ——— بس یونہی کبھی کبھی گوشہ تنہائی میں بیمار پڑے
رہنے کو جی چاہتا ہے۔"

"واہ کیا ارمان ہیں تمہارے ——— ذرا میں بھی تو سنوں کہ کون سا روگ لگا ہے تمہیں؟"

فراز نے ایک ٹھنڈی سانس لیکر کہا۔

"ایسا روگ ہے جس کا علاج ڈاکٹر بھی نہیں کر سکتے ہیں۔"

"ہم ——— !" قیصر نے سر ہلا کر کہا۔ "مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ تمہارا علاج ڈاکٹر نہیں بلکہ
وہ کر سکتی ہے مگر وہ یہاں سے چلی گئی ہیں۔"

فراز نے منہ پھیر کر کہا۔

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔"

"جی ہاں ——— میں بے وقوف جو ہوں۔ تمہارے جیسے عقلمندوں کو کیا سمجھوں گا۔"

"عقلمند بھائی! ایسی لڑکی سے محبت کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی جو تم سے محبت نہیں

کرتی تھی۔"

" کون کہتا ہے کہ وہ مجھ سے ..... !" وہ کہتے کہتے رک گیا۔ اچانک اسے اپنی غلطی

کا احساس ہو گیا کہ وہ اپنی محبت کا اظہار کر رہا ہے۔"

قیصر نے مسکرا کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مس ارمانہ تم سے محبت کرتی تھیں۔"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ قیصر نے کہا۔

" تعجب ہے ___ مس ارمانہ تو ایسی نہیں دکھائی دیتیں کہ کسی سے بے وفائی کریں"

فراز نے نفرت سے کہا۔

" کسی کی پیشانی پر یہ نہیں لکھا ہوتا کہ وہ بے وفا ہے۔"

" یہ بھی ٹھیک ہے۔ وقت آنے پر ہی وفا کی آزمائش ہوتی ہے۔ تم بھی وقت

انتظار کرو۔"

" وقت آکر گزر بھی چکا ہے۔"

" اچھا ___ تو کیا وہ تمہیں چھوڑ کر کسی دوسرے سے محبت کر رہی ہیں۔"

" مجھے کیا معلوم ہے ؟ میں اس سے پوچھنے تو نہیں گیا تھا۔"

" جب پوچھنے نہیں گئے تھے تو پھر تم نے ان کی بے وفائی کا یقین کیسے کر لیا۔"

" یہ کیا کم ہے کہ یہاں سے رخصت ہوتے وقت اس نے مجھے ملنا

نہیں کیا۔"

قیصر نے ہنستے ہوئے کہا۔

" اچھا میں سمجھ گیا۔ پرسوں آنٹی تم سے یہی کہہ رہی تھیں کہ مس ارمانہ تم سے ملے بغیر

چلی گئی ہیں ___ بھئی اس سے تو یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ بے وفا ہے۔"

فراز نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

" تو پھر کیا ظاہر ہوتا ہے ؟"

" یہی کہ وہ تم سے ناراض ہیں۔ نہ ملنے اور تڑپا کر دور چلے جانے کا مطلب یہی ہے کہ

وہ کسی بات سے ناراض ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم نے اس کا دل دکھایا ہو ....."

فراز کو یک بیک اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ واقعی اس نے ارمانہ کا دل دکھایا تھا۔

اس سے ناراض ہو کر تمام دن کالج سے غائب رہا تھا ___ جب وہ اسے تڑپانے کے لئے

دور جا سکتا ہے تو کیا وہ اسے تڑپانے کے لئے نظروں سے دور نہیں ہو سکتی ہے ___ ؟"

اس نے قیصر کا ہاتھ تھام کر کہا۔

" آپ ٹھیک کہتے ہیں قیصر بھائی ! پہلے میں نے ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔ جب وہ

ملنے کے لئے آئی تھی تو میں اس سے ملے بغیر کالج سے چلا گیا تھا ___ شاید اسی لئے وہ

مجھ سے ناراض ہو گئی ہے۔"

" بالکل یہی بات ہے۔ اب احساس ہوا نا، اپنی غلطی کا .... ؟"

" ہاں ___ مگر ___ ناراض ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ پنڈی چلی جائے۔"

" ارے کیا بات کرتے ہو۔ ان محبوباؤں کے پاس بین الاقوامی پاسپورٹ ہوتے

ناراضگی کا اظہار کرنے کے لئے ستاروں سے بھی آگے چلی جائیں۔"

فراز اس کی بات پر مسکرانے لگا۔

"ہاں ــــ اب آئی نا مسکراہٹ ــ چلو اٹھو ــــ فٹافٹ تیار ہو جاؤ ــــ پچیس ہزار روپے سے میرا نکاح ہونے والا ہے۔"

فراز نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"آج نہیں پنڈی جاؤں گا۔"

"اب تو تم سر کے بل جاؤ گے۔ مگر پہلے شیو کرو۔ پھر کپڑے بدل کر آدمی بننے کے بعد کوٹھی میں آؤ ــــ اگر میرے نکاح کے وقت تم نہ آئے تو میں ناراض ہو جاؤں گا۔"

"نہیں قیصر بھائی! آپ چلیے۔ میں ابھی تیار ہو کر آتا ہوں۔"

قیصر مسکراتا ہوا چلا گیا۔

فراز کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آگئی تھی۔ ایسی مسکراہٹ جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ رہ رہ کر ارمانہ کا سراپا آنکھوں کے سامنے طلوع ہو رہا تھا۔

شیو کرتے وقت وہ آئینہ دیکھ دیکھ کر مسکراتا رہا۔ غسل کرتے وقت مستی میں گنگناتا رہا اور کپڑے بدلتے وقت وہ الجھتا رہا کہ آج کون سا لباس پہنے ــــ؟ آج محبت کا ایک نئے یقین کے ساتھ اس کے دل میں دھڑک رہی تھی۔ کیا اگر وہ روٹھ گئی تھی اسے منا لینا کوئی مشکل کام تو نہیں تھا۔ جب وہ دیکھے گی کہ محبوب اتنی دور سے آیا ہے

خودبخود اس کی ناراضگی دور ہو جائے گی۔

وہ بہترین سوٹ پہن کر کوٹھی میں آیا تو اس وقت نکاح پڑھایا جا رہا تھا۔ اس تقریب میں خاص خاص لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ پھر بھی مہمانوں کی اچھی خاصی بھیڑ تھی۔

خالد اپنی عادت کے مطابق خوبصورت لڑکیوں کے درمیان قہقہے لگا رہا تھا۔ فراز کو دیکھتے ہی اس کا قہقہہ گھٹ کر رہ گیا۔ لڑکیاں بھی اس کی جانب دیکھنے لگیں۔

ان میں سے ایک لڑکی چہکتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔

"ہیلو ــــ فراز! تم تو عید کا چاند ہو گئے ہو۔"

فراز نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں شکیلہ! چاند کی تشبیہہ تمہاری جیسی خوبصورت لڑکی پر پھبتی ہے۔"

شکیلہ اپنی تعریف سن کر مسکرانے لگی۔ خالد اسے کینہ توز نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"آج ادھر کیسے بھٹک گئے ــــ؟"

فراز نے جواب دیا۔

"اب یہ کوٹھی اتنی بھی گئی گزری نہیں ہے کہ میں شادی کی تقریب میں نہ آؤں۔"

"تم میری توہین کر رہے ہو ــــ" خالد نے بگڑ کر کہا۔

"ارے رے ــــ!" شکیلہ نے کہا۔ "آپ لوگ تو لڑنے لگے ہیں ــــ ادھر آ فراز...."

وہ فرازہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی دوسری طرف لے گئی اور آہستگی سے کہنے لگی۔

"یہ خالد بہت ہی مغرور ہے۔ لڑکیوں کے سامنے خود کو گلفام سمجھتا ہے ——
ایڈیٹ......"

فرازنے مسکرا کر کہا۔

"تم اس طرح میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لائی ہو تو وہ اور بھی جل بھن گیا ہوگا۔"

اس وقت تمام لوگ قیصر کو شادی کی مبارکباد دے رہے تھے۔ شکیلہ نے فراز
پوچھا۔

"تم ان سے ملو گے —— ؟"

"ان سے —— ؟" فرازنے تعجب سے پوچھا۔ پھر اسے یک بیک یاد آگیا کہ
اپنے منگیتر کے متعلق کہہ رہی ہے۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔

"ان سے یعنی تمہارے ان سے —— کہاں ہے وہ ؟"

شکیلہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"وہ ادھر ہیں۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر بھیڑ میں سے گزرنے لگی۔

"جمیل —— ! ان سے ملو !" اس نے ایک نوجوان کو مخاطب کیا۔

نوجوان نے گھوم کر فراز کو دیکھا۔ شکیلہ نے کہا۔

"یہ مسٹر فراز ہیں جن کی برائی میں تمہارے سامنے کرتی رہتی ہوں۔"

جمیل نے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا۔

"بھئی اچھے لوگوں کی جتنی برائی کی جائے۔ ان کی اچھائی اتنی ہی ابھرتی چلی جاتی ہے۔
شکیلہ ہمیشہ آپ کا ذکر اکثر کرتی رہتی ہے۔"

فرازنے ہنستے ہوئے کہا۔

"پرانی دشمنی ہے۔ اسی لئے ذکر کرتی ہیں —— ویسے یہ بتایئے کہ شادی کب ہو رہی
ہے۔"

جمیل نے مسکرا کر شکیلہ کی طرف دیکھا۔ وہ شرما کر بولی۔

"اچھا، تم لوگ باتیں کرو۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

فرازنے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اچھا تو تم مجھے اس بات کا موقع دے رہی ہو کہ میں تمہاری غیر موجودگی میں تمہاری
شادی کی تاریخ مقرر کر لوں۔"

شکیلہ نے جھینپ کر کہا۔

"فضول باتیں نہ کرو ہاں !"

اپنی زندگی کی اہم بات کو فضول کہہ رہی ہو —— بھئی تمہارا آگے پیچھے تو کوئی ہے
نہیں —— تنہا رہتی ہو۔ اچھا کھاتی کماتی ہو۔ اب تو مجھے ہی تمہارا سرپرست بن کر شادی
کی تاریخ مقرر کرنا پڑے گی۔"

"دیکھئے فراز صاحب —— !" جمیل نے کہا۔ "جب بھی شادی کی تاریخ کا مسئلہ
سامنے آتا ہے۔ شکیلہ مجھ سے لڑنے لگتی ہے۔"

"اچھا ——— وہ کیوں ؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ اس لئے کہ یہ میری تعلیم کا آخری سال ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تعلیم مکمل ہو جانے در
پھر شادی اور خانہ آبادی ہوگی۔"

شکیلہ نے چڑ کر کہا۔

"جی ہاں۔ میں جیسے تم سے کہہ رہی ہوں کہ تم ابھی یہاں بیٹھ کر مجھ سے نکاح پڑھالو
دیکھو مجھے خواہ مخواہ الزام نہ دو ہاں ..... !"

فراز نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بس، بس میں سمجھ گیا ——— جمیل صاحب آپ شکیلہ کے سامنے ایسی باتیں نہ کریں
کوئی بھی لڑکی کبھی یہ اعتراف نہیں کرے گی کہ اسے جلد از جلد دلہن بننے کا ارمان ہے۔
حالانکہ وہ سوتے جاگتے یہی خواب دیکھتی رہتی ہے۔"

"جی ہاں ——— !" شکیلہ نے طنز سے کہا۔ "مرد بیچارے معصوم معلوم ہوتے ہیں۔
وہ خواب دیکھنا جانتے ہی نہیں ——— اور تم بھلا کیا جانو کہ محبت اور شادی کیا ہوتی
ہے۔ کبھی تم نے کسی سے محبت بھی کی ہے ——— ؟"

فراز کے دل کو یادوں کی خوشبو چھو کر گذرنے لگی۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس
بھر کر کہا۔

"آہ شکیلہ ——— ! تم نے دل کے کتنے نازک جذبے کو چھیڑ دیا ہے۔ اب مجھے
تنہائی کی ضرورت ہے ——— میں چلا ..... !"

"آہا ہا ——— !" شکیلہ نے کہا۔ "تو حضور کسی سے محبت فرما رہے ہیں۔ اسی لئے کالج
کی تنہائی کو پسند کرتے ہیں ——— آج حقیقت کا پتہ چلا ہے۔"

جمیل نے مسکرا کر پوچھا۔

"بھئی، وہ کون خوش نصیب لڑکی ہے ؟"

"ہے نہیں ——— تھی ——— اب تو وہ پنڈی چلی گئی ہے۔ یہاں سے دو سو میل دور!"

"یعنی تم میلوں کے حساب سے محبت کر رہے ہو ؟"

شکیلہ نے پوچھا۔

"تعجب ہے۔ اس سے رابطہ کس طرح قائم ہوتا ہے۔"

"رابطے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ابھی ہمیں بچھڑے ہوئے دو ہی دن ہوئے ہیں
ابھی اس تقریب سے فارغ ہو کر میں پنڈی چلا جاؤں گا۔"

"اللہ رے بے چینی ——— اور جناب ہم لڑکیوں کو بدنام کرتے ہیں کہ شادی کا خواب
صرف ہم ہی دیکھتی ہیں ....."

"میں شادی کرنے نہیں بلکہ روٹھی ہوئی محبوبہ کو منانے جا رہا ہوں۔ وہ بھی تمہاری
طرح ناک چڑھی ہے۔ بات بات پہ ناراض ہو جاتی ہے۔"

"دیکھو، تم پھر لڑکیوں کو بدنام کر رہے ہو ..... !"

فراز اور جمیل قہقہے لگانے لگے۔

پھر انہوں نے گھوم کر دیکھا ——— رابعہ خاتون، قیصر کو عورتوں کی محفل میں ضروری رسومات ادا کرنے کے لئے لے جا رہی تھیں۔

رُخسانہ دلہن بنی سیج پر بیٹھی ہوئی تھی اور گھونگھٹ میں سر چھپائے گھٹنوں پر سر رکھے رو رہی تھی۔

دلہنیں ڈولی میں رخصت ہوتے وقت ضرور روتی ہیں لیکن سہاگ کی سیج پر آکر اُن کے آنسو خشک ہو جاتے ہیں۔ پھولوں کی سیج پر ارمان گدگداتے ہیں۔ دلوں میں جذبات مچلتے ہیں۔ کمرے کی اس تنہائی میں کسی اجنبی کا انتظار ہوتا ہے ——— ایک ایسے اجنبی کا جو ایک ہی رات کے بعد زندگی کا سب سے گہرا رشتہ جوڑ بیٹھتا ہے۔

مگر رُخسانہ کو اتنی شدّت سے کسی کا انتظار نہیں تھا۔ نہ ارمان مچل رہے تھے۔ اور نہ ہی دل کسی کے لئے دھڑک رہا تھا۔ وہ کنوارے گھونگھٹ کی اوٹ میں ایک پرانی عورت تھی جو اپنا سب کچھ ہار کر آئی تھی۔ اور اب اس کے دل میں کسی کو جیتنے

کی خواہش نہیں تھی۔

یہ اس کی بدنصیبی تھی کہ وہ جوانی کی ابتدا سے اپنے آپ کو دھوکہ دیتی آ رہی تھی —— پہلے پہل رابعہ خاتون کے ساتھ اس کوٹھی میں آئی تو ساری زندگی یہاں رہنے کے خواب دیکھنے لگی۔ خالد نے اسے اپنی محبت کا یقین دلایا تو وہ خود کو یہاں کی مالکن سمجھنے لگی۔ ہمیشہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتی رہی کہ وہ خالد کی محبوبہ پھر بیوی اور بیوی کے بعد پھر اس گھر کی مالکہ بن جائے گی —— مگر سب دھوکہ ثابت ہوا اور آئندہ بھی اس کی زندگی اسی دھوکہ اور فریب سے گزرنے والی تھی۔

قیصر سے نکاح قبول کرنا بھی ایک دھوکہ تھا۔ یہاں کنواری دلہن بن کر بیٹھنا بھی ایک دھوکہ تھا اور قیصر کو اپنے ہونے والے بچے کا باپ بنانا بھی ایک زبردست دھوکا تھا۔ اسے قیصر کو دھوکہ دیتے وقت افسوس ہو رہا تھا۔ مگر کیا کیا جائے ——؟ ہر انسان اپنے مفاد کے لئے دھوکہ دیتا ہے۔ قیصر بھی اپنے مطلب کے لئے نائرن سے کھیل رہا تھا۔ پچیس ہزار حاصل کرنے کے لئے اس نے رخسانہ سے نکاح قبول کیا تھا۔ وہ خاوند ہوتے ہوئے بھی خاوند نہیں تھا۔ یہ بیوی ہوتے ہوئے بھی بیوی نہیں تھی۔ یہ سہاگ کا کمرہ پچیس ہزار کی خوشبوؤں میں سجایا گیا تھا اور یہ سہاگ کی سیج کسی کنواری دلہن کے لئے نہیں بلکہ ایک ہونے والے بچے کی ماں کے لئے تیار کی گئی تھی۔

اتنے میں رابعہ خاتون، قیصر کو زبردستی دھکا دیتی ہوئی دروازے تک آئیں۔ قیصر نے پریشانی سے کہا۔

"آنٹی ——! اس تکلف کی کیا ضرورت ہے۔ شادی ہونا تھی، سو ہو گئی۔ اب رخسانہ کو آرام کرنے دیجئے بلکہ ہو سکے تو آپ بھی اس کمرے میں اس کے ساتھ سو جایئے..!"

"اے لڑکے تمہارا دماغ خراب ہوا ہے۔ شادی میری ہوئی ہے یا تمہاری —— چلو جاؤ کمرے میں ....."

یہ کہتے ہوئے انہوں نے اسے دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا کمرے میں گیا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ پلٹ کر کچھ کہے۔ رابعہ خاتون نے دروازے کے دونوں پٹ لگا کر اسے باہر سے بند کر دیا۔

خالد دور اپنے کمرے کے سامنے نیم تاریکی میں کھڑا ہوا انہیں دیکھ رہا تھا۔ رابعہ خاتون نے دروازہ بند کرتے ہوئے اس کی جانب مسکرا کر دیکھا۔ خالد کے ہونٹوں پر بھی ایک فاتحانہ مسکراہٹ آئی۔ قیصر کو رخسانہ کے کمرے میں بند کر کے انہوں نے اپنی کامیابی کا آخری مرحلہ بھی طے کر لیا تھا۔ اب دنیا کا کوئی فرد بھی اس گناہ کو خالد سے منسوب نہیں کر سکتا تھا۔

خالد نے اطمینان کی سانس لی اور مسکراتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ رابعہ خاتون بھی خوشی سے اٹھلاتی ہوئی نیچے ڈرائنگ روم کی طرف چلی گئیں۔

قیصر تھوڑی دیر تک بند دروازے کے پاس کھڑا رہا اور گھونگھٹ میں لپٹی ہوئی رخسانہ کو پریشانی سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"شادی بھی ایک مصیبت ہے۔ اس کمرے میں آتے ہی مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے مجھے پنجرے میں تبدیل کر دیا گیا ہے —— سہاگ کا سرخ جوڑا —— پھولوں کی سیج اور

پر بیٹھی ہوئی کنواری دلہن —— اس پنجرے کی تیلیاں کتنی مضبوط ہیں —— نہیں بھئی
تم یہ سہاگ کا جوڑا بدل لو اور سیدھی سادھی رخسانہ بن کر بیٹھ جاؤ —— بالکل وہی رخسانہ
بن کر جو اب سے پہلے میری نظروں کے سامنے سے یوں گزر جاتی تھی جیسے میں اس کا کوئی
نہیں ہوں۔ آج بھی میں تمہارا کوئی نہیں ہوں ... ! "

یہ کہتے ہوئے وہ اپنی شیروانی کے بٹن کھولنے لگا۔

رخسانہ تھوڑی دیر تک انتظار کرتی رہی کہ شاید وہ اس کے قریب آئے گا۔ لیکن دور
ہی دور سے اس کی باتیں کرنے کی آواز آتی رہی۔

اسے گھونگھٹ الٹنا ہی پڑا۔ وہ کرتی بھی کیا ؟ زبردستی کی شادی تھی۔ دیکھا جائے
تو قیصر نے اسے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہ کوشش تو رخسانہ کی تھی کہ قیصر عارضی
طور پر اس کا سہارا بن جائے اور اس کے گناہوں پر پردہ ڈال دے۔

اس نے کن انکھیوں سے قیصر کو دیکھا اور بڑی اداسی سے بولی۔

" میں کتنی بدنصیب ہوں کہ آپ کی شریک حیات ہو کر بھی آپ کی کوئی نہیں ہوں۔"

اس نے ایک صوفہ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

" یہ تو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ہم دنیا والوں کے سامنے ایک دوسرے کے بہت
کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں ہیں۔ تم خود ہی سوچو —— یہ شادی محض اس لئے کی
گئی ہے کہ مجھے پچیس ہزار روپے مل جائیں گے اور تمہیں .... ! "

یہ کہہ کر وہ مسکرانے لگا۔

رخسانہ نے گھبرا کر پوچھا۔

" اور مجھے —— ؟ "

" بھئی تم تو جان بوجھ کر اپنے دل کا راز چھپا رہی ہو۔"

قیصر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

" مجھے آنٹی نے سب کچھ بتا دیا ہے۔"

" کک —— کیا —— بتایا ہے ؟ " مارے گھبراہٹ کے اسے پسینہ آنے لگا۔

" یہی کہ —— ! " اس نے جواب دیا " میری طرح تم بھی عارضی شادی کر کے پندرہ
ہزار روپے حاصل کرنا چاہتی ہو۔"

رخسانہ کی تو جیسے جان ہی نکل گئی تھی۔ عجیب آدمی ہے۔ الجھی ہوئی باتیں کرتا ہے۔
اس نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر اطمینان کی سانس لی۔ قیصر نے پوچھا۔

" کیوں ہے نا یہی بات —— ؟ "

" اں —— نہیں تو —— یہ —— یہ جھوٹ ہے۔ پتہ نہیں خالہ جان نے ایسی بات
کیوں کہہ دی۔ میں پیسوں کی لالچی نہیں ہوں۔ میں تو —— میں تو کنیز بن کر آپ کی
خدمت کرنا چاہتی ہوں۔"

" ارے باپ رے —— جو عورت بیوی بن کر آئی ہو۔ اسے میں کنیز کس طرح
بناؤں۔ نہیں بھئی دور کی دوستی ہی بھلی ہوتی ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے پلنگ کے سرے پر آ گئی۔ اور کہنے لگی۔

" کیا یہ اچھا لگتا ہے کہ ایک دوسرے کے شریکِ حیات ہو کر بھی ہم بیگانے رہیں
ہم نے شادی کی ہے۔ گڑیوں کا کھیل تو نہیں کیا ہے۔"

" یہ شادی سے پہلے سوچنا چاہیئے تھا۔ اچھا ہی ہوا کہ میں نے تم سے تحریری معاہ
کر لیا تھا، اب تم اس سے پھر نہیں سکتیں۔"

" اگر ہم چاہیں تو یہ معاہدہ ضائع ہو سکتا ہے۔ آخر ایک نہ ایک دن آپ کو شادی ک
ہی تھا۔ اب یہ شادی ہو ہی گئی ہے تو آپ اسے ہی نبھانے کی کوشش کریں۔ میں آپ
سے وعدہ کرتی ہوں کہ کبھی آپ پر بوجھ بن کر نہیں رہوں گی۔"

وہ صوفہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اپنی انگلی اٹھا کر تنبیہہ کے انداز میں بولا۔

" دیکھو رخسانہ ——! تم وعدہ خلافی کر رہی ہو۔ اپنی لچھے دار باتوں سے مجھے الجھانے
کوشش کر رہی ہو۔ میں —— میں تمہاری باتوں میں آنے والا نہیں ہوں۔"

رخسانہ پلنگ سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔ پھر اس کے قریب آتی ہوئی کہنے لگی۔

" کیا آپ کے سینے میں دل نہیں ہے۔ یا میں اس قابل نہیں ہوں کہ مجھے دیکھ کر تم
دل دھڑکے ——؟"

قیصر نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

" تم —— تم تو بہت خوبصورت ہو —— مگر میں انڈے بیچتا ہوں۔ شاعر نہ
ہوں کہ تمہاری جیسی حسین لڑکی کی قدر کر سکوں۔"

وہ آگے بڑھتے ہوئے بولی۔

"میں بھی عورت ہوں، کھلونا نہیں ہوں کہ گڑیا کی طرح بیاہ رچاؤں۔ تم سے طلاق لوں
کسی دوسرے مرد کی تنہائی میں چلی جاؤں —— نہیں، یہاں سے جانے کے بعد کوئی بھی
ری قدر نہیں کرے گا۔ ہر شخص یہی کہے گا کہ مجھ میں کوئی عیب تھا۔ اسی لئے آپ نے طلاق
ا ہے —— کیا میں یہ مفت کی بدنامی مول لے کر زندگی گزار سکتی ہوں ——!"

"یہ —— یہ تو پہلے ہی سوچنا چاہیے تھا...."

"میں عورت ہوں، نادان ہوں، ناسمجھ ہوں۔ اس وقت یہ باتیں نہ سوچ سکی لیکن آپ
رہیں۔ مجھ سے زیادہ سمجھ دار ہیں۔ آپ نے یہ کیوں نہ سوچا کہ طلاق لینے کے بعد میں
یں کی نہ رہوں گی۔"

قیصر نے گھبرا کر کہا۔

"یہ —— یہ تم میرے قریب کیوں آ رہی ہو —— دور سے باتیں کرو نا!"

رخسانہ نے سوئچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھا کر سوئچ کو آف کر دیا۔ کمرے میں یکبارگی
ھرا چھا گیا۔

قیصر نے سخت لہجے میں کہا۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟ بتی جلاؤ!"

پھر اس نے خود ہی سوئچ کو ٹٹول کر روشنی کر دی۔

رخسانہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر بلک بلک رونے لگی۔ قیصر نے عاجز ہو کر

"کیا مصیبت ہے۔ کیا تمہیں روشنی میں رونا آتا ہے ——؟"

وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ روتی ہی رہی۔

"بھئی تم رو کیوں رہی ہو؟ کیا مصیبت ہے۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ گھر والی
کردے تو اسے کس طرح چپ کرانا چاہیئے۔"

"بس خبردار —— ! مجھے گھر والی مت کہیئے —— میں کون ہوتی ہوں آپ

"آں ——" وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "یہ سچ ہے کہ ہمارے درمیان رشتہ ہوتے ہ
بھی کوئی رشتہ نہیں۔ مگر رخسانہ ! آنکھوں سے نکلے ہوئے آنسو دل کو چھو لیتے ہیں۔
کسی رشتے کی تمیز نہیں کرتے۔ اپنے ہوں یا بیگانے ہر ایک کو متاثر کرتے ہیں۔ ان
میں مزاج کا فرق ہوتا، خون کا فرق ہوتا ہے لیکن آنسوؤں میں ذرہ برابر فرق نہیں ہو
تمام آنکھوں کے آنسو ایک ہی جیسے ہوتے ہیں —— نمکین اور درد میں بھیگے ہوئے۔
آنسو تمہاری آنکھوں میں ہیں، کل میری آنکھوں میں آسکتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم میرا
سے آنسو بہاؤ —— خدا کے لئے چپ ہو جاؤ۔"

"آپ کی ہمدردی کا شکریہ —— !" وہ روتی ہوئی بولی۔ "میں آپ کی د
نہیں رو رہی ہوں۔ میں تو اپنی بدنصیبی پر آنسو بہا رہی ہوں۔ مجھے زندگی میں بھائی بہن
نہیں ملا۔ ماں باپ کا پیار نہیں ملا تو خاوند کا پیار کہاں سے ملے گا۔"

قیصر ہمدردی سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ رخسانہ یہاں دوسروں کے
پر پل رہی ہے۔ بہت عرصہ کے بعد اسے یہ موقع ملا تھا کہ وہ شادی کرے اور

پیار مانگے۔ مگر یہ پیار بھی اسے نہیں مل رہا تھا۔

"رخسانہ —— ! یہ تو تم پہلے ہی جانتی تھیں کہ یہ شادی ایک فراڈ ہے۔ پھر یہ کہاں کی
دانشمندی ہے کہ تم اس فراڈ میں سچی محبت ڈھونڈ رہی ہو۔"

"میں جانتی ہوں کہ یہ ایک فراڈ ہے۔ مگر اب اس کے برے انجام کو دیکھ کر میں ڈرنے
لگی ہوں۔ مجھے پندرہ ہزار روپے تو مل جائیں گے لیکن میں آپ سے طلاق لینے کے بعد دوسری
شادی نہیں کرسکوں گی۔ کیا آپ اس بات کی ضمانت دے سکتے ہیں کہ اس کمرے سے
باہر جانے کے بعد دنیا والے مجھے کنواری اور اچھوتی لڑکی سمجھیں گے؟ کیا اب مجھ سے
شادی کرنے والے کوئی بھی مرد میری پاکبازی کا یقین کرسکے گا۔"

قیصر الجھن میں پڑ گیا۔ کوئی جواب نہ دے سکا۔

"یہ میں مانتی ہوں کہ میں اپنی غلطی کی خود ذمہ دار ہوں۔ اس شادی سے پہلے مجھے انجام
کے بارے میں سوچ لینا چاہئے تھا۔ مگر میں نے نہیں سوچا —— آپ نے بھی نہیں سوچا۔
میں آپ پر الزام نہیں رکھتی۔ صرف انسانیت کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ آئندہ مجھے
بدنامی سے بچا سکتے ہیں تو بچا لیجئے۔"

وہ سوچنے لگا کہ واقعی یہ بیچاری طلاق لینے کے بعد مفت میں بدنام ہوگی۔ میرا کیا
ہے میں پچیس ہزار لے کر الگ ہو سکتا ہوں مگر یہ بڑی بات ہے۔ کسی کنواری پر بیاہتا
اور مطلقہ عورت کی چھاپ لگا کر میں خوش نہیں رہ سکتا۔ میرا ضمیر ہمیشہ ملامت
کرتا رہے گا۔

لعنت ہے آنٹی پر ــــ میں اسی لئے اپنے خاندان کی کسی لڑکی سے شادی نہیں
کرنا چاہتا تھا۔ مگر آنٹی نے پھنسا دیا ــــ اب کیا کروں؟ مجھے اس سے ہمدردی کیوں
ہو رہی ہے؟ مجھے اس کے آنسوؤں سے محبت کیوں ہو رہی ہے؟ کیا کیا میں اس
مظلوم اور یتیم لڑکی کو تباہ و برباد ہوتے دیکھ سکتا ہوں ــــ؟"

وہ آہستہ آہستہ چل کر صوفہ کے قریب آیا اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گیا۔

"آپ میرے لئے پریشان نہ ہوں۔"

وہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

"میری بدنصیبی جس طرح کہے گی۔ میں اسی طرح جی لوں گی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے
اتنی دیر تک آپ کو پریشان کیا ہے۔"

وہ اس کے قریب آکر فرش پر اس کے قدموں کے قریب بیٹھ گئی اور جوتے کا فیتہ
کھولنے لگی۔

"یہ کیا کر رہی ہو ــــ؟"

اس نے اپنا پاؤں پرے کر لیا۔

"یہ میرا فرض ہے۔" وہ بولی۔

"مجھے شرمندہ نہ کرو رخسانہ ــــ! میں بھی انسان ہوں۔ میرے سینے میں بھی دل
ہے۔" اور یہ دل اب کسی سے محبت کر سکتا ہے تو تم ہی سے کر سکتا ہے۔ تم سے دور رہنے
کی وجہ یہ نہیں تھی کہ تم خوبصورت نہیں ہو یا تم میں کوئی عیب ہے۔ دراصل ابا مرحوم نصیحت

کیا کرتے تھے کہ چار پیسے کماؤ اور پہلے اپنا بوجھ اٹھانے کا سلیقہ سیکھو۔ شادی اس وقت
تک نہ کرو جب تک کہ اپنی اور بیوی کی ضروریات سے زیادہ نہ کمانے لگو ــــ میں اب
تک اسی نصیحت پر عمل کر رہا تھا۔ ویسے میں سچ کہتا ہوں کہ آج سے دو سال یا دس سال
بعد جب بھی شادی کا ارادہ کرتا تو تمہاری جیسی لڑکی کی تلاش کرتا ــــ تم سچ مچ بہت
اچھی ہو ــــ اب تقدیر نے ہمیں میاں بیوی کی حیثیت سے ملا دیا ہے تو میں تقدیر کے
اس فیصلے سے انکار نہیں کروں گا۔ تم میری اور اب ہمیشہ میری عزت بن کر میرے ساتھ
رہو گی۔"

رخسانہ نے اسے حیرانی اور خوشی سے دیکھ کر پوچھا۔

"اور طلاق ــــ؟"

"طلاق کی ایسی کی تیسی ــــ اب کبھی یہ لفظ زبان پر نہ لانا...."

اس نے فرطِ مسرت سے اس کے گھٹنوں پر سر رکھ دیا۔

"آپ کتنے اچھے ہیں۔ آپ نے میری بدنصیبی کو خوش نصیبی میں بدل دیا ہے۔"

قیصر نے اس کے دونوں بازوؤں کو تھام کر اٹھایا۔

"تمہاری جگہ میرے قدموں میں نہیں، دل میں ہے۔ آؤ میرے پاس بیٹھو!"

رخسانہ اس کے سہارے اٹھتی ہوئی صوفہ پر آئی اور اس کے شانہ پر اپنا سر ٹیک کر
بیٹھ گئی۔

قیصر کا دل دھڑکنے لگا۔ زندگی میں پہلی بار کوئی لڑکی اس کے قریب آئی تھی کہ اس

...ے کے جسم کا بہت سا حصہ قیصر کے بازو سے مس ہو رہا تھا ——— پھول کو دور سے دیکھنا اور بات ہے۔ چھونے کے بعد ہی پھول کی نزاکت، ملائمیت اور حسنِ لطافت کا پتہ چلتا ہے۔

قیصر کو احساس ہوا کہ وہ زندگی کی سب سے حسین دلچسپی سے اب تک محروم رہا اور اگر رخسانہ اس کے اتنے قریب نہ آتی تو شاید وہ پچیس ہزار کے لالچ میں اب تک حسین نعمت سے محروم رہتا۔

اس نے رخسانہ کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"میں کتنا احمق ہوں کہ تمہاری قدر کرنے کی بجائے پچیس ہزار کے متعلق سوچتا رہا۔ اب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے۔ پیسہ مرد کماتا ہے اور محبت عورت دیتی ہے۔ تب کہیں دولت اور محبت کے ملاپ سے گھر کی ایک جنت مکمل ہوتی ہے ——— آؤ! آج وعدہ کریں کہ صدقِ دل سے ایک دوسرے کا ساتھ نبھائیں گے۔"

رخسانہ نے جواب دیا۔

"آپ وعدہ کرنے کو کہتے ہیں اور میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ زندگی کے ہر دکھ سکھ میں آپ کا ساتھ دوں گی۔"

قیصر نے کہا۔

"وعدہ ہو یا قسم ——— وہ دل کی سچائی سے ہی عمل میں آتے ہیں۔ پہلے ہمیں اپنے دل سے جھوٹ اور فریب کو دور کرنا ہوگا۔ ہمیں عہد کرنا ہوگا کہ زندگی کے کسی موڑ پر ایک دوسرے کو دھوکہ نہیں دیں گے۔"

"دھوکہ ———!"

رخسانہ پریشان ہوگئی۔ قیصر کو تو وہ دھوکہ دے رہی تھی۔ پھر وہ دھوکہ نہ دینے کا عہد کس طرح دے سکتی تھی۔ مگر ہاں زبان سے جھوٹے وعدے کرسکتی تھی۔ جھوٹی قسمیں کھا سکتی تھی۔

"میں عہد کرتی ہوں کہ میں زندگی کے کسی موڑ پر آپ کو دھوکہ نہیں دوں گی۔"

"میں بہت ہی خوش نصیب ہوں۔"

قیصر نے اسے اپنی آغوش میں لے کر کہا۔

"میں شادی کے سلسلہ میں اس بات سے ڈرتا تھا کہ نہ جانے کیسی بیوی ملے گی کیونکہ آجکل جہاں ہر چیز میں ملاوٹ ہونے لگی ہے، وہاں عورت بھی خالص نہیں رہی..."

رخسانہ اندر سے گھبرانے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"اس دنیا کے بازار میں ہر چیز کو ٹھونک بجا کر خریدنا پڑتا ہے۔ ہر رشتہ کو آزمانا پڑتا ہے کہ کون کس سے وفاداری کر رہا ہے اور کس کے ساتھ بے وفائی کر رہا ہے۔"

"آ ——— آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" وہ لرزتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "کون وفادار ہے اور کون بے وفا؟ اس کا اندازہ ایک ہی دن میں نہیں ہوتا۔ یہ تو رفتہ رفتہ پتہ چلتا ہے۔"

"ہاں ——— جب پتہ چلتا ہے تو پچھتاوے کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ اس وقت تک انسان بہت کچھ ہار جاتا ہے ——— خیر چھوڑو ان باتوں کو ——— یہ بعد کی باتیں ہیں۔"

وہ رخسانہ کو سہارا دیتے ہوئے صوفہ سے اٹھنے لگا۔

" آؤ — سہاگ کی پھولوں بھری سیج پر سو جاؤ۔ رات گزرتی جا رہی ہے۔"

وہ دونوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے پھولوں کی سیج تک آ گئے — سیج پر پھولوں کی
بکھری ہوئی تھیں۔ پلنگ کے چاروں طرف پھولوں کی لڑیاں جھول رہی تھیں۔ زنجیر کی م
میں ایک دوسرے سے گندھی ہوئی تھیں۔

قیصر اس مہکتی ہوئی سیج پر آیا اور پھولوں کی زنجیریں جھٹکتا چلا گیا۔

رمانہ لاہور سے اپنا سکون برباد کر کے آئی تھی۔
ں تو اوپر سے وہ بالکل ٹھیک تھی۔ چہرے پر وہی بہار کی سی تازگی تھی۔ اپنی پھوپھی
ے وہ مسکراتی بھی رہتی تھی — نہ مسکراتی تو اور کیا کرتی؟ دل کے زخم کسی کو
نہیں جا سکتے۔ ہوشمندوں کی دنیا میں رہ کر پیار کی مدہوشی کا افسانہ کسی کو سنایا نہیں
اور پھر پھوپھی کا رشتہ ایسا ہوتا ہے کہ ان کی زبان دل پر لائی بھی نہیں جا سکتی۔
اسی لئے وہ اوپر سے بظاہر بالکل صحیح و سلامت تھی مگر اندر سے ٹوٹ کر رہ گئی تھی۔
ہار دیواری میں دل یوں تڑپتا تھا جیسے پنکھ ہوتے تو اڑ کر لاہور پہنچ جاتا۔ وہ خیال
ا میں ایک تتلی کی طرح کالج کی پھلواری میں منڈلاتی تھی — کس نے کہا تھا اس
مہکتی ہوئی پھلواری کو چھوڑ کر چلی آئے۔

غلطی فراز کی نہیں تھی۔

غلطی اس کی اپنی بھی تھی۔

باپ کے سر پر چڑھے ہوئے قرضے نے انداز محبت کو بدل دیا تھا ——— ابھی محبت کی ابتدا تھی۔ ابھی تڑپنے اور جدائی کے صدمے سہنے کا یہ پہلا دور تھا۔ اگر وہ اس تڑپ اور صدمہ کو سہہ لیتی اور محبت کو کسی طرح کچل ڈالتی تو باپ کا قرضہ آسانی سے اتر سکتا تھا۔

اسی لئے وہ کالج کی مہکتی ہوئی پھلواری چھوڑ کر چلی آئی تھی کہ نہ فراز کی قربت ہوگی نہ جذبے مچلیں گے ——— وہ کالج کی تمام یادوں کو بھلا دینا چاہتی تھی۔ اپنے کورس کی کتابوں میں زیادہ سے زیادہ مصروف رہ کر خود کو بھی بھلا دینا چاہتی تھی۔ مگر یہ عجیب سی بات تھی وہ جتنا بھلانا چاہتی تھی۔ فراز اتنی ہی شدت سے اس کی یادوں میں چلا آتا تھا۔

اس روز بھی اس کی پھوپھی ننگی کلائیاں دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

"اے بیٹیا! تم چوڑیاں کیوں نہیں پہنتیں۔ کیا یہ بھی کوئی نیا فیشن ہے ———؟"

اس نے بے اختیار اپنی ننگی اور اجلی کلائیوں کو اپنے دھڑکتے ہوئے سینے سے لگا دیا۔ چوڑیاں تو اس نے خود ہی اتار پھینکی تھیں حتیٰ کہ ریسٹ واچ بھی نہیں پہنتی تھی۔ اس کلائیوں میں کچھ پہنتے وقت اسے پھولوں کی زنجیر یاد آتی تھی۔

اس نے بات بناتے ہوئے کہا۔

"بس یونہی پھوپھی جان! تمام چوڑیوں کا سیٹ پرانا ہو چکا ہے۔ اس لئے پہننا

"اچھا تو میرے پاس ایک نیا سیٹ ہے۔ وہ میں لا کر دیتی ہوں اسے پہن لو۔"

"نہیں رہنے دیجئے، مجھے اب کانچ کی چوڑیاں اچھی نہیں لگتیں۔"

"تو پھر سونے کی پہن لو۔"

"سونے کی چوڑیاں تو میرے پاس بھی ہیں۔ وہ کسی تقریب میں ہی اچھی لگتی ہیں۔"

پھوپھی نے حیرت سے کہا۔

"اے بیٹیا! تو کیا اپنے ہاتھ ننگے ہی رہنے دو گی؟"

وہ اپنی نازک سی کلائی کو سہلاتے ہوئے بولی۔

"نہیں ——— پہن لوں گی ——— کسی کاریگر سے کہوں گی کہ ایسی چوڑیاں بنائے جو ——— جو پھولوں کی طرح مہکتی رہیں۔"

"پگلی کہیں کی ——— !" انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"چوڑیاں سونا بن کر چمک سکتی ہیں لیکن پھول بن کر مہک نہیں سکتیں۔"

وہ گھوم کر جانے لگیں۔ پھر دروازے کے پاس پہنچ کر انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بھائی جان نے تمہارا رشتہ خالد سے طے کر دیا ہے۔ ویسے وہ بے چارہ بھی تمہیں زیادہ سے زیادہ ہیرے موتیوں سے جڑی ہوئی سونے کی چوڑیاں پہنا سکتا ہے مگر ایسی چوڑیاں وہ بھی نہیں بنوا سکتا جن سے پھولوں کی مہک آتی ہو۔"

اس نے دل ہی دل میں کہا۔

"بنانے والے بنا بھی چکے ہیں، مجھے پہنا بھی چکے ہیں ——— پھولوں کی

اتار کر پھینک دی تھیں۔ مگر ان کی مہک کو آج تک نہ اتار سکی۔"

اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اس کی پھوپھی جا چکی تھیں ——— وہ نڈھال سی ہو کر بستر پر گر پڑی۔

کیسی ویرانی تھی ——— کیسی تنہائی تھی۔ صرف وہ بچھڑا تھا مگر یوں لگتا تھا جیسے ساری دنیا بچھڑ گئی تھی۔

وہ ادھر سے ادھر کروٹیں بدلنے لگی۔ کسی کروٹ میں سکون نہیں تھا۔ ملائم بستر پر ٹھنڈک سی تھی مگر جسم اندر سے تپ رہا تھا۔ یادوں کے شعلوں سے پک رہا تھا اسے محسوس ہوا کہ اگر وہ اسی طرح تنہا رہی تو بیمار پڑ جائے گی۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پہلے اس نے سوچا کہ پھوپھی کے پاس بیٹھ کر تنہائی دور ہو جائے گی لیکن وہ باتوں ہی باتوں میں شادی کا ذکر چھیڑ دیتی تھیں۔ خالد کے گن گانے لگتی تھیں۔

اس نے پھوپھی کے پاس جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ تنہائی کا علاج کتابیں ہی ہو سکتی ہیں۔ وہ کتابوں کے ریک کی طرف بڑھنے لگی۔

ریک میں بہت سی کتابیں تھیں ——— ناول، افسانہ، تنقیدی مضامین اور شعر و شاعری ——— اس نے ہاتھ بڑھا کر ایک کتاب کھینچ لی ——— کتاب پر جلی حرفوں میں احمد فراز کا نام لکھا ہوا تھا۔

کتاب اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ دل بے اختیار دھڑکنے لگا۔ بڑے پڑا ہوا نام ابھی تک مسکرا رہا تھا۔ سرورق کی رنگینی میں ایک اشارے کی طرح اسے پکار رہا

تھا۔

اس نے گھبرا کر احمد فراز کے "فراز" پر اپنی ہتھیلی رکھ دی ——— فراز کو نظروں سے چھپا دیا ——— اب وہ کہاں کہاں سے اس کی یادوں کو جھٹلاتے؟ اسے کلائیوں سے الگ کرے۔ اسے کتابوں سے نوچ کر پھینک دے ——— آخر کیا کرے؟

نام کو اس نے چھپا دیا تھا مگر دل کی دھڑکنیں نام کے ہجے کر رہی تھیں۔ اسے محسوس ہوا جیسے ہتھیلی کے نیچے وہ نام جل رہا ہے اور اس کی ہتھیلی پر نقش ہو رہا ہے۔

اس نے گھبرا کر ہاتھ اٹھا لیا اور اپنی ہتھیلی کو دیکھنے لگی۔ ہتھیلی یوں سرخ تھی جیسے محبوب کو چھو کر گلنار ہو گئی ہو۔

اسی وقت ملازم نے دروازے پر آ کر کہا۔

"بی بی جی ———! ایک صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"کون ہیں وہ ———؟"

"پتہ نہیں ——— نام نہیں بتایا۔ کہتے ہیں لاہور سے آئے ہیں۔"

ارمانہ کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔

"لاہور سے ——— وہ ——— وہ دیکھنے میں کیسے ہیں۔"

"جی ——— وہ جوان آدمی ہیں۔ سوٹ پہنے ہوئے ہیں۔"

ارمانہ کے دھڑکتے ہوئے دل نے کہا ——— وہ فراز ہی ہے ——— فراز ——— وہ اس سے ملنے یہاں تک چلا آیا ہے ——— اب میں کس طرح اس سے دور بھاگوں ———؟ نام

کو تو ایک ہتھیلی کی دیوار سے اوجھل کر دیا تھا۔ اس کے وجود کو کس طرح نظروں سے اوجھل کر دوں؟''

اس نے منہ پھیر کر ملازم سے کہا:

''کہہ دو کہ میں گھر میں نہیں ہوں۔''

''جی ___!'' ملازم نے اسے تعجب سے دیکھا۔ ''مگر بی بی جی ___ آ بیگم صاحبہ نے ان سے کہہ دیا ہے کہ آپ یہاں موجود ہیں۔''

وہ بے بسی سے ہونٹوں کو بھینچ کر رہ گئی ___ تھوڑی دیر تک کشمکش کی حالت میں سوچتی رہی۔ پھر تیزی سے قدم بڑھاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

ڈرائنگ روم میں فراز نہیں تھا ___ خالد بیٹھا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی ارمانہ مرجھا کر رہ گئی۔

مرجھانے کی وجہ خالد کی موجودگی نہیں بلکہ فراز کی عدم موجودگی تھی۔ حالانکہ وہ فراز سے ملنا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن توقع یہی تھی کہ ڈرائنگ روم میں فراز موجود ہوگا۔ اس کا مسکراتا ہوا چہرہ اور چمکتی ہوئی آنکھیں ہوں گی۔ وہی جانی پہچانی آنکھیں، جو ایک ہی نظر میں اسے کھینچ لیتی تھیں۔

مگر وہاں خالد کی مسکراتی ہوئی آنکھیں دیکھ کر اس کی آنکھیں مایوسی سے جھک گئیں۔

پھوپھی نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''دیکھو بیٹا ___! خالد میاں پہلی بار ہمارے ہاں آئے ہیں ___ آؤ ان کے

پاس بیٹھ کر باتیں کرو، میں ملازم کو چائے کے لیے کہتی ہوں۔''

وہ مسکراتی ہوئی ڈرائنگ روم سے چلی گئیں۔

ارمانہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ایک صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔ خالد نے مسکرا کر پوچھا۔

''کیا میرے یہاں آنے سے آپ کو خوشی نہیں ہوئی ___؟''

اس نے جبراً مسکراتے ہوئے کہا۔

''ایک مہمان کے آنے سے بھلا خوشی کیوں نہ ہوگی؟''

''آپ مجھے صرف مہمان سمجھتی ہیں؟''

''پھر اور کیا سمجھوں ___؟''

''سمجھنے کو تو آپ بہت کچھ سمجھ سکتی ہیں ___ دیکھئے نا، میں بھی آپ کو کچھ سمجھ کر ہی یہاں آیا ہوں۔ آپ وہاں سے چلی آئی ہیں۔ میرا دل نہیں لگ رہا تھا۔ اس لیے میں یہاں چلا آیا۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔''

''مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔''

خالد نے خوش ہو کر کہا۔

''آپ کی پھوپھی جان کہہ رہی تھیں کہ آپ اکثر میرا ذکر کرتی رہتی ہیں۔''

''انہوں نے غلط کہا ہے۔ مجھے اسٹڈی سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ میں کسی کے متعلق سوچ سکوں۔''

خالد کا منہ لٹک سا گیا۔ پھر بھی اس نے ڈھیٹ بن کر کہا۔

"آپ دن رات سٹڈی نہیں کرتی ہوں گی۔ کچھ نہ کچھ سوچنے کے لئے فرصت تو ملتی ہی ہو گی۔"

"ہاں ——— جب فرصت ملتی ہے تو میں ڈیڈی کے قرضے کے متعلق سوچتی ہوں۔"

"میرے ہوتے ہوئے آپ کو قرضے کے متعلق نہیں سوچنا چاہئے۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ وہ قرض ادا ہو چکا ہے۔"

"کیسے سوچ لوں ——— ؟ آپ کو دیکھ کر یہی خیال آتا ہے کہ آپ دو لاکھ روپے کے پیچھے بھاگتے ہوئے یہاں تک آئے ہیں۔ میرے یہاں آجانے سے اسی لئے آپ کا دل وہاں نہیں لگ رہا تھا۔"

"آپ غلط سمجھی ہیں۔" اس نے اپنی صفائی پیش کی۔ "میں نے تو وہ قرض معاف کر دیا ہے۔"

"معاف کیجئے گا۔ آپ نے قرض معاف نہیں کیا ہے بلکہ سودے بازی کی ہے۔ پھر آپ احسان کیوں جتا رہے ہیں؟"

"چلیئے سودے بازی ہی سہی .... !"

خالد نے مسکرا کر کہا۔

"اس دنیا میں میاں بیوی کا رشتہ ہو یا باپ بیٹی کا ——— سودے بازی ہر جگہ ہوتی ہے۔ اگر میں آپ کو اپنی شریک حیات بنانے کے لئے قرض کی رقم چھوڑتا ہوں اور سودے باز کہلاتا ہوں تو آپ کے ڈیڈی بھی سودے باز ہیں کیونکہ وہ اپنا قرض اتارنے کے لئے آپ کا رشتہ مجھے دے رہے ہیں۔"

وہ لاجواب ہو کر سوچنے لگی۔ کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ یہ واقعی ایک حقیقت تھی کہ سودے بازی اس کی ڈیڈی کی طرف سے بھی ہوئی تھی۔

خالد نے صوفہ کی پشت سے سر ٹکا کر کہا۔

"مس ارمانہ ——— !" اگر آپ مجھے نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں تو میں قابل نفرت نظر آؤں گا اور دل کی سچائی سے پرکھنے کی کوشش کریں گی تو مجھ سے زیادہ آپ کا کوئی قدردان نظر نہیں آئے گا۔ دو لاکھ روپے کی رقم کوئی معمولی رقم نہیں ہوتی۔ لیکن آپ کے سامنے میں اس رقم کی کوئی اہمیت نہیں سمجھتا۔ آپ اسی سے اندازہ لگائیے کہ میری نظروں میں آپ کی کتنی اہمیت ہے کیا میری قدردانی کا صلہ یہی ہے کہ آپ مجھ سے بے رخی کا اظہار کریں؟"

ارمانہ نے ایک ٹھنڈی سانس لیکر کہا۔

"ٹھیک ہے آپ یہی کر رہے ہیں جس کے لئے آپ کا دل مجبور کر رہا ہے ——— لیکن دل کا سودا زندگی بھر کے لئے ہوتا ہے اور دل کی مرضی سے ہوتا ہے۔ آپ اپنے دل کی مرضی سے چل رہے ہیں۔ میں بھی اپنے دل کی مرضی سے بہک رہی ہوں ——— بہک رہی ہوں اور سنبھلنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ میں نہیں جانتی کہ یہ دل مجھے کس راستے پر لے جائے گا ——— بہرحال آج آپ نے اتنا احساس تو دلا ہی دیا ہے کہ مجھے آپ سے بے رخی نہیں برتنا چاہئے۔ اگر آپ میری قدر کرتے ہیں تو مجھے بھی آپ کی عزت کرنی چاہیئے۔"

خالد نے خوش ہو کر کہا۔

"آپ بہت سمجھدار ہیں۔ میرے لئے فی الحال اتنا ہی سہارا کافی ہے کہ آپ کے دل
میں میری عزت ہے۔"

اتنے میں ملازم چائے اور ناشتے کی ٹرالی لے کر آ گیا۔ اس کے پیچھے پھوپھی مسکراتی ہوئی آئیں۔
خالد نے کہا۔

"پھوپھی جان ——! اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ میں تو صرف چائے پیوں گا۔"

"اے بیٹا! معمولی سا ناشتہ ہے۔ تم کھاؤ گے تو ارمانہ بھی کھائے گی۔ آج دوپہر کو اس نے
روٹی نہیں کھائی ہے۔"

"کیوں ——؟" خالد نے پوچھا۔ "آپ وقت سے روٹی نہیں کھاتیں؟"

"کھاتی ہوں —— مگر آج میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔"

"طبیعت کیسے ٹھیک رہے گی۔" پھوپھی نے کہا۔ "جب دیکھو کتاب کھولے پڑھتی رہتی
دو گھڑی کے لئے کہیں گھومنے پھرنے بھی نہیں جاتیں۔"

"یہ تو بہت بری بات ہے۔" خالد نے کہا۔ "کم از کم سیر و تفریح کے لئے وقت نکا
چاہئے۔ دیکھئے —— یہ شام کا وقت ہے۔ کیوں نہ ہم تفریح کے لئے چلیں —— پھوپھی جا
آپ بھی تیار ہو جائیں۔"

ارمانہ نے چائے بناتے ہوئے کہا۔

"آپ پھوپھی جان کے ساتھ چلیں جائیں۔ مجھے ابھی پڑھنا ہے۔"

"آپ بہانہ نہ کریں۔ شام کا وقت تفریح کے لئے ہوتا ہے۔ پڑھنے کے لئے [illegible]

یوں پھوپھی جان؟"

"ہاں —— تم بالکل ٹھیک کہتے ہو —— ارمانہ جلدی سے چائے پی کر تیار ہو جاؤ۔
اگر تم نے انکار کیا تو میں ساری کتابیں اٹھا کر پھینک دوں گی۔ چولہے میں جائے ایسی
پڑھائی —— صحت برباد ہو کر رہ جاتی ہے....."

پھر وہ نصیحتیں کرنے لگیں۔ خالد بھی ان کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا —— ارمانہ کو مجبوراً
ان کی بات ماننا ہی پڑی۔

چائے پینے کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ خالد خوشی سے کھلا جا رہا تھا۔ وہ ارمانہ
بولے منہ نہیں لگاتی تھی۔ آج اس کے ساتھ سیر و تفریح کے لئے راضی ہو گئی تھی۔ یہ کامیابی
کا پہلا مرحلہ تھا کہ وہ بے رخی برتنا بھول گئی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ لباس تبدیل کر کے چلی آئی۔ خالد اسے بے اختیار دیکھتا ہی چلا
گیا —— کیسا لپکارتا ہوا جسم تھا۔ ہر لباس اس پر جچتا تھا —— خالد کی آنکھوں میں لحمہ بھر
کے لئے ہوس پیدا ہوئی۔ پھر وہ سنبھل کر جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"آیئے —— باہر کی تازہ ہوا کھا کر آئیں....."

پھوپھی ارمانہ کے ساتھ مسکراتی ہوئی چلنے لگیں خالد کو پھوپھی کا وجود کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا لیکن
مجبوری تھی۔ پھول کے ساتھ کانٹے کو برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔

پورچ میں خالد کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اس کار میں لاہور سے یہاں آیا تھا۔ ارمانہ
پورچ میں آتے ہی ٹھٹھک کر کھڑی ہو گئی۔

ٹھیک اس کے سامنے پورچ کے ایک ستون پہ جلی حرفوں میں فراز کا نام لکھا ہوا تھا
ارمانہ کا دل اچانک ہی دھڑکنے لگا۔ خون کی گردش ایسی تیز ہوئی کہ چہرہ سرخ ہو گیا
مگر خالد کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا۔ پھوپھی نے دور کھڑے ہوئے مالی سے بگڑ کر کہا۔

"یہ کس بدتمیز نے دیوار پہ لکھا ہے؟"

مالی نے حیرت سے ستون کی طرف دیکھا۔ پھر کہا۔

پتہ نہیں بیگم صاحبہ! جب میں پودوں کو پانی دینے آیا تو یہاں کچھ بھی نہیں لکھا
ہوا تھا۔

خالد نے کن آنکھوں سے ارمانہ کو دیکھ کر کہا۔

"بعض لوگوں کو ہر جگہ اپنا نام لکھنے کا خبط ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے کسی ملازم
کا نام فراز ہو اور اس نے یہاں لکھ دیا ہو۔"

"ہمارے کسی ملازم کا نام فراز نہیں ہے۔" پھوپھی نے جواب دیا۔ پھر مالی کو حکم دیا
"یہ چاک سے لکھا ہوا اسے پانی سے صاف کر دو۔"

ارمانہ اپنے دھڑکتے ہوئے دل پہ قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی اور اس عجیب
سے اتفاق کے متعلق سوچ رہی تھی کہ دیوار پر کسی نے لکھا بھی تو فراز کا نام ہی لکھا۔

خالد نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر کہا۔

"آئیے ——!"

پھوپھی آگے بڑھیں لیکن کار کے اندر جاتے جاتے وہ رک گئیں۔ انہوں نے پچھلی سیٹ

سے کوئی چیز اٹھائی اور ان کی طرف پلٹ کر کہا۔

"یہ تو پھولوں کا گجرا ہے ....!"

ارمانہ ایک جھٹکے سے پیچھے چلی گئی —— پھولوں کی زنجیر پھوپھی کے ہاتھوں میں تھی۔
لیکن اس زنجیر میں ارمانہ کا دل جکڑا جا رہا تھا۔

اس زنجیر کو خالد بھی اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ غصہ سے ہونٹ بھینچتے ہوئے ادھر ادھر
دیکھنے لگا۔ اسے خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ دشمن کہیں آس پاس ہے۔

پھوپھی نے خالد سے پوچھا۔

"کیا یہ گجرا تم لے کر آئے تھے؟"

"نہیں —— نہیں تو ——!"

قریب کھڑے ہوئے مالی سے بھی پوچھا گیا۔ اس نے بھی انکار کر دیا۔

"تعجب ہے۔" پھوپھی نے کہا۔ "پھر یہ آیا کہاں سے؟"

انہوں نے ارمانہ کی ننگی کلائیوں کو دیکھ کر کہا۔

"آہا —— تم کہہ رہی تھیں نا کہ ایسی چوڑیاں پہنوں گی جو پھولوں کی طرح مہکتی ہوں
میرے تو ذہن میں اس وقت یہ بات نہیں آئی کہ مہکتے ہوئے گجرے بھی چوڑیوں کی
جگہ پہنے جاتے ہیں —— لو اسے پہن لو ....!"

خالد نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر پھوپھی کے ہاتھوں سے گجرے کو لے لیا۔

"ارے بھئی کیا کیا کرتی ہیں پھوپھی جان! پتہ نہیں یہ کس کا ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟

میں بازار سے تازہ اور نئے گجرے خرید کر دوں گا۔"

یہ کہتے ہوئے وہ گجرے کے پھولوں کو نوچنے لگا۔

ارمانہ کو یوں لگا جیسے کوئی ظالم اپنے نوکیلے پنجوں سے اس کے دل کو نوچ رہا ہو۔

یکایک وہاں سے پلٹ گئی۔

"میں نہیں جاؤں گی۔۔۔۔"

وہ دوڑتی ہوئی پورچ کے برآمدے میں آئی۔ پھوپھی نے اُسے آواز دی۔

"ارمانہ ——!"

"نہیں میں نہیں جاؤں گی۔ میں نہیں جاؤں گی۔" وہ چیختی ہوئی اور دوڑتی ہوئی کوٹھی کے اندر چلی گئی۔

خالد کے ہاتھوں میں بکھرے ہوئے پھول رہ گئے۔

رُخسانہ، قیصر کے ساتھ احمد نگر آگئی تھی۔

یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا —— شہر سے چار میل دور قیصر کا ذاتی مکان تھا۔ دو کمروں کا چھوٹا سا مکان —— مکان چھوٹا سا تھا۔ مگر اس کے آس پاس پچاس مرلے زمین خالی تھی جس کے چاروں طرف اب ایک پکی دیوار اٹھائی جا رہی تھی۔

قیصر کو پچیس ہزار اور رخسانہ کو پندرہ ہزار روپے مل چکے تھے۔ قیصر کا ارادہ تھا کہ ہی کی دیوار اٹھانے کے بعد یہاں پولٹری فارم کے لئے بڑے بڑے ڈربے بنائے اور اس کے بعد مرغے اور مرغیاں خرید کر لائی جائیں —— رخسانہ اس کے منصوبوں سے طرح دلچسپی لے رہی تھی —— اب یہ گھر اس کا اپنا گھر تھا۔ قیصر کے حوصلے اس کے حوصلے تھے۔ ان کی شادی ہوئے ابھی تیسرا ہی دن گزرا تھا۔ مگر ان تین دنوں میں رخسانہ

کو احساس ہو گیا تھا کہ ہر مرد خالد کی طرح کم ظرف نہیں ہوتا۔ قیصر کی طرح اعلیٰ ظرف ا
بلند حوصلہ مرد بھی ہوتے ہیں۔ جو دیکھتے دیکھتے پیار و محبت سے عورت کا دل بھی جیت
ہیں۔

کئی بار رخسانہ کے ضمیر نے ملامت کی کہ وہ قیصر سے ایک راز چھپا کر اسے دھوکہ
رہی ہے۔ کئی بار اس کے دل نے کہا کہ وہ قیصر کے سامنے اپنے پچھلے گناہوں کا اعتراف کر
مگر رابعہ خاتون کی نصیحت آڑے آجاتی۔

"خبردار ——! مرد سے ہر بات کہنا مگر اپنی کمزوری کبھی ظاہر نہ کرنا۔ ایک مرد
مرد کا جھوٹا کھانا کھا لیتا ہے لیکن اس کی جھوٹی عورت کو قبول نہیں کرتا ۔ ۔ ۔ ۔"

اور اسی خیال سے وہ لرز کر رہ جاتی تھی کہ قیصر نے قبول نہ کیا تو کیا ہوگا؟ اس
دھتکارتے ہی دوسروں کے سامنے بھی یہ راز کھل جائے گا۔ اپنے پرائے سب ہی اس
کریں گے۔

"نہیں ——!" رابعہ خاتون کی آواز اسے سمجھاتی۔ "جب راز پہ پردہ ڈالا
خود ہی آپھنسا ہے تو اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ تمہاری شرافت اور سچائی تمہیں
کر سکتی ہے۔ قیصر کی محبت اور ہمدردیاں اس وقت تک ہیں جب تک کہ تم اس کی نظ
میں گناہگار نہیں ہو۔"

لاہور سے رخصت ہوتے وقت رابعہ خاتون نے اسے بہت سی نصیحتیں کی تھیں
یہ نصیحتیں ہمیشہ اسے ڈراتی دھمکاتی رہتی تھیں۔

رخسانہ نے چپ سادھ لی تھی۔ وہ ایک دھوکہ جو قیصر کو دے رہی تھی۔ اس کی تلافی
لئے دوسرے راستے ڈھونڈتی رہتی تھی، اس کی خدمت کرتی تھی۔ اس کے گھر کو اپنا
دن رات کام میں مصروف رہتی تھی۔ اس کے لئے کھانا پکاتی تھی۔ کنوئیں سے پانی
لاتی تھی، برتن مانجھتی تھی، اس کے کپڑے دھوتی تھی۔ ایک سگھڑ اور گھریلو عورت کی
گھر کے اخراجات کو کم سے کم کرنے کی کوششیں کرتی تھی۔

پھر ایسا ہوا کہ دیوار اٹھانے والے مزدور شہر سے اتنی دور آکر کام کرنے کے لئے راضی
ہے، جو راضی بھی ہوئے تو مزدوری دوگنی طلب کرنے لگے۔ رخسانہ نے کہا۔

"دوگنی مزدوری دینا سراسر فضول خرچی ہے۔"

"فضول خرچی تو ہے مگر دیوار اٹھانا بھی ضروری ہے۔" قیصر نے جواب دیا۔

رخسانہ نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا۔

"کیا ہم دیوار نہیں اٹھا سکتے ——؟"

"ہم ——؟" اس نے چونک کر پوچھا۔ "ہم کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر میں دیوار
اٹھانے کا کام کروں تو تم بھی میرا ساتھ دو گی؟"

"کیوں نہیں ——!" وہ مسکرا کر بولی۔ "یہ کوئی مشکل کام تو نہیں ہے۔"

"بہت مشکل کام ہے —— ریت اور سیمنٹ ملانا —— کنوئیں سے پانی بھر کر لانا اور
ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا —— سوچ لو کہ کتنی محنت ہوگی۔"

"سوچ لیا ہے۔ آپ اللہ کا نام لیکر کام شروع کریں۔ جب دیوار کھڑی ہو جائے گی

تب آپ کو پتہ چلے گا کہ ہم نے مزدوری کی کتنی رقم بچا لی ہے۔"

قیصر نے خوش ہو کر اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

"تم کتنی اچھی ہو رخسانہ ——! میں پہلے سوچتا تھا کہ عورت کے آنے سے گھر کے اخراجات بڑھتے ہیں۔ مگر تم نے تو گھر سے باہر ہونے والے اخراجات میں بھی کمی کر دی ہے"

رخسانہ نے اس کے سینے پر اپنا سر رکھ دیا اور دل ہی دل میں کہنے لگی۔

"میں اتنی اچھی نہیں ہوں۔ جتنا کہ آپ تعریف کر رہے ہیں۔ خدا میرے گناہوں کو معاف کرے......"

قیصر نے اسی دن سے حد بندی کی بنیاد کھودنا شروع کر دی —— زیادہ گہری بنیاد کی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے ایک ہی دن میں کھدائی کا کام مکمل ہو گیا۔

رات کو کھانے سے فارغ ہو کر قیصر بستر پر لیٹا تو بدن کا جوڑ جوڑ دکھنے لگا۔ زندگی میں پہلی بار اس نے ایسی مسلسل محنت کی تھی۔ محنتی تو وہ پہلے بھی تھا۔ دن بھر سائیکل کے کیریر پر انڈوں کی ٹوکری رکھے دکانوں میں سپلائی کیا کرتا تھا مگر تمام دن سائیکل چلانے اور کدال چلانے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اس لئے اسے آج بہت زیادہ تھکن ہو رہی تھی۔

رخسانہ اس کا بدن دابنے لگی۔

"آہ ——!" وہ کراہتے ہوئے سوچنے لگا۔ "تھکن بھی ہے اور میری رخسانہ کے ہاتھوں کا لمس بھی —— درد بھی ہے اور دوا بھی —— اگر قسمت سے ایک خدمت گزار بیوی مل جائے تو زندگی کتنی خوشگوار ہو جاتی ہے......"

اس نے رخسانہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور اس کے اوپر آ گری۔

"ہائے اللہ! یہ کیا حرکت ہے؟"

قیصر نے اسے بانہوں میں جکڑ کر کہا۔

"اتنی خدمت نہ کرو کہ میری عادت ہی خراب ہو جائے۔"

"کیوں عادت کیوں خراب ہوگی؟"

"دیکھو نا —— کل کو اگر تم خدمت گزاری بھول گئیں تو پھر میں اپنا بدن دابنے کے لئے کسے کہوں گا؟"

"خدا نہ کرے کہ میں اپنا فرض بھولوں —— چھوڑیئے مجھے —— اور چپ چاپ سونے کی کوشش کیجئے۔ آج آپ بہت تھک گئے ہیں۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اب ایسی بھی تھکن نہیں ہے کہ تمہارے بغیر سو جاؤں۔"

"میں کب کہتی ہوں کہ آپ میرے بغیر سو جائیں۔ میں تو دعا مانگتی ہوں کہ اللہ کرے آپ کو میرے بغیر کبھی نیند نہ آئے۔"

"ایسی دعا مانگنے سے پہلے سوچ لو رخسانہ کہ اگر کبھی تم بچھڑ گئیں تو پھر مجھے نیند کس طرح آئے گی۔"

"جیتے جی تو کبھی نہیں بچھڑوں گی۔ ہاں اگر مر گئی تو کوئی دوسری لے آیئے گا۔"

قیصر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"ایسی بات منہ سے نہ نکالو۔ میں کسی دوسری رخسانہ کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ تم ہی میری زندگی کی پہلی اور آخری محبت ہو۔"

"جانے دیجیے — مرد تو اسی طرح میٹھی میٹھی باتوں سے پھسلاتے ہیں....." رخسانہ کے منہ سے بے اختیار یہ بات نکل گئی۔

قیصر نے پوچھا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا ہے کہ مرد اسی طرح پھسلاتے ہیں —؟"

"آں —!" وہ گھبرا سی گئی۔

لالٹین کی لو بہت ہی نیچی تھی۔ روشنی برائے نام تھی۔ کمرے میں تقریباً اندھیرا تھا۔ اس لئے قیصر اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ کو نہ دیکھ سکا۔ اس نے چھیڑتے ہوئے پوچھا۔

"بھئی تم تو بڑے ہی تجربے کی بات کہہ رہی ہو — کیا تم سے بھی کسی نے میٹھی میٹھی باتیں کی ہیں؟"

وہ لرز گئی۔

گناہگار کا دل ذرا ذرا سی بات پر کانپ جاتا ہے۔ وہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ پھر اسے محسوس ہوا کہ وہ اپنی کپکپاہٹ پر قابو نہیں پا سکتی۔ وہ گناہ جو اندر سے اسے جھنجھوڑ رہا ہے۔ اسے قیصر بھی محسوس کرے گا۔

"کیا بات ہے — تم کانپ رہی ہو؟"

وہ اپنی کمزوری ظاہر ہوتے دیکھ کر یک بیک رونے لگی۔

"ارے کیا ہوا تمہیں —؟" قیصر نے گھبرا کر پوچھا۔

وہ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

قیصر پریشان ہو کر تھوڑی دیر تک اسے نیم تاریکی میں گھورتا رہا — آخر اس نے دونوں بازو پکڑ کر اسے جھنجھوڑ دیا۔

"رخسانہ — میری اچھی رخسانہ! کیا تمہیں میری باتوں سے تکلیف پہنچی ہے؟"

رخسانہ کو یک بیک ہوش آیا کہ وہ غلطی پر تھی۔ قیصر کو ابھی اس کمزوری کا پتہ نہیں چلا ہے — وہ بے اختیار اس کی گردن میں باہیں ڈال کر لپٹ گئی۔ اور سسکیاں لیتی ہوئی کہنے لگی۔

"آپ نے ایسی بات کیوں کہی — کس نے مجھ سے میٹھی میٹھی باتیں کی ہیں — کیا آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں ہے...؟"

قیصر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بھئی میں تو مذاق کر رہا تھا۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی شریف عورت اس قسم کا مذاق پسند نہیں کرتی۔ تمہارے آنسوؤں نے مجھے اپنی غلطی کا احساس دلایا ہے۔ اب میں کبھی تم سے اس قسم کا مذاق نہیں کروں گا۔ چلو اب آنسو پونچھ لو۔"

وہ خود ہی اس کے آنسو پونچھنے لگا۔

رخسانہ اندر ہی اندر شرم سے مری جا رہی تھی۔ قیصر اپنی معصومیت، اپنی محبت اور اپنی شرافت سے اس کے ضمیر کو جھنجھوڑ رہا تھا۔ لیکن ساتھ ہی شریف عورتوں کا حوالہ دے کر یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اسے محض شریف عورت سمجھ کر ہی اسی کی عزت کر رہا تھا۔

وہ کشمکش و پیچ میں رہ گئی۔ وہ فیصلہ نہ کر سکی کہ کب تک جھوٹ کے سہارے زندگی گزارے گی۔ کب تک احساس گناہ کی آگ میں جلتی رہے گی۔

قیصر اسے پیار کر رہا تھا۔ اسے محبت سے سہلا رہا تھا۔ دھیمی دھیمی سرگوشیاں کر رہا تھا۔ آہستہ آہستہ محبت کی رسمیں ادا کر رہا تھا —— مگر وہ گم صم پڑی ہوئی تھی اور اندر ہی اندر ایسی آگ میں جل رہی تھی۔ جس کے شعلے وہ اپنے محبوب خاوند کو نہیں دکھا سکتی تھی۔

دوسری صبح ناشتہ تیار کرنے کے بعد وہ کنویں سے پانی بھر کر لانے لگی۔ اور قیصر ریت اور سیمنٹ کو ملا کر گارا تیار کرنے لگا۔

پھر بنیاد رکھی جانے لگی۔ رخسانہ اپنے سر پہ اینٹیں اٹھا کر قیصر کے پاس پہنچاتی رہی۔ اور وہ ایک ایک اینٹ کو کھودی ہوئی جگہ پہ مضبوطی سے جوڑتا رہا —— کبھی گارا ختم ہو جاتا تو رخسانہ کڑھائی میں گارا بھر کر لے آتی۔ کبھی اینٹیں کم پڑنے لگتیں تو وہ اسٹیک سے اینٹیں اٹھا کر لے آتی۔ دھوپ کی تمازت سے اس کا گورا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔

قیصر نے اسے دیکھ کر بڑی محبت سے کہا۔

"دیکھو تو تمہارا کیا حال ہو گیا ہے۔ جاؤ تھوڑی دیر چھاؤں میں بیٹھ کر آرام کر لو۔"

"نہیں، ہرگز نہیں ——!" اس نے انکار کیا۔ "آپ بھی تو دھوپ میں کام کر

رہے ہیں۔"

"میری بات اور ہے۔ میں تو یوں بھی سائیکل لیکر دھوپ میں گھومتا رہتا ہوں مجھے دھوپ اور گرمی سہنے کی عادت ہو گئی ہے۔"

"اور میں چولہے کی آگ کے پاس روٹیاں پکانے کی عادی ہوں —— چولہے کی آگ اور سورج کی دھوپ میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ اس لئے آپ میری فکر نہ کریں۔"

"تم بڑی ضدی ہو۔"

"ضدی نہیں ہوں بلکہ آپ کی طرح محنت کرنا سیکھ رہی ہوں۔ بہت سی عورتیں لپ اسٹک اور پاؤڈر لگانا سیکھتی ہیں۔ لائیے، میں اینٹوں پہ گارا لگانا سیکھ جاؤں۔"

"سیکھ لینا —— مگر ابھی نہیں —— ؟"

"ابھی کیوں نہیں —— ؟"

"جب دیوار بنیاد سے اوپر آ جائے گی۔ تب تم اینٹیں لگانا۔ کیونکہ بنیادی اینٹیں بہت سوچ سمجھ کر لگائی جاتی ہیں۔ اگر بنیاد ذرا بھی ٹیڑھی ہو گئی تو پوری دیوار ٹیڑھی ہو جائے گی۔"

"یوں سمجھ لو رخسانہ کہ اگر اینٹ کی دیوار ہو یا ازدواجی زندگی کی دیوار —— اس کی بنیاد سیدھی، سچی اور مضبوط ہونا چاہیئے۔ اگر اس کی سچائی اور مضبوطی میں ذرا بھی فرق آیا اینٹ کی دیوار کی طرح ازدواجی زندگی کی تعمیر بھی کمزور ہو کر رہ جاتی ہے۔"

رخسانہ کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ گھبراہٹ سے منہ کھلا کا کھلا رہ گیا اور وہ سہمی سہمی نظروں سے ان اینٹوں کو دیکھنے لگی جو بنیاد کے طور پہ رکھی جا رہی تھیں۔

آہ ـــــ وہ کہاں سے سچائی کا گارا لیکر آئے ـــــ؟ کہاں سے کھری اور مضبوط اینٹیں جمع کرے کہ از سرِ نو اس کی ازدواجی زندگی کی بنیاد مستحکم ہو جائے ـــــ؟

صرف ایک ہی راستہ تھا۔ مگر رابعہ خاتون کی نصیحتیں اسے دھمکا رہی تھیں۔

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر اینٹوں پر بیٹھ گئی۔

ارہانہ کا جسم تپ رہا تھا۔

وہ کئی دنوں سے اندر ہی اندر تپ رہی تھی لیکن گجرے کے بکھرے ہوئے پھولوں نے اس بخار کو اوپر اچھال دیا تھا۔ اسے اب بھی یہی محسوس ہو رہا تھا کہ خالد کے نوکیلے پنجے پھولوں کو نہیں بلکہ اس کے دل کو نوچ رہے ہیں۔

فراز کی محبت پہلے ایک سیدھی سادی سی بات تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، سمجھا، پسند کیا اور محبت کرنے لگے۔ ارہانہ کا خیال تھا کہ جتنی آسانی سے محبت نے دل میں جگہ بنائی تھی۔ اتنی ہی آسانی سے وہ اس محبت کو دل سے نکال پھینکے گی۔ مگر اب یہ سیدھی سادی سی محبت ایک روگ بن گئی تھی۔ ایک آسیب کی طرح اس کے دل و دماغ پر چھائی جا رہی تھی۔

یہ آسیب نہیں تو اور کیا ہے؟ وہ جہاں جاتی تھی، فراز کا نام اسے پکارنے لگتا
تھا ——— کیا یہ محض اتفاق تھا کہ پورچ کے ستون پر فراز کا نام نظر آگیا تھا؟

آخر کس نے لکھا تھا وہ نام ——؟

وہ پھولوں کا گجرا کہاں سے آیا تھا ——؟

یہی سوالات خالد کے ذہن میں بھی گونج رہے تھے۔ یہ تو سوچا ہی نہیں جا سکتا تھا
کہ وہ گجرا غائب سے اس کی کار میں آگیا ہو گا ——— کسی نے دانستہ وہاں رکھا ہے۔

کس نے ——؟

پھولوں کا گجرا ارمانہ اور فراز کے درمیان ایک اہم کڑی ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا
کہ یہ شرارت فراز نے کی ہو ——؟

خالد غصہ سے دانت پیسنے لگا۔

ستون پر لکھا ہوا نام بھی اسی کی سازش ہو سکتی ہے ——— کتنی کامیاب سازش
کی ہے اس کمبخت نے ——— ارمانہ میرے ہاتھ میں آتے آتے گیلے صابن کی طرح
پھسل کر نکل گئی۔

وہ غصہ میں ادھر ادھر ٹہلنے لگا اور سوچنے لگا۔

وہ یقیناً یہاں آس پاس کہیں موجود ہے اور مجھ سے چھپ کر میرے منصوبوں کو ناکام
بنا رہا ہے۔ ارمانہ میرے قریب آنا چاہتی ہے۔ میرے ساتھ سیر و تفریح کے لئے جانا چاہتی
ہے مگر وہ دشمن اس کا راستہ کاٹ رہا ہے۔ اسے محبت کی ترغیب دے رہا ہے۔ اس کے

سوئے ہوئے جذبوں کو جھنجھوڑ رہا ہے۔ میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا ——— میں
میں بھی اس کی سازش کو توڑ دوں گا۔ ارمانہ میرے لئے ایک چیلنج بن گئی ہے۔ میں نے
اگر اسے حاصل نہ کیا تو زندگی میں کچھ بھی نہ کیا....''

اس کی سوچ کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔

اسی وقت لیڈی ڈاکٹر ارمانہ کا معائنہ کرنے آگئی تھی۔ وہ اسے لیکر ارمانہ کے بیڈروم
میں آگیا۔ پھوپھی اس کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھیں۔ لیڈی ڈاکٹر کو دیکھ کر اٹھ کر کھڑی ہو گئیں
اور اس سے ارمانہ کے متعلق باتیں کرنے لگیں۔

خالد ان سے دور ایک میز کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ احمد فراز کے کلام کا مجموعہ ابھی
ویسا اسی طرح میز پر پڑا ہوا تھا۔ خالد نے اسے دیکھتے ہی جھنجھلا کر اسے پلٹ دیا۔ نام کو
پڑھا دیا ——— جہاں جاؤ، وہاں فراز ہی فراز...

"فراز ——!" ارمانہ کی کراہیں سنائی دیں۔

وہ چونک کر پلٹ گیا۔ ارمانہ بخار کی حالت میں اس کا نام لے رہی تھی۔ اس کی آنکھیں
بند تھیں مگر زبان محبوب کے نام کا چٹخارہ لے رہی تھی۔

لیڈی ڈاکٹر نے معائنہ کرتے ہوئے پھوپھی سے پوچھا۔

"یہ فراز کون صاحب ہیں ——؟"

پھوپھی سوالیہ نظروں سے خالد کی طرف دیکھنے لگیں۔ پھر بولیں۔

"تعجب ہے ——— یہ نام تو وہاں باہر لکھا ہوا تھا۔ اس کی زبان پر کیوں آرہا ہے

خالد نے جلدی سے بات بناتے ہوئے کہا۔

" اوہ پھوپھی جان ——! آج کل کی لڑکیاں شعر و شاعری سے زیادہ دلچسپی رکھتی ہیں
مس ارمانہ کو شاید احمد فراز کی شاعری سے بہت زیادہ لگاؤ ہے —— یہ دیکھئے!"

اس نے کتاب اٹھا کر دکھائی۔ اور کہا۔

" مجھے یقین ہے کہ مس ارمانہ ذہنی طور پر اس شاعر سے متاثر ہیں۔ بخار کی حالت میں
وہ پورا شعر تو نہیں گنگنا سکتیں۔ اسی لئے نام لینے پر ہی اکتفا کر رہی ہیں۔"

لیڈی ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔

" یہ واقعی اچھا شاعر ہے۔ ذاتی طور پر مجھے بھی پسند ہے —— بہر حال میں انجکشن
دیتی ہوں۔ بخار تھوڑی دیر میں اتر جائے گا۔ آپ کسی کو میری ڈسپنسری بھیج کر باقی دوا
منگوا لیں۔"

وہ انجکشن تیار کرنے لگیں۔ پھوپھی نے خالد سے کہا۔

" بیٹا —— کسی ملازم کو آواز دو۔ وہ جا کر دوائیں لے آئے گا۔"

" ملازم کی کیا ضرورت ہے پھوپھی جان —— میرے پاس کار ہے میں جا کر
آؤں گا۔"

لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔

" سیرنج صاف کرنے کے لئے پانی منگوا دیجئے۔"

" میں ابھی لاتا ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔

فراز ہوٹل کے ایک کمرے میں آرام کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔
اس کا سر کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا تھا۔ آنکھیں آدھی کھلی ہوئی تھیں۔ یوں معلوم
ا تھا جیسے سوتے میں خواب دیکھ رہا ہو۔

ہونٹوں کی دھیمی دھیمی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ ارمانہ کا خواب دیکھ رہا ہے۔ ارمانہ
ے شہر میں رہ کر —— ارمانہ کے قریب ہو کر بھی اس سے دور بیٹھا نگاہوں کے سامنے
ں کی تصویر بنا رہا تھا۔

پہلے اس نے سوچا تھا کہ پنڈی پہنچتے ہی ارمانہ سے جا کر ملے گا۔ پھر راستے میں اس
ارادہ بدل گیا۔ دل نے کہا کہ ارمانہ اسے چھوڑ کر چلی آئی ہے۔ اس لئے اب اس کے
ہ رہ کر بھی اسے تڑپانا چاہیئے۔ اسے اپنی قربت کا احساس دلا کر اس کی نگاہوں سے
ھل رہنا چاہیئے۔ وہ تڑپے گی اور اسے تلاش کرے گی اور جب تلاش کرتے کرتے
ک جائے گی تو وہ یک بیک اس کے سامنے چلا آئے گا۔

یہاں پہنچ کر اس نے خالد کو دیکھا تو اس کا فیصلہ مستحکم ہو گیا۔ یوں بھی خالد کے
ئے روٹھی ہوئی ارمانہ سے ملنا مناسب نہیں تھا۔ خوامخواہ آپس میں رنجشیں بڑھتیں۔
ں کی امی اکثر اسے سمجھایا کرتی تھیں کہ خالد کے ساتھ اگر میل ملاپ سے نہیں رہ سکتے تو
ئی بھی نہ کیا کرو۔

مگر ارمانہ کی محبت اس دشمنی کو دن بدن بڑھاتی جا رہی تھی۔ اب اسے کیا معلوم تھا
کہ خالد یہاں بھی پہنچ جائے گا۔

اس نے بڑی سوچ بچار کے بعد ارمانہ کی کوٹھی کے ایک ملازم کو قابو میں کیا — یہ کوئی
مشکل کام نہ تھا۔ بڑے گھروں کے ملازم ہمیشہ پیسوں سے مار کھاتے ہیں۔ فراز نے دس دس
کے دو نوٹ اس کے ہاتھوں میں رکھ کر اسے اس بات کے لئے آمادہ کر لیا کہ وہ پھولوں کا
ایک گجرا ارمانہ کے بیڈروم میں چپکے سے بچا کر رکھ دے گا۔

شام کو فراز گجرا لیکر کوٹھی کے باہر پہنچا تو ملازم نے بتایا کہ بی بی جی چائے پینے کے لئے
خالد صاحب کے ساتھ باہر جائیں گی۔

فراز کو یہ سن کر دکھ ہوا کہ وہ خالد جیسے آدمی کے ساتھ تفریح کے لئے جائے گی۔ یہ
وہی ارمانہ تھی جو خالد کے نام سے بھی نفرت کرتی تھی — کیا وہ مجھے بھلانے کے لئے خالد
کا سہارا لے رہی ہے ؟

اگر ایسا ہے تو پھر یہی محبت کی آزمائش کا وقت ہے۔ میں اسے بھولی ہوئی محبت کا
سبق یاد دلاؤں گا۔ دیکھتا ہوں کہ وہ مجھ سے کترا کر کس طرح دوسرے کا سہارا لیتی ہے۔

پھر اس نے ملازم کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ پورچ کے ستون پر اس کا نام لکھ
دے تاکہ کوٹھی سے باہر آتے ہی ارمانہ کی نظر اس کے نام پر پڑے — گجرے کو بیڈروم
میں رکھوانے کی بجائے اس نے کار میں رکھوا دیا۔

اس کے بعد فراز کا وہاں ٹھہرنا مناسب نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دیوار پر نام لکھے

کار میں گجرا رکھنے والے کی تلاش ضرور ہوگی — اور وہ ان کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا
تھا۔ اس لئے وہاں سے چلا آیا۔

ملازم نے وعدہ کیا تھا کہ اپنے کام سے فارغ ہو کر وہ ہوٹل میں آئے گا اور اسے
پوری رپورٹ سنائے گا۔

رات کے نو بج رہے تھے۔ وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ فراز بے چینی سے اس کا انتظار
کر رہا تھا اور انتظار کی کوفت کو مٹانے کے لئے ارمانہ کے تصور سے بہل رہا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ ارمانہ اگر اسے بھلانے کی کوشش کر رہی ہے تو توقع کے خلاف کسی
جگہ ضرور اس کے متعلق سوچنے پر مجبور ہو جائے گی۔

عورت سب کچھ بھول سکتی ہے۔ لیکن اپنی پہلی محبت اور محبت کے پہلے تحفے کو کبھی نہیں
بھلا سکتی — پھولوں کا گجرا محبت کا سب سے پہلا تحفہ تھا — ایسا نازک تحفہ — ایسی
نازک زنجیر جو دل کو جکڑ لیتی ہے۔

وہ اپنی کامیابی کے تصور سے مسکرانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔

"آ جاؤ — !" فراز نے کہا۔

دروازہ کھلا اور وہی ملازم اندر داخل ہوا۔

"تم نے آنے میں دیر کر دی — ؟" فراز نے پوچھا۔

"صاحب جی! اس وقت بھی بڑی مشکل سے آ رہا ہوں۔ بی بی جی کی طبیعت بہت خراب

ہے ۔"

فراز ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑا ہوا ۔

"طبیعت خراب ہے ——؟"

"جی ہاں ——! بہت زور کا بخار ہے ۔ خالد صاحب ڈاکٹرنی کے ساتھ دوا لانے گئے ہیں ۔"

"مگر —— وہ —— اچانک بیمار کیسے ہوگئیں —— شام کو تو بالکل ٹھیک تھیں ——؟"

"بڑے لوگ نازک مزاج ہوتے ہیں صاحب جی —— بیمار پڑتے کیا دیر لگتی ہے ۔ ویسے دیوار پہ آپ کا نام پڑھ کر وہ پریشان ہوگئیں تھیں اور جب خالد صاحب نے گجرے کو نوچ کر پھینک دیا تو بی بی جی نے باہر جانے سے انکار کر دیا اور بھاگتی ہوئی کوٹھی کے اندر چلی گئیں۔ اس کے ایک گھنٹہ بعد ہمیں پتہ چلا کہ انہیں زور کا بخار آیا ہے ......"

فراز کے دل میں ہلچل سی مچ گئی —— وہ بیمار ہے —— وہ بیمار ہے .....

وہ اپنے بیمار سے ملنے کے لئے بے چین ہوگیا ۔ جسے دور رہ کر تڑپانا چاہتا تھا اب جانے کے لئے تڑپنے لگا ۔ اب محبت کی چھیڑ چھاڑ —— خالد کی دشمنی کا خیال ۔ یا کوئی بھی مصلحت اسے ارمانہ سے ملنے سے نہیں روک سکتی تھی ۔

اس نے بڑی بیقراری سے پوچھا ۔

"اب کیسی طبیعت ہے ؟"

"پتہ نہیں صاحب جی ! مجھے ان کے کمرے میں جانے کا موقع ہی نہیں ملا..."

"میں وہاں جاؤں گا ——ا"

"آپ ——؟"

"ہاں ——! تم بتاؤ کہ کوئی ایسا راستہ ہے کہ میں تنہائی میں اس سے مل سکوں ۔"

"نن —— نہیں صاحب جی ۔ یہ کام مجھ سے نہ ہو سکے گا ۔ اگر کسی کو پتہ چل گیا تو میری نوکری چلی جائے گی ۔"

"تم گھبراؤ نہیں —— کسی کو پتہ کیسے چلے گا —— جب تمام لوگ سونے کے لئے چلے جائیں گے تو میں ان سے ملنے جاؤں گا ۔"

اس نے جیب سے دس روپے کا ایک نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا ۔

"یہ لو رکھ لو —— میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ خالد صاحب میرے بھائی ہیں اگر میں تمہاری بی بی جی سے ملتے ہوئے پکڑا گیا تو کوئی قیامت نہیں آجائے گی اور نہ ہی تمہارا نام اس سلسلہ میں آئے گا ۔"

ملازم نے جھجکتے ہوئے وہ نوٹ لے لیا —— فراز نے پوچھا ۔

"ہاں —— اب بتاؤ ملنے کا کوئی راستہ ہے ——؟"

"جی ہاں ——! ان کے کمرے کی ایک کھڑکی پیچھے باغیچہ کی طرف کھلتی ہے ۔"

میں کوشش کروں گا کہ اس کی چھٹی نہ لگائی جائے ۔ آپ اسی راستے سے کمرے میں جا سکتے ہیں ۔"

فراز نے اس کے شانہ پر ہاتھ مار کر کہا۔

"شاباش ـــــ تم بہت کام کے آدمی ہو ـــــ اب جاؤ ـــــ میں بارہ بجے کے بعد کوٹھی کے پچھلے حصے میں پہنچ جاؤں گا ۔"

ملازم دس روپے کے نوٹ کو تہہ کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا ۔

فراز بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا ـــــ اس کی ارمانہ بیمار تھی ۔ وہ جلد سے جلد اس کے پاس پہنچنا چاہتا تھا ۔ لیکن ـــــ لیکن ابھی آدھی رات گزرنے کے لئے تین گھنٹے باقی تھے ۔

ڈسپنسری میں جب تک مکسچر تیار ہوتا رہا ۔ خالد کے ذہن میں بھی ناپاک ارادوں کا مکسچر بنتا رہا ۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آج ہی فراز کی سازشوں کا توڑ کرے گا ۔ توڑ اسی طرح ہو سکتا تھا کہ ارمانہ کسی طرح ایک بار اس کے شکنجہ میں آجائے ۔ وہ اپنی زندگی میں ایسے بہت سے تجربات کر چکا تھا اور اس حقیقت کو سمجھ چکا تھا کہ عورت جس مرد سے اپنا سب کچھ ہار جاتی ہے پھر اس کے سامنے سر نہیں اٹھاتی ـــــ اس کی ہو کر رہ جاتی ہے ۔

خالد نے ایک مکمل منصوبہ تیار کر لیا تھا کہ ارمانہ آج اپنی زندگی کی سب سے اہم

لا ابھرنے گی ۔

تھوڑی دیر بعد کمپاؤنڈر نے مکسچر اس کے سامنے لا کر رکھ دیا ۔ مکسچر کی بوتل پر ڈاکٹر کی ڈسپنسری کے نام کا لیبل لگا ہوا تھا ۔ لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔

"ہر چار گھنٹے کے بعد مریضہ کو یہ دوائیں دیجئے ۔ انشاء اللہ صبح تک بالکل تندرست ہو جائیں گی ۔"

خالد نے شکریہ ادا کیا اور دواؤں کا بل دے کر باہر آگیا ۔

باہر راستے کے دوسری جانب اس کی کار کھڑی ہوئی تھی ۔ وہ راستہ پار کر کے کار کے پاس آیا ۔ دروازہ کھول کر کار اس نے دوا کی بوتل اندر رکھی اور دروازہ بند کر کے پھر ڈسپنسری کی طرف دیکھنے لگا ۔

لیڈی ڈاکٹر میز پر جھکی ہوئی کچھ لکھ رہی تھی ۔ آہٹ سنتے ہی اس نے سر اٹھا کر دیکھا خالد اس کے سامنے کھڑا ہوا تھا ۔ اس نے کہا ۔

"سو ـــ سوری ڈاکٹر ـــــ ! مکسچر کی بوتل میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی ۔ دوا بھی ضائع ہو گئی اور بوتل بھی ٹوٹ گئی ۔ تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں ۔ آپ دوسرا مکسچر بنوا دیں ۔ اس کا معاوضہ میں الگ سے دوں گا ۔"

"اوہ ـــــ کوئی بات نہیں ـــــ !" وہ مسکرا کر بولی ۔ پھر اس نے کمپاؤنڈر کو آواز دے کر دوسرا مکسچر تیار کرنے کے لئے کہہ دیا ۔

پندرہ منٹ بعد خالد مکسچر کی دوسری بوتل لے کر باہر آیا ۔ کار کے قریب پہنچ

تھے ——— نہیں مار پیٹ نہیں کر رہے تھے بلکہ تھرک رہے تھے۔ کٹھ پتلیوں کی طرح ناچ
رہے تھے ——— ارمانہ کے ذہن پر چھایا ہوا نشہ اسے یہی سمجھا رہا تھا کہ چابی دینے والے کھ
آپس میں ٹکرا رہے تھے۔

پھر ایک نے دوسرے کو مارنے کے لئے کوئی چیز دونوں ہاتھوں پر اٹھائی ——— شاید
کرسی تھی ——— کرسی ہاتھوں میں بلند ہو کر فانوس سے ٹکرائی اور خالد کے سر پہ آ پڑی
فانوس اِدھر سے اُدھر ہلنے لگا۔

ارمانہ کی نظروں کے سامنے کمرہ اِدھر سے اُدھر ڈگمگانے لگا۔ اُس کی آنکھیں بند ہوگئیں
اس کا سر تیزی سے گھوم رہا تھا اور وہ غفلت کی تاریکی میں ڈوبتی جا رہی تھی۔

فراز ہانپ رہا تھا۔ خالد اس کے سامنے فرش پہ بیہوش پڑا ہوا تھا۔ اس کے ہونٹ
پھٹ گئے تھے۔ ناک سے اور بائیں کنپٹی سے خون بہہ رہا تھا۔

فراز نے کمرے کا دروازہ کھولا اور اس کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹتا ہوا باہر لے گیا
پھر کمرے میں واپس آ کر اس نے دروازے کو دوبارہ بند کر دیا۔

ارمانہ آنکھیں بند کئے بستر پر بائیں کروٹ پڑی ہوئی تھی ——— فراز کی آنکھیں چندھیا
گئیں۔ چھت سے لٹکا ہوا فانوس ہل رہا تھا اور اس کے جسم پر روشنی اور سائے کے زاویے
بدل رہا تھا۔ کبھی وہ جسم روشنی میں کھل جاتا اور کبھی تاریکی میں بند ہو جاتا۔

وہ ایسا منظر تھا کہ بڑے سے بڑے زاہد و عابد کو ڈگمگا دیتا۔ فراز نے گھبرا کر سوئچ
آف کر دیا۔

پڑھا کرو ——— اور تم تو جس کی کتاب پڑھتی ہو، اسی کا نام بڑبڑانے لگتی ہو۔ تمہیں پتہ
بھی ہے۔ ابھی بخار کی حالت میں اس شاعر کا نام لے رہی تھیں۔"

"شاعر کا نام ———!" ارمانہ نے نقاہت سے پوچھا۔

"ہاں وہی ——— فراز ——— احمد فراز!"

ارمانہ کا دل بے اختیار دھڑکنے لگا۔ اس نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں اور
دل ہی دل میں کہنے لگی۔

"ہائے اللہ! کیا میں ابھی ان کا نام لے رہی تھی ——— یہ کیسی دیوانگی ہے؟ یہ
کیسا الجھاوا ہے۔ جتنا سلجھنا چاہتی ہوں۔ اتنا ہی الجھتی جا رہی ہوں۔"

وہ آنکھیں بند کئے سوچتی رہی۔ پھر خالد کی آواز سن کر اس نے آنکھیں کھول دیں۔
وہ کہہ رہا تھا۔

"لیجئے پھوپھی جان ———! اپنے ہاتھوں سے ایک خوراک پلا دیجئے ——— لیڈی ڈاکٹر
کہہ رہی تھیں کہ دوا ذرا کڑوی ہے۔ اگر یہ پی گئیں تو صبح تک بالکل تندرست ہو
جائیں گی۔"

پھوپھی نے مکسچر کی دوا لیتے ہوئے کہا۔

"اے بیٹا ———! میری ارمانہ کڑوی سے کڑوی دوا پی لیتی ہے۔ یہ دیکھو، ابھی
ہمارے سامنے پی کر دکھاتی ہے۔"

انہوں نے کانچ کے ایک چھوٹے سے گلاس میں دوا انڈیلی اور ارمانہ کی طرف بڑھا

دی۔

خالد دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا اور گہری نظروں سے ارمانہ کو دیکھ رہا تھا۔

ارمانہ گلاس کو منہ کے قریب لے گئی۔ پھر منہ بنا کر بولی۔

"اس میں تو عجیب سی بو ہے"

"دوا میں خوشبو نہیں ہوتی۔" خالد نے کہا۔ "سانس روک کر ایک ہی گھونٹ میں پی جایئے!"

دوا تو پینی ہی تھی۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ارمانہ نے ایک سانس میں اسے حلق سے نیچے اتار لیا۔

پھر گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔ اور وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر دوہری ہو گئی —— اُف! حلق کے نیچے کیسی جلن تھی۔ اسے یوں لگا جیسے دوا کی بجائے شعلے نگل گئی ہے۔

پھوپھی نے ایک ہاتھ سے گلاس کو اٹھایا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی پیٹھ سہلاتی ہوئی بولیں۔

"بس —— اب میری بیٹی بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔"

پھوپھی اور بھتیجی کو مصروف دیکھ کر خالد نے پتلون کی جیب سے اصلی دوا کی بوتل نکالی اور اسے میز پر رکھ کر وہسکی کی بوتل کو میز پر سے اٹھایا اور اسے اپنی جیب میں چھپا لیا۔

پھر اس نے کہا۔

"پھوپھی جان ——! اب انہیں آرام کرنے دیجیے۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ دوا کے بعد انہیں نیند آ جائے گی۔"

"ہاں بیٹا —— اب رات زیادہ ہو گئی ہے۔ اب اسے آرام کرنا چاہیے۔۔۔"

یہ کہہ کر انہوں نے پیار سے ارمانہ کے سر کو سہلایا اور مسکراتی ہوئی خالد کے ساتھ ےسے باہر چلی گئیں۔

ارمانہ تھوڑی دیر تک آنکھیں بند کیے ہوئے پڑی رہی۔ اسے اپنے جسم میں ی سنسنی کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں کھولیں تو پلکیں بوجھل سی لگیں ں کے سامنے ہر چیز پہلے سے زیادہ روشن اور رنگین نظر آنے لگیں۔ ایک سرور کی سی ت طاری ہو گئی تھی۔ بڑا اچھا لگ رہا تھا۔ ذہن پر کسی قسم کا بوجھ نہیں تھا۔ اپنا جسم ہلکا سا لگ رہا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ کسی تتلی کی طرح اڑنے لگے۔

اسے تنہائی میں بڑبڑانے کی عادت نہیں تھی، لیکن وہ عادت کے خلاف آپ سے باتیں کرنے لگی۔

"لیڈی ڈاکٹر بہت اچھی ہے —— کتنی اچھی دوا دی ہے۔ بخار بھی جاتا رہا —کمزوری بھی جاتی رہی —— جی چاہتا ہے کہ اُٹھ کر اِدھر سے اُدھر بھاگنے ںا۔"

وہ کروٹ بدل کر بستر پر بیٹھ گئی۔

وہ پلنگ سے نیچے اترنا چاہتی تھی۔ لیکن ہولے ہولے اس کا سر چکرانے لگا۔ پلنگ دھیرے دھیرے ہنڈولے کی طرح گھومنے لگا۔

اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جھولا جھول رہی ہو۔ اس کے آس پاس ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ پھول اپنی خوشبو لٹا رہی ہے —— پھر وہ خود آہستہ آہستہ جھومنے لگی —— کمرے کی تمام چیزیں اس کی نظروں کے سامنے چکرا رہی تھیں۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام لیا۔ اور دوبارہ تکیئے پر گر پڑی۔ میز پر رکھی ہوئی ٹائم پیس ٹک ٹک کر رہی تھی۔ گھڑی کا کانٹا آہستہ سرکتا جا رہا تھا۔

خالد اپنے کمرے میں سگریٹ پھونک رہا تھا۔ اور بیقراری سے ٹہل رہا تھا۔ پھر اس نے اپنی رسٹ واچ میں دیکھا۔ بارہ بج کر دس منٹ ہو چکے تھے۔ وہ اپنے سوٹ کیس کے پاس آیا اور اسے کھول کر کپڑوں میں کچھ تلاش کرنے لگا۔ ذرا سی دیر میں ایک چھوٹی سی ڈبیہ برآمد ہوئی۔ اس ڈبیہ میں ومبیں پرکیس کی گولیاں تھیں جنہیں کھاتے ہی نیند آجاتی تھی۔ اس نے دو گولیاں نکال کر جیب میں رکھ لیں۔ پھر وہ تیزی سے چل کر کمرے کے باہر آگیا۔

کوٹھی میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ملازم اپنے کوارٹر میں سونے کے لئے چلے گئے تھے۔ کوٹھی کے اندر صرف پھوپھی اور بھتیجی رہ گئی تھیں۔ خالد نے پہلے پھوپھی کے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ وہ اپنے بستر پر گہری نیند سو رہی تھیں۔

اس نے دروازے کو باہر سے احتیاطاً بند کر دیا تاکہ پھوپھی کی آنکھ بھی کھلے تو وہ کمرے سے باہر نہ آسکیں۔

اس کے بعد وہ اطمینان سے چلتا ہوا ارمانہ کے کمرے میں آیا —— وہ بستر پر اوندھی پڑی ہوئی تھی۔ اس کے سڈول بازو تکئے کے اطراف پھیلے ہوئے تھے اور بال اس کی پشت پر بکھری ہوئی تھیں۔

خالد تھوڑی دیر تک اس سانس لیتے ہوئے جسم کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر وہ میز کی طرف آیا۔ اس نے دوا کی بوتل کھول کر پاس رکھے ہوئے گلدان میں ایک خوراک دوا انڈیل دی اور بوتل کو دوبارہ بند کر کے اسی طرح میز پر رکھ دیا۔

پھر اس نے اپنی جیب سے وہسکی کی بوتل نکالی۔ کانچ کے چھوٹے سے گلاس میں چھوٹا سا پیگ بنایا اور اس پیگ میں ومبیں پرکیس کی دو گولیاں ڈال دیں۔

ایک ہاتھ میں کانچ کے گلاس کو لیکر وہ پلنگ کے قریب آیا اور اس پر جھک کر دوسرے ہاتھ سے اس کے جسم کو سہلانے لگا۔

"کو —— ن —— ہے —— اے۔" وہ نشہ میں بڑبڑائی۔

"اٹھو —— !" وہ دھیرے سے بولا۔ "دوا پینے کا وقت ہو گیا ہے۔"

اس نے آہستگی سے کروٹ بدلی۔ وہ پٹر ایک طرف چلا گیا۔ وہ دوسری طرف گھوم گئی۔

"میں نہیں —— پیوں گی۔"

" کیوں ۔۔۔ ؟ "

" میرا ۔۔۔ سر چک ۔۔۔ رتا ۔۔۔ ہے ..... "

" یہ دوسری دوا ہے ۔ سر نہیں چکرائے گا ۔۔۔ اٹھو ۔۔۔ ! "

اس نے ارمانہ کی گردن کے نیچے ہاتھ رکھ کر اسے اٹھایا ۔ وہ پھول کی طرح اٹھتی ہوئی اس کے قریب آئی ۔

وہ گلاس کو اس کے منہ سے لگاتے ہوئے بولا ۔

" لو ۔۔۔ اسے ایک ہی سانس میں پی جاؤ ۔۔۔ آج تمہاری تقدیر بھی بدل جائے گی اور دنیا بھی ...... "

وہ اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی ۔ نشہ میں اس کی آنکھیں پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی تھیں ۔

" تم ۔۔۔ خا ۔۔۔ لد ۔۔۔ ہو ۔۔۔ نا ؟ "

" ہاں ۔۔۔ تمہارا خالد ۔۔۔ ! "

" مے را ۔۔۔ کوئی ۔۔۔ نا ہی ہے ..... "

" جانِ من ۔ میں تمہارا ہوں ۔ لو اسے پی لو !

" یہ ۔۔۔ دوا ۔۔۔ ہے ؟ " وہ بڑبڑائی ۔

" ہاں ۔۔۔ ! لیڈی ڈاکٹر نے کہا ہے کہ ابھی پینا ہو گی ۔ "

" ابھی ۔۔۔ پینا ۔۔۔ ہو گا ..... ! "

" ہاں ۔۔۔ ! "

وہ اس پر جھک گیا اور گلاس کو اس کے ہونٹوں سے لگا دیا ۔

اس کے ہونٹ کھلے ۔۔۔ اور وہ ایک گھونٹ نگل گئی ۔۔۔ آہ ۔۔۔ ! اس کے سینے سے ہائے نکل گئی ۔

" بس ۔۔۔ ذرا سی رہ گئی ہے ۔ اسے پی لو ۔ "

اس نے ایک ہاتھ سے اس کو جکڑ لیا اور اس کے منہ سے گلاس لگا دیا ۔

" لو پیو ۔ "

اس نے انکار کرنے کے لئے منہ کھولا ۔ خالد نے وہسکی انڈیل دی ۔ کچھ اس کے حلق میں گر گئی اور کچھ اس کی باچھوں سے بہہ گئی ۔

ارمانہ کی عجیب حالت تھی ۔

وہ شراب کی گرمی سے سلگ رہی تھی ۔ چہرہ سرخ ہو رہا تھا ۔ دمیں پرنمیں کی گولیاں بھی اثر دکھا رہی تھیں اور اس کے ذہن پر غنودگی طاری کر رہی تھیں ۔

وہ مدہوش ہو رہی تھی ۔ پھر بھی نگاہوں کے سامنے جو چیزیں تھیں ان کی ہلکی ہلکی پہچان اب بھی باقی تھی ۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ خالد اسے اپنی گرفت میں لے رہا ہے ۔ اس کا اونگھتا ہوا ذہن کہہ رہا تھا کہ اگر خالد نے اس طرح گرفت میں نہ لیا تو وہ کہیں لڑھک جائے گی ۔

کٹ ۔ کٹ ۔۔۔ کھٹ ۔۔۔ اس کے کرتے کے بٹن کھلنے لگے ۔۔۔

ارمانہ کو یہ حرکت اچھی نہیں لگی ۔

"چھو۔۔۔ڑ دو۔۔۔ میرا۔۔۔کپڑا ۔۔۔۔۔!"

اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے روکنا چاہا ۔ مگر ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑھ گئے تھے
میں جیسے جان نہیں رہی تھی ۔ صرف ایک ذہن تھا ۔ وہ جس حد تک جاگ رہا تھا اس
حد تک سوچ رہا تھا ۔

اسے خالد کی بڑبڑاہٹ سنائی دی ۔

"چھوڑ کیسے دوں ۔۔۔۔ بڑی مشکلوں سے قابو میں آئی ہو۔۔۔۔"

پھر اسے ایک جھٹکا سا لگا ۔ اس کا لباس پھٹ رہا تھا ۔ وہ دھجیاں اڑا رہا تھا ۔

"نن۔۔۔ناہی۔۔۔ناہی۔۔۔۔۔" اس کے ہاتھ پاؤں اینٹھنے لگے ۔ گورا اور سڈول جسم
فانوس کی روشنی میں جگمگا رہا تھا ۔

خالد اس پارے کی طرح مچلتے ہوئے جسم کو اپنے قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہا
وہ اپنے پچھلے تجربوں کی بنا پہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ارمانہ اب ذرا سی دیر میں اپنے ہوش و
حواس سے غافل ہو جائے گی اور یہ جو تھوڑی سی جدوجہد کر رہی ہے ۔ یہ بھی سرد پڑ جائے گی

لیکن ارمانہ کو جیت لینا شاید اس کے مقدر میں نہیں تھا ۔ اسی وقت ایک آہٹ سن
کر وہ چونک پڑا ۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔۔۔کمرے کی کھڑکی باہر کی طرف کھل رہی تھی۔

پھر اس کھڑکی سے فراز کا چہرہ طلوع ہوا ۔

"تم۔۔۔۔۔" خالد حیرت سے اچھل کر کھڑا ہو گیا ۔

پہلے چند لمحوں میں فراز بھی حیرت زدہ رہ گیا ۔ وہ بہت سے سہانے خواب دیکھتا ہوا
یہاں تک آیا تھا لیکن ارمانہ کی بے حیائی دیکھ کر اس کے ذہن کو ایک زبردست جھٹکا لگا۔۔۔
وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ شریف زادی بازاری عورت کی طرح یوں کپڑوں سے بے نیاز
ہو جائے گی ۔

ارمانہ نے بڑی مشکل سے کروٹ بدل کر کھڑکی کی جانب دیکھا ۔ اگرچہ اس کی آنکھیں دبیز
پلکوں کی غنودگی میں ڈوب رہی تھیں لیکن فراز کو یوں نظر آیا کہ وہ آنکھیں مستی میں ڈوبی ہوئی
ہیں اور اس کے سامنے شرمانے کی بجائے بے حیائی سے دیکھ رہی ہیں ۔

خالد نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا ۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو ۔۔۔۔ چلے جاؤ یہاں سے ۔۔۔۔۔!"

فراز کھڑکی سے کود کر کمرے میں آگیا اور ارمانہ سے مخاطب ہو کر نفرت سے بولا ۔

"تو اسی لئے تم مجھے چھوڑ کر آئی تھیں کہ خالد کو یہاں بلا کر رنگ رلیاں منا سکو ۔۔۔۔"

خالد نے اچانک ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کر دیا ۔ وہ اپنا توازن نہ سنبھالتے
ہوئے میز کی طرف جا گرا ۔۔۔۔ اس نے دوسری بار حملہ کیا مگر فراز کا زبردست گھونسہ اس
کے منہ پر ایسا پڑا کہ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے چلا گیا ۔

ارمانہ کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں ۔ مگر وہ جبراً آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش
کر رہی تھی ۔ اس کی نظروں کے سامنے دو کی بجائے چار آدمی آپس میں گتھم گتھا تھے ۔ وہ ایک
دوسرے سے ٹکرا رہے تھے ۔ گر رہے تھے ۔ سنبھل رہے تھے اور ایک دوسرے کو مار رہے

اس نے محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر آہستگی سے بوتل کھول کر ساری دوا

دوا زمین پر گرادی۔

بوتل خالی ہوگئی۔

وہ کار کا دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گیا۔ اب اس کے پاس ایک مکسچر بھری بوتل تھی اور دوسری خالی تھی۔ اس نے ڈش بورڈ کو کھول کر مکسچر والی بوتل اندر رکھ دی اور اندر سے وہسکی کی ایک بوتل نکالی۔ اس کا ڈھکنا کھولا اور مکسچر کی خالی بوتل میں وہسکی انڈیل لی۔

دوا کی جگہ شراب لے رہی تھی۔

جو عورتیں پارسا بنتی ہیں۔ انہیں شراب کا نشہ ہی کمزور کر سکتا ہے۔ یہ خالد کا پرانا تجربہ تھا کہ مدہوشی میں عورت کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ وہ عورت ہے۔ نشہ تمام اخلاقی قدروں کو بھلا دیتا ہے۔

ارمانہ اس شیطانی منصوبے سے بے خبر تھی —— اس کا بخار کم ہوگیا تھا۔

پھوپھی نے اس کی پیشانی چھو کر کہا۔

لیڈی ڈاکٹر نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ تھوڑی دیر میں بخار اتر جائے گا۔ خالد میاں دوا لانے گئے ہیں۔ وہ دوا پی کر تم بالکل تندرست ہو جاؤ گی۔"

وہ بڑی محبت سے اس کی پیشانی اور گردن کا پسینہ پونچھنے لگیں۔

"توبہ ہے۔ یہ یک بیک کیسا تیز بخار چڑھا تھا۔ اسی لئے کہتی ہوں کہ زیادہ ز

کمرے میں تاریکی چھاگئی —— ورغلانے والا جسم اندھیرے میں ڈوب گیا —— پھر بھی وہ پوری طرح گم نہ ہوسکی۔ کھڑکی سے آنے والی ہلکی ہلکی چاندنی میں وہ ایک سائے کی طرح نظر آرہی تھی۔

وہ دو قدم آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس خوبصورت چہرے کے پیچھے تم ایک بازاری عورت کا جسم رکھتی ہو —— جواب دو کہ جب تمہیں خالد جیسے خریدار مل سکتے تھے تو تم نے مجھ سے محبت کا ڈھونگ کیوں رچایا —— ؟ بے غیرت، بے حیا، کیا باپ کا قرض اتارنے کے لئے یہی راستہ رہ گیا تھا —— ؟"

جواب میں خاموشی چھائی رہی۔ وہ تیزی سے قریب آکر بولا۔

"اب تمہارے ہونٹوں کو تالے کیوں لگ گئے؟ ابھی جس بے شرمی سے مجھے دیکھ رہی تھیں اسی بے شرمی سے جواب بھی دو۔"

وہ اپنے ہوش میں ہوتی تو جواب بھی دیتی —— فراز نے اسے جھنجھوڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا —— ہاتھ آگے بڑھا مگر سنگ مرمر کے تاج محل پر چپک کر رہ گیا۔ سارے جسم میں بجلی کی لہر دوڑ گئی —— ایک مقناطیس تھا، ایک کشش تھی کہ وہ بے اختیار کھنچتا چلا گیا۔ پھر وہ حیرت سے بڑبڑایا۔

"تم —— تم نے شراب پی ہے ——"

ارمانہ کی سانسوں سے شراب کی بُو آرہی تھی۔

"اوہ —— اب سمجھا کہ تم جواب کیوں نہیں دے رہی ہو —— اب پتہ چلا کہ تم کس مستی میں ڈوبی ہوئی ہو۔ کس طرح اپنے آپ کو کھلونا بنا رہی ہو —— میں میں تم سے نفرت کرتا ہوں - اور تمہیں اس پستی میں پھینک دینا چاہتا ہوں جس پستی میں تم گرنا چاہتی ہو ....."

پھر کمرے میں خاموشی چھا گئی -

میز پر رکھی ہوئی ٹائم پیس ٹک ٹک ٹک سرگوشیاں کر رہی تھی - وقت گھڑی کے کانٹوں کے ساتھ پھسل رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ انسان شجر ممنوعہ کے لئے ازل سے بہکتا آیا ہے اور ابد تک بہکتا رہے گا -

خدا کا خوف —— اخلاقی تقاضے —— اور قانون کی پابندیاں اس وقت تک ڈراتی ہیں جب تک انسان ہوش میں رہتا ہے —— ہوش سے بیگانگی کا نام بہکنا ہے خالد نے ساقی بن کر ارمانہ کو شراب پلائی تھی اور اسے تمام دنیاوی پابندیوں سے آزاد کر دیا تھا —— اب ارمانہ ساقی بن کر فراز کو ایسا نشہ پلا رہی تھی جو شراب سے زیادہ تیز اور توبہ شکن ہوتا ہے جو مرد کے ذہن پہ ایک بار چھا جائے تو اسے جنت سے نکلنے پہ مجبور کر دیتا ہے -

پھر بڑی دیر کے بعد نشہ ٹوٹ گیا -

فراز کو یک بیک ہوش آیا کہ وہ فرشتوں کے مسکن سے زمین کی پستیوں میں آ گرا ہے -

حوا کی بیٹی آنکھیں بند کئے اسی طرح اندھیرے میں غافل پڑی ہوئی تھی —— آدم کا بیٹا اپنی مدہوشی پہ پچھتا رہا تھا -

یہ کیا ہو گیا —— ؟ یہ اس سے کیسا جرم سرزد ہو گیا —— ؟ ارمانہ سستی ہو گئی تھی مگر وہ کیوں سستا ہو گیا —— ؟

وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا -

رات کی خاموشی میں —— کمرے کی تاریکی میں —— اور عورت کی قربت سے فرشتے بھی بہک جاتے ہیں —— فراز بھی فطری تقاضوں سے فرار حاصل نہ کر سکا -

ارمانہ بھی گناہگار ہوتے ہوئے گناہگار نہیں تھی، بلکہ معصوم اور مظلوم تھی - اس کو اس مقام تک لانے میں خالد کا ہاتھ تھا -

لیکن فراز اس حقیقت کو نہیں جانتا تھا -

ارمانہ اب بھی اس کی نظروں میں ایک بے حیا لڑکی تھی - جو شراب پیتی ہے اور اپنے آپ کو سستا کر دیتی ہے —— وہ نہ ہوتا تو خالد ہوتا —— اس بے وفا کیلئے کوئی فرق نہ پڑتا —— فرق تو اس کے کردار اور عمل میں پڑ گیا تھا کہ وہ خود اس گناہ میں شریک ہو گیا تھا -

اس نے ندامت سے منہ پھیر لیا -

ارمانہ کی طرف دوبارہ دیکھتے ہوئے شرم آ رہی تھی - وہ تیزی سے چلتا ہوا دروازے تک آیا اور اسے کھول کر باہر نکل گیا -

باہر دروازے کے قریب خالد ابھی تک فرش پر پڑا ہوا تھا۔ فراز نے اُسے حقارت سے دیکھا ——— پھر لاپرواہی سے ڈرائنگ روم کو عبور کرتا ہوا دروازہ کھول کر کوٹھی کے باہر چلا گیا۔

کوٹھی کے اندر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ پھوپھی گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھیں اور ڈرائنگ روم میں خالد بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

رات آہستہ آہستہ گزرتی جا رہی تھی۔

پھر چاند ڈوب گیا۔

کھڑکی سے آنے والی چاندنی بجھ گئی۔

ارمانہ دھیرے دھیرے غفلت کی تاریکیوں سے اُبھرنے لگی۔ آہستہ آہستہ اسے اپنے وجود کا احساس ہو رہا تھا۔

پہلے اُسے سانسوں کا احساس ہوا کہ وہ سانس لے رہی ہے پھر سماعت کا احساس ہوا کہ وہ سُن رہی ہے۔

رات کی خاموشی میں صرف ایک ہی آواز تھی ——— ٹک۔ ٹک۔ ٹک۔ ٹک میز پر رکھی ہوئی ٹائم پیس۔ اسے سمجھ رہی تھی کہ یہ گھڑی اس کے کمرے میں رکھی ہوئی ہے۔ وہ خود اپنے نرم بستر پر لیٹی ہوئی ہے۔

اس کی لانبی اور گھنی پلکوں میں جنبش ہوئی ——— آنکھیں آہستہ آہستہ کھلنے لگیں۔ اس کے چاروں طرف ہلکی ہلکی تاریکی تھی۔ بیڈ روم کے کھلے ہوئے دروازے

ے ڈرائنگ روم کی روشنی آ رہی تھی۔

سب سے پہلے اسے محسوس ہوا کہ اس کا سر بھاری ہو گیا ہے اور وہ جو سانس لے رہی ہے تو ان سانسوں میں عجیب قسم کی بُو ہے ——— پھر اسے جلد ہی یاد آ گیا کہ ہ دوا کی بُو ہے جو پھوپھی نے پلائی تھی۔

" یہ کیسی دوا تھی ——— ؟ " وہ سوچنے لگی ۔" اسے پی کر میں سوتی بھی رہی اور جاگتی بھی رہی ——— خواب بھی دیکھتی رہی اور اس خواب کو اپنے وجود پر محسوس بھی کرتی رہی ——— ایسا خواب جو حقیقت سے اتنا قریب ہو، میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا ——— توبہ ہے ——— کتنا شرمناک خواب تھا۔ میرا جسم ابھی تک ٹوٹ رہا ہے ..... "

وہ سوچتے سوچتے چونک پڑی۔ جسم ٹوٹنے اور دُکھنے کے خیال سے اسے محسوس ہوا کہ وہ صرف ایک چادر میں لپٹی ہوئی ہے۔

وہ گھبرا کر اپنے آپ کو ٹٹولنے لگی۔ پھر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ یک بیک اٹھنے کی وجہ سے سر میں درد کی ایک ٹیس اٹھی۔ اس نے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا اور دیدے گھما کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

اس کا لباس پلنگ پر بے ترتیبی سے اِدھر اُدھر پڑا ہوا تھا۔ وہ خواب نہیں تھا اس کا ذہن چیخنے لگا اور وہ اچانک دونوں ہاتھوں سے چہرے کو ڈھانپ کر رونے لگی۔

دروازے کے باہر پڑے ہوئے خالد کے جسم میں ذرا سی حرکت پیدا ہوئی اور وہ

کراہنے لگا - آہستہ آہستہ اسے ہوش آ رہا تھا - اپنے دشمن کے تابڑ توڑ حملوں کو یاد کر کے جھنجھلا رہا تھا -

پھر اس نے اٹھنے کی کوشش کی جسم بُری طرح دُکھ رہا تھا - وہ توانائی کی کمی محسوس کر رہا تھا - اسے اچانک یاد آ گیا کہ توانائی حاصل کرنے کی دوا اس کی جیب میں ہے - اس نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر دوا کی بوتل نکالی اور اسے کھول کر شراب کے گھونٹ بھرنے لگا -

" آہ ——! کیسے شعلے ہیں - جسم کو کتنی گرمی اور توانائی پہنچاتے ہیں ——؟

جسم کی چوٹوں کا احساس زائل ہونے لگا -

وہ دیوار کا سہارا لے کر اٹھنے لگا - کمر کی ہڈی چٹخ رہی تھی - پتہ چلتا تھا کہ فراز نے بڑی شدت سے ٹھوکریں ماری ہیں -

دیوار کے سہارے کھڑے ہو کر اس نے پھر ایک گھونٹ پیا اور دوسرے ہاتھ سے اپنے چہرے کو ٹٹولنے لگا - ناک اور کنپٹی کے پاس خون کی کھرنڈ محسوس ہو رہی تھی - وہ زیر لب فراز کو گالیاں دینے لگا اور اس سے انتقام لینے کی قسم کھانے لگا -

پھر اس نے جیب سے رومال نکال کر اسے وہسکی سے بھگویا اور چہرے سے خون کو صاف کرنے لگا - وہ نہیں جانتا تھا کہ ارمانہ کے کمرے میں شکست کے آثار لیکر جائے -

خون پونچھنے کے بعد وہ دیوار کے سہارے کھسکتا ہوا چوکھٹ پر آیا - ارمانہ کے بیڈ روم میں اندھیرا تھا - اس نے سوئچ کی طرف ہاتھ بڑھا کر روشنی کر دی -

ارمانہ نے چونکتے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور جلدی سے اپنے آپ کو چادر میں اچھی طرح لپیٹنے لگی -

خالد بھی اسے اس حال میں دیکھ کر چونک پڑا - اس کے کپڑے پلنگ پر پڑے ہوئے تھے اور وہ چادر میں لپٹی ہوئی تھی —— چشم زدن میں سارا کھیل اس کی سمجھ میں آ گیا یعنی اس کا دشمن اس کے شکار سے کھیل کر چلا گیا تھا -

پھر یک بیک ارمانہ نے غصہ سے چیخ کر کہا -

" ذلیل —— کمینے —— تم نے مجھے اس حال کو پہنچایا ہے - تم آدمی نہیں شیطان ہو - میں تم پر تھوکتی ہوں —— تھو ... "

اس نے خالد کی طرف نفرت سے تھوک دیا -

"تم غلط سمجھ رہی ہو - یہ میری حرکت نہیں ... "

وہ کہتے کہتے اچانک رک گیا - اچانک اس کے شیطانی ذہن نے کہا - "یہ الزام مجھے اپنے ہی سر لینا چاہیئے - تاکہ ارمانہ کو ہمیشہ یہ احساس ستاتا رہے کہ وہ میرے ہاتھوں لٹی ہے —— میرا مقصد بھی تو یہی تھا کہ ایک بار یہ مجھ سے ہار جانے کے بعد پھر کبھی سر اٹھا کر مجھ سے باتیں نہیں کر سکے گی - میں ہمیشہ اسے بدنام کرنے کی دھمکی دیتا رہوں گا - "

اس نے مکاری سے مسکراتے ہوئے کہا -

"یہ میری حرکت نہیں بلکہ اس دوا کا کارنامہ ہے - "

اس نے بوتل دکھاتے ہوئے کہا۔ ارمانہ نے پریشان ہو کر میز کی طرف دیکھا۔ وہاں بھی بالکل ویسی ہی ایک بوتل رکھی ہوئی تھی۔

خالد نے ہنستے ہوئے کہا۔

" اس میں دوا ہے اور اس میں شراب ——— میں نے دوا کے بہانے تمہیں شراب پلائی تھی تاکہ تم نشہ میں بہک کر میری آغوش میں آجاؤ ——— اور تم آگئیں ——— آؤ ایک اور گھونٹ پی لو...... ! "

وہ لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا۔

" نہیں ——— ! " ارمانہ چیخ کر پلنگ کی دوسری طرف گئی۔ دوسری طرف باتھ روم تھا وہ دوڑتی ہوئی اور چادر کو سنبھالتی ہوئی باتھ روم میں داخل ہو گئی۔ پھر اس نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔

خالد کی کمر میں ایسی ٹھوکریں لگی تھیں کہ وہ تیزی سے آگے نہ بڑھ سکا۔ وہ ڈگمگاتا ہوا اور سنبھلتا ہوا باتھ روم کے دروازے تک آیا اور بولا۔

" جان من ——— ! شریف لڑکیاں صرف ایک بار ہی مرد سے اپنے جسم کی بازی ہارتی ہیں۔ وہ بازی تم مجھ سے ہار چکی ہو ——— اب تمہاری پارسائی کا بھرم اسی طرح قائم رہ سکتا ہے کہ تم دوسرے کے سامنے اپنی زبان بند رکھو۔ ورنہ فراز کو معلوم ہو گیا تو وہ تمہارے منہ پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرے گا۔ "

دروازے کے پیچھے سے ارمانہ کے رونے کی آواز آرہی تھی ——— خالد نے مسکرا کر وہسکی کی بوتل منہ سے لگا لی۔

ڈوبتی شام کا اجالا اور شفق کی ابھرتی ہوئی لالی رخسانہ کے چہرے کو گلنار بنا رہی تھی۔

وہ خوشی سے چاروں طرف گھوم گھوم کر دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں کے سامنے حد بندی کی دیوار مکمل ہو گئی تھی ——— چھ فٹ کی اونچی دیوار ——— اس کے قیصر کی طرح قدآور اور مضبوط ——— جس طرح قیصر اپنی باہوں کی مضبوط دیواروں میں اس کی حفاظت کرتا تھا۔ اسی طرح حد بندی کی دیوار اس کے مکان اور اس کی زمین کی حفاظت کر رہی تھی۔

اب تو یہ گھر اس کا تھا۔ یہ زمین اس کی تھی اور اس کا مالک قیصر اس کا تھا۔

تھوڑی سی مدت میں قیصر نے اسے بہت کچھ دیا تھا۔ ان میں سب سے زیادہ اہم اور پائیدار چیز قیصر کی محبت تھی ——— ایسی والہانہ محبت کہ جسے پا کر وہ گھبرا گئی تھی۔

اس کا دل کہتا تھا کہ وہ ایسی سچی محبت کی حقدار نہیں ہے۔ وہ اپنے چاہنے والے کو دھوکہ دے رہی تھی۔

جتنی شدت سے وہ اُسے چاہتا تھا۔ اتنی ہی شدت سے اسے اپنے گناہوں کا احساس ہوتا تھا۔ وہ بڑی مشکلوں سے اپنے اندرونی کرب کو دباتی تھی اور اوپر سے جبراً مسکراتی تھی۔

قیصر نے اسے ہنستے مسکراتے دیکھ کر اس کی گردن میں باہیں ڈال دیں۔ اس پر جھک گیا اور اس کی پیشانی پر اپنی پیشانی رکھ کر کہا۔

"ہم نے ایک اینٹ پر دوسری اینٹ رکھی اور ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دی۔ اس میں تمہاری محنت کا پسینہ بھی شامل ہے۔ یہ دراصل دیوار نہیں ہے بلکہ تمہاری محبت ہے میری زمین میرے گھر اور میرے دل میں ایک مضبوط بنیاد کے ساتھ کھڑی ہو گئی ہے۔ اسے کوئی گرانا بھی چاہے، توڑنا بھی چاہے تو نہ توڑ سکے۔"

رخسانہ نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

"دیوار میں کوئی کمزوری رہ جائے تو توڑنے والے توڑ ہی دیتے ہیں۔ اگر مجھ میں بھی کمزوری نظر آ گئی تو کیا آپ مجھ سے نفرت نہیں کریں گے ———؟"

"تمہارے اندر کوئی کمزوری ہو سکتی ہے۔ یہ میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ تم میں آخر بات کی کمی ہے۔ تم خوبصورت ہو۔ ایک محبت کرنے والا دل رکھتی ہو۔ دن رات میرے آرام کا خیال کرتی ہو۔ میری حکومت کرتی ہو۔ دیوار اٹھانا تمہارا کام نہیں تھا لیکن

پھر بھی تم تمام دن اینٹیں ڈھوتی اور پانی بھرتی رہیں۔ میری ہر محنت میں اپنی محبت اور
محنت کو شامل کرتی رہیں۔ پھر تم ہی بتاؤ کہ تمہارے اندر کیا کمزوری ہو سکتی ہے۔"

وہ اپنی تعریفیں سن کر پریشان ہو گئی ——— اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ
اتنی ساری خوبیوں کے درمیان اپنی ایک کمزوری کو کس طرح بیان کرے ——— اور اگر بیان
کر بھی دے تو کیا اتنی والہانہ محبت پانے کے بعد وہ اس کی نفرت کو برداشت کر سکے گی؟
سو باتوں کی ایک بات تو یہ تھی کہ وہ قیصر کو اتنی شدت سے چاہنے لگی تھی کہ اس کے اعتماد کو
ٹھیس پہنچا کر اس کا دل نہیں دکھانا چاہتی تھی۔

قیصر نے تعجب سے پوچھا۔

"یہ تم باتیں کرتے کرتے کیا سوچنے لگتی ہو؟"

"آں ——کچھ نہیں ......!"

وہ چونک کر بولی۔ پھر وہ مسکرانے لگی۔

"میں آپ کی محبت بھری باتوں میں گم ہو جاتی ہوں۔"

"اچھا ———!"

"ہاں ——— ایک بات بتائیے۔ آپ مجھ سے اتنی محبت کیوں کرتے ہیں"

"اپنی غلطی کی تلافی کرنے کے لئے...."

"غلطی کی تلافی ———؟ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں ———!" اس نے جواب دیا۔ "پہلے میں سوچتا تھا کہ عورت ا

مصیبت ہے۔ بیوی بن کر آئے گی تو گھر کے اخراجات بڑھیں گے اور اگر وہ نیت کی
کھوٹی نکلی تو مجھے اس کی نگرانی بھی کرنی پڑے گی۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ تم میری توقع سے
زیادہ وفادار ہو۔ میں اب تک عورت سے جتنی نفرت کرتا تھا۔ اتنی ہی محبت سے تمہیں
چاہنے لگا ہوں۔"

"مم ——مگر ——آپ نے کیسے اعتماد کر لیا کہ میں نیت کی کھوٹی نہیں ہوں ——؟"

"بس اعتماد کر لیا ——سچ پوچھو تو میں خود نہیں جانتا کہ میں تم پر اتنا اعتماد کیوں
کرنے لگا ہوں۔ شاید ——شاید اس لئے کہ محبت اندھی ہوتی ہے۔ وہ صرف محبوب کا
چہرہ دیکھتی ہے۔ اس کے عیب کو نہیں ٹٹولتی۔"

"اللہ ——آپ مجھے کتنا چاہتے ہیں؟"

اس نے فرطِ عقیدت سے اپنا سر اس کے سینے پر رکھ دیا۔ قیصر نے اس کی پیٹھ پر محبت
سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"تم چاہو تو میری اس چاہت کو اور مضبوط بنا سکتی ہو۔"

"وہ کیسے ———؟"

"بہت آسان سی بات ہے۔ جلدی سے مجھے یہ خوشخبری سنا دو کہ تم میرے بچے کی ماں
بننے والی ہو۔"

وہ گھبرا کر اس سے الگ ہو گئی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اسے بچے کا طعنہ دے

"کیا ہوا —— ؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

وہ اپنی گھبراہٹ کو چھپانے کے لئے دوسری طرف پلٹ گئی۔

وہ ہنستے ہوئے کہنے لگا۔

"اچھا —— سمجھ گیا —— تم بچے کے ذکر سے شرما گئی ہو —— بھئی اس میں شرمانے کی کیا بات ہے۔ ہماری محبت کی ایک جیتی جاگتی نشانی تو ہونا ہی چاہیئے۔"

سچ کہتا ہوں رخسانہ! میری یہ بڑی خواہش ہے کہ میرا بچہ تمہاری گود میں کھیلے۔

اس نے اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھنا چاہا مگر وہ یک بیک بدک کر بھاگی۔

"رخسانہ —— !" اس نے آواز دی۔

آواز اس کے کانوں تک —— اس کے دل تک —— اس کے ضمیر تک پہنچی مگر وہ بھاگتی چلی گئی —— کچی پکی اینٹوں پر سے گذرتی ہوئی۔ ڈربے کی بچھی ہوئی جالیوں پر سے دوڑتی ہوئی وہ گھر میں آئی۔ ایک کمرے سے گزرتی ہوئی دوسرے کمرے میں پہنچی اور دروازے کو اندر سے بند کر کے اپنے بستر پر آ کر گر پڑی —— پھر بہت دیر کے رکے ہوئے آنسو سیلاب کی طرح امڈ پڑے اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اب اسے اس حقیقت کا احساس ہوا کہ ساری دنیا اپنی نفرتوں سے اسے اس طرح نہیں مار سکتی ہے جس طرح قیصر اسے اپنی محبت سے مار رہا ہے۔

وہ روتی رہی۔ اپنی آہوں اور سسکیوں کو دباتی رہی تاکہ اس کے رونے کی آواز قیصر تک نہ پہنچے۔ زندگی کی ساری محبتیں اور مسرتیں حاصل ہونے کے بعد بھی وہ کیوں رو رہی

ہے۔ اس کا جواب وہ اپنے محبوب خاوند کو نہیں دے سکتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک کی آواز ابھری۔

"رخسانہ —— ! یہ کیا —— ؟ تم نے دروازہ کیوں بند کر دیا ؟"

وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور دوپٹے کے آنچل سے آنسو پونچھنے لگی۔

"دروازہ کھولو —— رخسانہ!"

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کھڑکی کے پاس آئی اور اس کے پٹ کھول کر بولی۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

وہ جلدی سے کھڑکی کی طرف آیا۔ رخسانہ نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے ؟" قیصر نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں —— ! میں خالہ جان کے پاس جانا چاہتی ہوں۔"

قیصر اسے بڑے دکھ سے دیکھنے لگا۔

"تم —— مجھے چھوڑ کر جاؤ گی ؟"

رخسانہ نے اس کے دکھ بھرے لہجے کو محسوس کیا اور جواب میں کچھ نہ کہہ سکی۔

"بولو رخسانہ! کیا تم مجھ سے جدا رہ سکتی ہو —— ؟"

وہ ہچکچاتی ہوئی بولی۔

"م میں —— میں مجبور ہوں ....."

"آخر کیا مجبوری ہے۔ مجھے بھی تو معلوم ہو —— میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یک بیک

"تمہارا مزاج کیوں بدل گیا ہے۔ کیا یہاں تمہیں کسی قسم کی تکلیف پہنچی ہے——؟"

"نہیں——!"

"پھر کیوں جانا چاہتی ہو ؟"

"اب میں کیسے آپ کو سمجھاؤں۔ کبھی کبھی لڑکیوں کو اپنا میکہ بھی یاد آتا ہے۔"

"اوہ——!" اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ ایک ہی ہفتہ میں تمہیں اپنا میکہ یاد آ جائے گا۔ میری محبت میں ضرور کوئی کمی آ گئی ہے—— بہر حال تم اطمینان رکھو۔ کل صبح تمہیں آنٹی کے پاس لے جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

رخسانہ گم صم کھڑی رہی۔ اس نے اپنے چاہنے والے کا دل توڑ دیا تھا۔ وہ سوچتی کچھ تھی اور ہوتا کچھ تھا۔ وہ قیصر کو دھوکا دینا چاہتی تھی مگر دے نہیں سکتی تھی۔ اسے ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی اس کا دل نہیں توڑنا چاہتی تھی اور—— اپنی کمزوری بتا کر اسے صدمہ نہیں پہنچانا چاہتی تھی۔

وہ بہت دیر تک اسی طرح کھڑی رہی۔ کمرے میں گہری تاریکی چھا گئی تھی۔ اس نے دیا سلائی اٹھا کر لالٹین روشن کی۔ پھر چولہے کے پاس آ کر اس نے چولہا جلایا اور روٹیاں پکانے لگی۔

قیصر اپنے بستر پر لیٹا ہوا سوچ رہا تھا۔ رخسانہ کے بدلے ہوتے رویے پر غور کر رہا تھا اور جتنا زیادہ وہ غور کر رہا تھا۔ اتنا ہی اسے زیادہ اس بات کا یقین ہوتا جا رہا تھا کہ رخسانہ

پریشان رہا کرتی ہے۔

پہلے وہ اس کی پریشانیوں کا اندازہ نہیں کر سکا تھا مگر اب وہ سوچ رہا تھا کہ وہ اکثر باتیں کرتے کرتے یک بیک کہیں کھو جاتی ہے۔ کچھ سوچنے لگتی ہے۔ کسی کو یاد کرنے لگتی ہے۔ شاید اپنی خالہ جان کو یاد کرتی ہے۔

وہ ٹھیک ہی کہتی ہے۔ میکہ یاد آنا ایک فطری بات ہے۔ سسرال میں رفتہ رفتہ دل لگتا ہے۔ وہ بے چاری کوشش تو یہی کرتی ہے کہ یہاں دل لگ جائے۔ اسی لئے تو تمام دن گھر کے کاموں میں مصروف رہتی ہے۔ رات کو میرے پاؤں دباتی ہے۔ میری محبت کا جواب محبت سے دیتی ہے اس محبت میں مجھے کوئی کھوٹ نظر نہیں آتا۔ اس ایک عورت کے وجود سے میرا گھر جن محبتوں اور مسرتوں سے بھر گیا ہے ان کا تصور بھی میں نہیں کر سکتا تھا۔

نہیں—— مجھے اس سے ناراض نہیں ہونا چاہئے۔ کیا حرج ہے اگر وہ دو ایک روز اپنی خالہ جان کے پاس رہ کر چلی آئے۔ جب یہاں پوری طرح اس کا دل لگ جائے گا تو وہ خود ہی میکے جانے کا نام نہیں لے گی۔

وہ بستر پر اوندھے منہ پڑا ہوا اپنی رخسانہ کے متعلق سوچتا رہا۔ پھر اس کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"اٹھیے—— روٹی کھا لیجئے!"

وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ رخسانہ بستر کے قریب سر جھکائے ہوئے کھڑی تھی۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" قیصر نے کہا۔

وہ نظریں چراتی ہوئی بولی۔

بھوک تو لگی ہوگی۔ مگر ـــــ آپ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔"

اس نے رخسانہ کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"میں نے ناراض ہونے کی کوشش کی تھی۔ پھر مجھے احساس ہوا ہے کہ یہ تم پر زیادتی ہوگی۔ تم ٹھیک کہتی ہو۔ لڑکیوں کو اپنا میکہ یاد آتا ہے۔ یہ میرا فرض ہے کہ جب بھی تمہیں خالہ جان کی یاد آئے میں تمہیں لے جا کر ان سے ملا دیا کروں ـــــ رخسانہ! تم جس طرح خوش رہو گی، میں اسی طرح تمہیں خوش رکھوں گا۔"

رخسانہ ندامت سے زمین میں دھنستی جا رہی تھی۔ قیصر کی محبت ایک ناقابل برداشت بوجھ بنتی جا رہی تھی۔ وہ اتنا بھاری بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں تھی۔

قیصر نے اس کا ہاتھ کھینچ کر اسے اپنے قریب بٹھا لیا ـــــ وہ سر جھکا کر لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

"آ ـــ پ ـــ مجھ سے اتنی محبت کیوں کرتے ہیں؟"

قیصر نے اس کی ٹھوڑی کو اٹھا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہارے سوا میرا اور کون ہے جس سے محبت کروں۔"

مگر میں اتنی زیادہ محبت کے قابل نہیں ہوں

قیصر نے مسکرا کر پوچھا۔

"تو کیا اپنی محبت میں کمی کر دوں؟"

"ہاں ـــــ!"

"تعجب ہے۔ کیا محبت ناپ تول کر کی جاتی ہے؟"

"نہیں ـــــ مگر محبت حد سے بڑھ جائے تو جدائی کی گھڑیاں گزاری نہیں جاتیں ـــ سان کب ملتا ہے اور کب بچھڑتا ہے۔ یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔ اگر میں بچھڑ گئی تو یہ محبت پ کو تنہائی میں پریشان کرے گی۔"

"تم کیوں بچھڑ جاؤ گی ـــــ؟ نہیں رخسانہ! میں ہمیشہ کے لئے تمہیں اپنے سے ا نہیں ہونے دوں گا۔"

رخسانہ نے اپنا سر اس کے شانہ پر اس طرح رکھ دیا جیسے تھک گئی ہو ـــ ہار گئی ہو ر کا خلوص اسے بات بات پر مات دے رہا تھا۔ وہ جتنا اس سے کترانا چاہتی تھی وہ اتنا نا اس کے دل کے قریب چلا آتا تھا۔

وہ رات بڑی کشمکش میں گزری۔ کشمکش یہی تھی کہ وہ قیصر کو دھوکہ نہیں دے سکتی تھی اور نہ ہی اپنی کمزوری بتا سکتی تھی۔ اسے تو اب کوئی تیسرا راستہ اختیار کرنا تھا۔

تیسرا راستہ کون سا ہے؟ وہ ابھی سوچ نہیں سکی تھی۔ فی الحال یہی مناسب تھا کہ وہ دو چار روز کے لئے قیصر سے دور ہو جائے ـــ نہ وہ قریب ہوگا اور نہ اس کی بات رلائے گی۔ اس سے دور رہ کر ہی وہ کوئی تیسرا فیصلہ کر سکتی ہے۔

دوسری صبح اس نے غسل کر کے ایک سفید ریشمی ساڑھی پہنی اور اپنے سوٹ کیس

بیں دو چار جوڑے کپڑے اور ضروری سامان رکھنے لگی۔ قیصر اداس تھا۔ لیکن اس کی خوشی کی خاطر اپنی اداسی کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس نے اپنی سائیکل سنبھالتے ہوئے کہا۔

"میں شہر جا کر ٹیکسی لاتا ہوں، تم تیار رہنا۔۔۔"

یہ کہہ کر وہ باہر آیا اور سائیکل چلاتا ہوا شہر جانے لگا۔

احاطہ سے نکلتے ہی ایک کچی سڑک شہر کی طرف جاتی تھی۔ اس راستے پر وہ تنہا آتا جاتا تھا۔ اسی راستے پر وہ پہلی بار اپنی دلہن کے ساتھ برسوں کے ویران پڑے ہوئے مکان میں آیا تھا۔ اور اسی راستے سے آج وہ اپنی دلہن کو واپس لے جانے والا تھا۔۔۔ راستہ وہی تھا مگر راستے کا ساتھی بچھڑنے والا تھا۔

وہ خیالوں میں کھویا ہوا اونچے نیچے راستے سے گزرتا رہا۔ پھر اچانک اس کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔

سائیکل کا اگلا پہیہ پنکچر ہو گیا تھا۔

وہ پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ ابھی تو صرف دو ہی فرلانگ کا فاصلہ طے ہوا تھا۔ شہر بہت دور تھا۔ وہاں تک سائیکل گھسیٹ کر جانا حماقت تھی ۔۔۔ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ گھر واپس جائے اور وہاں سائیکل چھوڑ کر پیدل ہی شہر کی طرف چل پڑے۔

وہ پیدل ہی گھر کی طرف چل پڑا۔

احاطہ کی چار دیواری چاروں طرف سے اتنی اونچی تھی کہ اس کا مکان چھپ کر رہ گیا

غا۔ وہ سائیکل گھسیٹتا ہوا احاطہ کے گیٹ سے داخل ہوا اور مکان کی دیوار سے ٹیک لگا کر ائیکل کو کھڑا کر دیا۔ پھر اس ویرانی اور خاموشی میں اسے گنگناہٹ کی آواز سنائی دی ۔۔۔ ہیں گنگناہٹ نہیں ۔۔۔ بلکہ رخسانہ کی مترنم آواز تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی سے ہیں کر رہی ہے۔

قیصر نے تعجب سے دروازے کی طرف دیکھا ۔۔۔ کیا وہ تنہائی میں بڑبڑا رہی ہے۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے سے داخل ہو کر کمرے میں آیا۔ دوسرے کمرے سے ے والی آواز اور زیادہ واضح ہو گئی تھی ۔۔۔ اس آواز میں درد تھا اور آنسوؤں کی آمیزش تھی

"خدایا ۔۔۔! میں کس عذاب میں مبتلا ہو گئی ہوں۔ میں کب تک اپنی ہی آگ میں جلتی ہوں گی۔۔۔"

قیصر دوسرے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر ٹھٹھک گیا۔ اس کے سامنے رخسانہ ئے نماز بچھائے ہوئے سجدے میں پڑی تھی اور رو رو کر کہہ رہی تھی۔

"مجھ گناہگار کو تو نے اتنی محبت کرنے والا خاوند کیوں دیا ہے۔ میں اس انعام کی مستحق ہیں ہوں۔ تیرا یہ انعام بھی میرے لئے ایک سزا ہے، ایک امتحان ہے ۔۔۔ میں اس تحان سے نہیں گزر سکتی۔ میں اپنی ناپاک زبان سے انہیں یہ نہیں کہہ سکتی کہ میں ایک ناپاک رت ہوں، ان کی محبت کے قابل نہیں ہوں۔۔۔۔"

قیصر آنکھیں پھاڑے حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اے رب کریم! تو ہی مشکلوں کو آسان کرنے والا ہے۔ میں انہیں دھوکہ نہیں دینا

چاہتی اور نہ ہی اپنی کمزوری کو بیان کرنے کی جرأت کرسکتی ہوں۔ یا خدا ــــ تو ہی کسی طرح انہیں بتا دے کہ میں قابلِ نفرت ہوں۔ میری کوکھ میں پرورش پانے والا بچّہ ان کا نہیں بلکہ ایک ظالم اور درندے کا ہے جس نے میری نادانی سے فائدہ اٹھا کر مجھے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رکھا ہے ... "

رخسانہ کا اعتراف قیصر کے دل میں گھونسے کی طرح لگ رہا تھا۔ ذہن میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ اعتماد ٹوٹ رہا تھا۔ ایک مرد کی مردانگی کے لئے یہ چیلنج تھا کہ ایک عورت نے محض دھوکہ دینے کے لئے اس سے شادی کی ہے۔ اپنے اور اپنے کسی چاہنے والے کے گناہ پر پردہ ڈالنے کے لئے اسے دھوکہ دیا ہے۔

اب وہ پچھتا رہی ہے۔ اتنے دنوں اس کی محبت اور اس کے اعتماد سے کھیلتے رہنے کے بعد اب مگرمچھ کے آنسو بہا رہی ہے۔

آنسو بہانے سے کیا ہوتا ہے؟

کیا آنسوؤں سے گناہوں کی سیاہی دھل سکتی ہے؟

کیا ایک عورت کی کھوئی ہوئی پاکیزگی واپس آسکتی ہے؟

وہ اب تک جسے پارسا اور محبت کرنے والی ہستی سمجھتا تھا۔ وہ ایک میٹھا زہر تھی۔ اوپر سے بیوی تھی۔ اندر سے فاحشہ تھی اور اگر فاحشہ نہیں بھی تھی تو اس نام کی تھوڑی سی سیاہی اپنے چہرے پر لگا چکی تھی۔ وہ قابلِ نفرت تھی اور اگر قابلِ نفرت نہیں بھی تھی تو محبت بھی حق اسے نہیں تھا۔

اور سب سے زیادہ دل دکھانے اور دل توڑنے والی بات یہ تھی کہ وہ اس کی بیوی رہتے ہوئے بھی اس کے بچّے کی ماں نہیں بن رہی تھی۔

وہ دروازے پر سے واپس پلٹ گیا۔ رخسانہ کی آنسو بھری فریاد دل و دماغ پر ہتھوڑے کی طرح لگ رہی تھی۔

وہ باہر آکر غصّہ سے پیچ و تاب کھانے لگا۔ اسے غصّہ بھی تھا اور صدمہ بھی ــــ آج اس کی محبت اسے زخمی کر رہی تھی۔ اس کے جی میں آرہا تھا کہ سامنے جو بھی آئے اس کے ٹکڑے کر دے۔ ہر چیز کو ٹھوکروں میں اڑا دے۔

پھر اس نے طیش میں آکر ٹھوکر ماری ــــ سامنے سائیکل رکھی ہوئی تھی۔ ٹھوکر لگتے ہی وہ زمین پر گر پڑی۔ احاطہ کی ویرانی اور خاموشی میں یہ آواز دور تک سرسراتی چلی گئی۔ پھر دھپا دھپ قدموں کی آواز سنائی دی۔ رخسانہ دوڑتی ہوئی باہر آئی اور قیصر کو دیکھ کر سہم گئی۔ اس کی زلفیں بکھری ہوئی تھیں۔ چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ اور وہ یوں دم سادھے کھڑی ہوئی تھی جیسے سانس لینا بھول گئی ہو۔

قیصر نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ رخسانہ کو دیکھ کر اسے اپنی وہ رخسانہ یاد آرہی تھی دلربا تھی، محنت کش تھی اور محبت بھری اداؤں سے اسے مدہوش کر دیتی تھی ــــ آہ! مگر اب وہ طلسم ٹوٹ گیا تھا۔

اس نے بڑی بے رخی سے کہا۔

"میں ٹیکسی لے کر آتا ہوں، تمہارے لئے میکہ ہی بہتر ہے "

وہ تیزی سے چلتا ہوا احاطہ کے گیٹ سے باہر نکل گیا۔

رخسانہ آنسوؤں میں دھندلائی ہوئی آنکھوں سے ٹھوکر کھائی سائیکل کو دیکھ رہی تھی —
یکل کی طرح ازدواجی زندگی کے بھی دو پہیئے ہوتے ہیں۔ مگر آج اس زندگی کا ایک پہیہ پنکچر
لیا تھا۔

ارمانہ کی دنیا اُجڑ چکی تھی۔

اداس چہرہ، جھکی ہوئی شرمسار آنکھیں، ہارا ہوا جسم اور اس جسم پہ سیدھا سادا سا
ید لباس دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ وہ تمام رنگینیوں کو بھول چکی ہے۔ مسکرانا اسے یاد نہیں
ا تھا۔ بناؤ سنگار سے دل اُچاٹ ہو گیا تھا۔ وہ بیوہ نہیں تھی۔ بیاہتا نہیں تھی اور
اری بھی نہیں تھی۔ وہ کیا تھی؟ وہ خود نہیں جانتی تھی۔

سچ بات تو یہ ہے کہ وہ اندر سے مر گئی ہے۔

پھوپھی نے کئی بار اسے سمجھایا کہ وہ رنگین لباس پہنے، سنگار کرے، ہنسے اور
لے اور اپنی زندگی کا ثبوت دے۔ لیکن وہ بہانے کر کے ٹال دیتی۔ اپنے کمرے سے
ہنا بھی اسے گوارا نہیں تھا — باہر جانے سے خالد کا سامنا ہوتا۔ وہ ایسے آدمی

کے سامنے نہیں جا سکتی تھی ۔ اس سے آنکھیں نہیں ملا سکتی تھی ، جس نے اس سے عورت کا غرور چھین لیا تھا ۔

" آہ ـــــ ! یہ کیسی تباہی تھی ، یہ کیسا ظلم تھا کہ وہ ظلم کی طرف انگلی بھی نہیں اُٹھا سکتی تھی ۔ کسی کے سامنے زبان کھول کر یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ اس درندے نے اس کا سب کچھ لوٹ لیا ہے ۔ کیونکہ عورت لٹنے کے بعد ہمدردی کی مستحق نہیں ہوتی بلکہ بدنامی کے راستے ہموار کر لیتی ہے ۔

وہ فریاد بھی کس سے کرتی ؟ پھوپھی سے یا اپنے ڈیڈی سے ـــــ وہ خالد کا کیا بگاڑ لیتے بلکہ اسی کے حق میں فیصلہ کرتے کہ جب یہاں تک نوبت آئی ہے تو اب اس کی شادی سے ہو جانا چاہیئے ـــــ اور ابھی وہ یہ فیصلہ منظور نہیں کرنا چاہتی تھی ۔

اس لئے وہ خالد کے سامنے نہیں جانا چاہتی تھی ۔ اس نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ ا کے کمرے میں پھوپھی کے سوا کوئی نہ آئے ۔

خالد کچھ روز تک اس یقین سے انتظار کرتا رہا کہ جال میں آیا ہوا پرندہ پہلے اسی طرح پھڑپھڑاتا ہے ۔ دوبارہ پرواز کا راستہ تلاش کرتا ہے لیکن جب تمام راستے مسدود ہو جاتے ہیں اور جال کی مضبوطی کا اسے یقین ہو جاتا ہے تو پھر وہ صیاد کے سامنے شکست تسلیم کر لیتا ہے

خالد بھی ایک صیاد کی طرح مطمئن رہا اور اپنے دشمن کو دعائیں دیتا رہا ۔ جس کی وجہ سے ارمانہ جیسی مغرور لڑکی اس کے شکنجہ میں آ رہی تھی ۔ وہ جانتا تھا کہ وہ لڑکی کمرے میں بند ہو کر تلملا رہی ہے ، پھڑپھڑاتی ہے اور اپنے صیاد کے متعلق سوچتی رہتی ہے ۔ اب تو اس کی شرافت کا یہی

تقاضہ ہوگا کہ جس سے ایک بار ہار چکی ہے اس کی ہمیشہ کے لئے ہو کر رہ جائے ۔

ایک ہفتہ گزر گیا ـــــ لیکن وہ کمرے سے باہر نہ نکلی ۔ پھوپھی پریشان تھیں کہ آخر اس لڑکی کو کیا ہو گیا ہے ؟ خالد سے سامنا نہ کرنے کا مطلب تو یہی ہو سکتا تھا کہ وہ اُسے پسند نہیں کرتی ہے ۔ پھوپھی کو اس کا رویہ سخت ناگوار گزرا ۔ بھلا اتنے بڑے دولت مند کو ٹھکرا دینا کہاں کی عقلمندی ہے ۔ اور پھر ایسی صورت میں جبکہ وہ خود اس سے ملنے کے لئے اتنی دور سے آیا ہے اور یہاں مہمان کی اور ہونے والے داماد کی حیثیت رکھتا ہے ۔

" آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے ـــــ ؟ " انہوں نے ناراض ہو کر کہا ۔ " تمہیں کم از کم اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ خالد میاں ہمارے مہمان ہیں ۔ وہ تمہاری اس گوشہ نشینی کے متعلق کیا سوچتے ہوں گے ؟ "

ارمانہ نے منہ پھیر کر جواب دیا ۔

" میں ان کے متعلق نہیں سوچتی تو انہیں بھی میرے متعلق نہیں سوچنا چاہیئے ۔ "

" ایسی بات ہے تو پھر شادی کے بعد زندگی کس طرح گزرے گی ـــــ ؟ "

" جب شادی ہو گی تو دیکھا جائے گا ۔ " وہ بے رخی سے بولی ۔

پھوپھی نے اسے حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا ۔

" تعجب ہے ۔ تم تعلیم یافتہ ہو کر ایسی بات کہہ رہی ہو ۔ حالانکہ جاہل لڑکیاں بھی شادی سے پہلے یہ سوچتی ہیں کہ ان کی ازدواجی زندگی کس طرح گزرے گی ـــــ نہیں ارمانہ ! بہتر یہ ہے کہ تم شادی سے پہلے مجھے اپنا فیصلہ سنا دو ۔ میں نہیں چاہتی کہ تم کسی کے دباؤ میں

آکر شادی کرو اور اپنی زندگی برباد کر ڈالو ——— خالد میاں آج واپس جا رہے ہیں۔ وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ تم بھی ان سے مل کر آج کوئی فیصلہ کر لو۔"

"میں ان سے نہیں ملنا چاہتی . . . ."

"کیوں ——— ؟"

"بس یونہی ——— !"

"مجھے ٹالنے کی کوشش نہ کرو۔ آج تمہیں اس سے ملنا ہی ہوگا۔ میں نہیں چاہتی کہ یہاں سے رخصت ہونے والا مہمان ہمارے متعلق کوئی غلط رائے قائم کرے۔"

وہ جاتے ہوئے پلٹ کر بولیں۔

"میں خالد میاں کو یہاں بھیج رہی ہوں۔"

"نہیں ——— !"

وہ گھبرا گئیں۔ اس کمرے میں وہ خالد کے تصور ہی سے کانپ جاتی تھی۔ اس ی سے کہا۔

"آپ ——— آپ انہیں یہاں نہ آنے دیں . . . ."

"کیوں ——— ؟" انہوں نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

وہ نظریں چراتی ہوئی بولی۔

"مم ——— میرا مطلب یہ ہے کہ میں خود ڈرائنگ روم میں آرہی ہوں۔"

"او ——— اچھا ——— !" انہوں نے مطمئن ہو کر کہا۔ "تم جا کر اس سے

کرو، میں تم لوگوں کے لئے چائے بنا کر بھیجتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ چلی گئیں۔

ارمانہ اندر ہی اندر کانپنے لگی۔ اسے ایسے آدمی کے پاس جانا تھا جس سے وہ نظریں بھی نہیں ملا سکتی تھی۔

مگر جانا ضروری تھا۔ نہ جاتی تو کب تک منہ چھپاتی؟ اس دنیا میں اپنی مرضی کے خلاف جینا پڑتا ہے۔ اپنی مرضی کے خلاف شکست کھانا پڑتا ہے اور شکست دینے والے کے سامنے اپنی کمزوری کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

وہ آہستہ آہستہ ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے باہر آئی ——— ڈرائنگ روم میں خالد اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی مسکرا کر کھڑا ہو گیا۔

"کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے ——— یہ آنکھیں تو تمہیں دیکھنے کے لئے ترس گئی تھیں۔"

ارمانہ سر جھکائے ہوئے کھڑی تھی۔ وہ اپنی آواز میں مضبوطی پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔

"آپ مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش نہ کریں۔"

خالد نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"ہمارے درمیان کے تمام پردے اٹھ چکے ہیں۔ اب بے تکلفی کے لئے باقی کیا رہ گیا ہے ——— ؟"

وہ گھبرا کر کچن کی طرف دیکھنے لگی۔

"وہ گھبراؤ نہیں، تمہاری پھوپھی جان بہت عقلمند ہیں۔ وہ ہماری تنہائی میں مخل ہونے کے
لئے نہیں آئیں گی ——— دیکھو ارمانہ! میں نے اب تک زبان بند رکھی ہے۔ تمہاری عزت
کو اپنی عزت اس لئے سمجھتا رہا ہوں کہ تم میری بن جاؤ گی۔ میں ایک ہفتہ تک انتظار کروں گا
تم پھر خوشی سے میری آغوش میں آجاؤ گی۔ مگر ۔۔۔۔"

ارمانہ نے بات کاٹ کر غصہ سے کہا۔

"آپ ایسی بے شرمی کی باتیں مجھ سے نہ کریں ——— ورنہ میں چلی جاؤں گی۔"

وہ طنزیہ انداز میں بولا

"جانے سے پہلے یہ بھی سن لو کہ میں تمہاری بربادی کی داستان سب سے پہلے فراز
کو سناؤں گا۔"

ارمانہ کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔

وہ ذرا قریب آکر بولا۔

"تمہارا چاہنے والا تمہیں مبارک ہو۔ تم اس کے سامنے ساری زندگی اپنی پارسائی
بھرم رکھ سکتی ہو۔ لیکن میری مرضی کے خلاف قدم اٹھاؤ گی تو میں ساری دنیا کے سامنے تمہیں بدنا
کردوں گا ——— عورت کی اس کمزوری کو میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ دنیا کی نفرت بھری نگا
برداشت کرلیتی ہے مگر اپنے محبوب کی ذراسی نفرت اور بے رخی برداشت نہیں کرسک
کیا میں جھوٹ کہتا ہوں ——— ؟ کیا تم اسے پسند کروگی کہ فراز تمہیں ایک اجڑ
ہوئی عورت سمجھے اور تم سے نفرت کرے ——— ؟"

ارمانہ کا ہاتھ بے اختیار اپنے دھڑکتے ہوئے سینے پر آگیا ——— خالد ٹھیک ہی کہہ رہا
تھا۔ وہ فراز کی نظروں سے گرنا نہیں چاہتی تھی۔ جسے اپنی محبت، اپنی پاکیزگی اور اپنی وفاؤں
کا یقین دلا چکی تھی۔ اب اس کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتی تھی۔

خالد نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"ارمانہ ——— ! تمہارے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اپنی شرافت کو گلے لگا کر
مر جاؤ یا پھر میرے اشاروں پر چلو۔۔۔۔"

ارمانہ نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا۔

"میں مرجاؤں گی ——— ہاں، بے حیائی کی زندگی سے یہی بہتر ہے ——— میں مر
جاؤں گی۔"

وہ طنزیہ انداز میں بولا۔

"مگر پھر بھی تم مر نہ سکو گی۔ اس سے پہلے تمہیں یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ دو لاکھ روپے کے
قرض کا کیا بنے گا۔ کیا تم پسند کروگی کہ تمہارے مرنے کے بعد تمہارے ڈیڈی اس بڑھاپے
میں جیل جائیں ——— ؟ جوان بیٹی کی خودکشی باپ کے لئے طعنہ بن جاتی ہے۔ لوگ کچھ
سمجھتے ہوئے بھی بہت کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ وہ لٹی ہوئی عزت کا ماتم نہیں کرتے، مذاق اڑاتے
ہیں۔ باپ کا بڑھاپا اس مذاق کو برداشت نہیں کرسکے گا۔ جیل کی زندگی ہی گزار سکے گا۔
اچھا سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو ——— تمہاری موت تمہارے خاندان کے بہت سے افراد کی
موت ہوگی ——— اور تمہاری زندگی، باپ کا قرض ادا کرسکتی ہے۔ اس کے بڑھاپے کو

سکون پہنچا سکتی ہے اور سارے خاندان کو بدنامی سے بچا سکتی ہے۔''

ارمانہ کشمکش میں گرفتار ہو گئی۔ نہ وہ مر سکتی تھی، نہ ہی زندہ رہ سکتی تھی —— وہ اپنا فیصلہ اپنی مرضی سے نہیں کر سکتی تھی۔

خالد نے مسکرا کر کہا۔

''میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ تم مجھ سے دوستی کرو تو میں تمہاری ساری مشکلیں آسان کر سکتا ہوں۔

میں دو لاکھ کا قرض معاف کر سکتا ہوں۔

میں تم سے شادی بھی نہیں کروں گا۔ بلکہ خوشی سے اجازت دوں گا کہ تم فراز سے شادی کر کے اپنی خوشی پوری کر لو۔''

''سچ ——!'' وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''ہاں —— بالکل سچ ——! مجھے جو کچھ تم سے حاصل کرنا تھا وہ کر چکا ہوں۔''

وہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ خالد نے مسکرا کر کہا۔

''میں تمہاری تمام خوشیاں پوری کر رہا ہوں۔ میری شرط صرف اتنی سی ہے کہ تم بھی کبھی کبھی مجھے خوش کر دیا کرو۔''

وہ گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

''آپ کو ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم آنی چاہیئے۔''

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہمارے درمیان کوئی شرم رہ گئی ہو تو شرمانا اچھا لگتا ہے۔ خواہ مخواہ جھوٹی شرم کا واسطہ دے رہی ہو؟ ذرا عقل سے کام لو۔ صرف ایک فراز کو دھوکہ دے کر تم زندگی کی ساری خوشیاں حاصل کر سکتی ہو۔ اپنے عیب پر پردہ ڈال سکتی ہو اور اپنے باپ کا قرض اتار سکتی ہو۔

میں صرف اتنی ہی بات کہنے کے لئے رکا ہوا تھا۔ اب میں جا رہا ہوں۔ اگر تمہیں میری شرط منظور ہے تو ایک ہفتہ کے اندر لاہور واپس چلی آنا۔ اگر ایک ہفتہ گزر گیا تو میری دوستی دشمنی میں بدل جائے گی۔ پھر تم کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گی۔۔۔''

یہ کہہ کر وہ تیزی سے پلٹا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر چلا گیا۔

ارمانہ دیدے پھیلائے اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ گناہ کے تصور سے سارا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ وہ زمین پر کھڑی ہوئی تھی مگر اسے یوں لگ رہا تھا جیسے زمین کے اندر دھنستی جا رہی ہے۔

رخسانہ اور قیصر لاہور پہنچ گئے۔

وہ تمام راستے خاموش رہے۔ قیصر اپنے طور پر سوچتا رہا۔ اور رخسانہ اپنی آگ میں جلتی رہی اور چپکے چپکے روتی رہی —— قیصر کو یہ صدمہ تھا کہ اسے دھوکہ دیا گیا ہے اور رخسانہ کو یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ اب اس کی زندگی کے تمام آنسو بھی اس کے گناہ کی سیاہی کو نہ دھو سکیں گے۔ وہ اسی طرح ذلیل اور رسوا ہوتی رہے گی۔

رابعہ خاتون ان دونوں کی اچانک واپسی سے پریشان ہو گئیں۔ پریشانی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان دونوں کے چہروں پر ہنسی نہیں تھی۔ وہ ایکدوسرے سے کھنچے کھنچے سے تھے میاں بیوی والی اپنائیت نہیں تھی۔ اور یہ آثار ایسے تھے کہ انہیں خطرے کا احساس ہو گیا تھا۔

پھر بھی انہوں نے مسکرا کر بڑی اپنائیت سے ان کا استقبال کیا۔

"آؤ بیٹا ——! اچھا ہوا کہ تم رخسانہ کو لے آئے۔ میں سوچ رہی تھی کہ احمد نگر جا کر اسے دیکھ آؤں۔"

قیصر نے روکھے پن سے کہا۔

"جی ہاں ——! اسی لئے میں آپ کی بیٹی کو لے آیا ہوں کہ آپ کو بار بار اتنی دور آنے جانے کی تکلیف نہ ہو۔ اب یہ آپ ہی کے پاس رہیں گی۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلتا ہوا گیسٹ روم کی طرف چلا گیا۔

رابعہ خاتون تھوڑی دیر تک اس کی بات پر غور کرتی رہیں۔ پھر انہوں نے رخسانہ سے پوچھا۔

"کیا بات ہے، قیصر کا مزاج کیوں بدلا ہوا ہے؟"

رخسانہ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔

"ارے تو روتی کیوں ہے؟ کیا اسے معلوم ہو گیا ہے؟"

رخسانہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

انہوں نے پوچھا۔

"کیا وہ باپ بننے سے انکار کر رہا ہے؟"

رخسانہ نے پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

انہوں نے غصہ سے کہا۔

"اس کی کیا مجال کہ انکار کر دے۔ چار آدمیوں کے سامنے نکاح پڑھا یا ہے۔ وہ جائز خاوند ہے تو جائز باپ بھی کہلائے گا۔ ٹھہرو میں ابھی اس بات کا فیصلہ کرتی ہوں۔"

وہ غصہ میں طلملاتی ہوئی آگے بڑھیں۔

رخسانہ نے کہا۔

"ٹھہریئے خالہ جان! میری قسمت میں جو لکھا تھا۔ وہ پورا ہو گیا۔ آپ ان سے کچھ نہ کہیں۔۔۔۔۔"

"کیوں نہ کہوں —— کیا تمہیں بدنام ہونے کے لئے چھوڑ دوں؟ میرے جیتے جی یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔"

"لیکن سنیئے تو۔۔۔۔۔"

"میں کچھ سننا نہیں چاہتی، تم جاؤ اپنے کمرے میں۔۔۔۔۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی گیسٹ روم کے دروازے پر آئیں اور ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئیں۔

قیصر کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا باہر لان کی طرف خالی خالی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

رابعہ خاتون نے ذرا سخت لہجے میں پوچھا۔

"یہ رخسانہ کیوں رو رہی ہے ——؟"

وہ جوں کا توں کھڑا رہا اور بڑے ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا۔

"پچیس ہزار روپے کے لالچ میں آکر یہاں بھی رو رہا ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ میرے آنسو

ظر نہیں آتے۔"

"مجھے تمہارے آنسوؤں سے کوئی مطلب نہیں ہے، میں نے تمہیں بیٹی دی ہے۔ میں ںکے دکھ سکھ کا حساب تم سے لوں گی۔"

"حساب برابر ہو چکا ہے۔ پچیس ہزار مجھے مل چکے ہیں اور پندرہ ہزار آپ کی بیٹی کے حصے میں گئے ہیں۔ دولت کے حساب میں کتنے آنسو آتے ہیں اور کتنی خوشیاں مر جاتی ہیں۔ ان کا حساب نہ کبھی ہے اور نہ ہو گا۔"

رابعہ خاتون غصے سے ہونٹوں کو بھینچ کر اسے دیکھنے لگیں۔ پھر انہوں نے کہا۔

"اُدھر باہر کیا دیکھ رہے ہو۔ مجھ سے نظریں ملا کر باتیں کرو۔"

"میں آپ کی بزرگی کا احترام کر رہا ہوں۔ اگر میں نے نظریں ملا کر باتیں کیں تو آپ کی نظریں جائیں گی۔"

"بکواس مت کرو۔ کیا میں نے تمہاری چوری کی ہے یا تمہیں دھوکہ دیا ہے کہ تم سے ں چراؤں گی۔"

دھوکہ دیا ہے یا نہیں —— یہ اپنے اور اپنی بیٹی کے دل سے پوچھئے اور جو بات پردے ہے اسے پردے میں ہی رہنے دیجئے۔"

رابعہ خاتون نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا۔

"پردے کی کوئی بات نہیں ہے۔ رخسانہ نے مجھے بتایا ہے کہ وہ ماں بننے والی ہے اور تم اس بچے کے باپ ہو۔۔۔۔"

"نہیں ـــــ !" رخسانہ کی آواز آئی۔

دونوں نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ دروازے پر کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے دروازے کو بند کرتے ہوئے کہا۔

"میں اپنے گناہ کا الزام کسی شریف آدمی کے سر نہیں تھوپ سکتی۔"

"کیا بکتی ہے ـــــ؟" انہوں نے بگڑ کر کہا۔

"بکتی نہیں۔ سچ کہتی ہوں۔ مجھے بدنامی سے بچانے کے لئے آپ کا جو فرض تھا وہ آپ پورا کر چکی ہوں۔ لیکن میرا ضمیر مجھے مجبور کر رہا ہے کہ میں ایک شریف آدمی کی قدر کروں۔ میں ساری دنیا سے چیخ چیخ کر کہوں گی کہ میں گناہگار ہوں، میں قابل نفرت ہوں۔ لوگو! مجھے مارو ـــــ میرے منہ پر تھوکو ـــــ لیکن اس ظالم سے بھی جواب طلب کرو جو ایک یتیم لڑکی کو دولت کی چمک دمک میں محبت کا فریب دیتا ہے۔ جھوٹے فریب کرتا ہے اور اس غریب کی آخری پونجی تک چھین لیتا ہے ـــــ اب میں بدنامی سے نہیں ڈرتی ـــــ میں بدنام ہو جاؤں گی مگر اس ظالم کو بھی ضرور بدنام کروں گی۔"

رابعہ خاتون نے گھبرا کر اس کے منہ پر طمانچہ مارا اور چیخ کر کہا۔

"خبردار! آگے کچھ کہا۔ کیا ہمارے احسانوں کا یہی بدلہ ہے کہ تو ہمیں بدنام کرے۔"

رخسانہ نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

"میں ـــــ میں آپ کو بدنام نہیں کر رہی ہوں۔"

انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"اس کی بدنامی میری بدنامی ہے۔ اگر تو نے زبان سے ایک لفظ بھی نکالا تو میں اپنی جان دے دوں گی۔"

قیصر گہری نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا اور بڑے غور سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔

"خالہ جان ـــــ" رخسانہ نے کہا۔ "آپ کے احسانات اور آپ کی موت کی دھمکی سن کر میں خاموش رہی تو میرے گناہ کا بوجھ قیصر کو اٹھانا پڑے گا۔ لیکن میں فیصلہ کر چکی ہوں کہ جس کا بوجھ ہے وہی اسے اٹھائے گا۔"

"تو نہیں مانے گی ـــــ!" تڑاخ ـــــ تڑاخ ـــــ رابعہ خاتون بے تحاشہ اسے مارنے لگیں۔

قیصر نے آگے بڑھتے ہوئے چیخ کر کہا۔

"بند کرو یہ ناٹک ـــــ!"

وہ دونوں ٹھٹھک کر اسے دیکھنے لگیں۔ قیصر نے حقارت سے کہا۔

"اب کسی کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ گناہگار کون ہے ـــــ میں اسے اچھی طرح پہچان گیا ہوں......"

یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے دروازے کی طرف گیا اور ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر چلا آیا۔ کوٹھی میں شاید اس وقت ان کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔ ورنہ چیخ و پکار کی آواز سن کر بھیڑ لگ جاتی۔ قیصر غصہ میں بھرا ہوا کوٹھی سے باہر آیا اور بائیں طرف گھوم کر کوٹھی کے پیچھے باغ کی طرف جانے لگا۔

اُس نے رابعہ خاتون کے رویّے سے اندازہ لگایا تھا کہ ایک ماں اپنے بیٹے کے گناہوں کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ رُخسانہ کو اپنے احسانات کا واسطہ دینا اور رُخسانہ کا خود کو یتیم کہہ کر دولت اور محبت کے فریب میں آجانا ——— اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ خالد اور فراز میں سے کوئی ایک گناہگار ہے۔ دولت کم و بیش دونوں ہی کے پاس تھی۔ ایک یتیم لڑکی دونوں ہی کے سائے میں پرورش پاتی رہی تھی۔ اور رابعہ خاتون کی گھبراہٹ نے بہ ظاہر کر دیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے فراز کی غلطی کو چھپانے کی کوششیں کر رہی تھیں ——— خالد تو سوتیلا بیٹا تھا۔ ایک ماں سوتیلے بیٹے کی عزت نہیں بلکہ سگے بیٹے کی عزّت کا زیادہ خیال کرتی ہے۔

قیصر کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو وہ بھی یہی سوچتا کہ رابعہ خاتون اپنے بیٹے کی بدنامی ہوتے دیکھ کر گھبرا گئی ہیں اور رُخسانہ کی زبان بند کرنے کے لئے اُسے بے تحاشہ مار رہی ہیں۔ قیصر کا ذہن بھی اسے بہکا کر کالج کی طرف لے آیا۔

کالج کے سامنے پہنچ کر اس کے قدم سست پڑنے لگے۔ اس کے دل نے کہا۔

"فراز دیکھنے میں ایسا نہیں لگتا ——— کیا اس کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ اور ہے ———؟"

قیصر کا دل نہیں مان رہا تھا کہ وہ کسی معصوم لڑکی کی عزت سے کھیل سکتا ہے وہ ——— وہ تو ارمانہ سے محبت کرتا ہے۔

وہ کشمکش و پیچ میں رہ گیا۔ رابعہ خاتون اور رخسانہ کی تکرار سے ظاہر ہو رہا تھا کہ فراز خطا کار ہے اور فراز کا ظاہری کردار بتا رہا تھا کہ وہ سلجھے ہوئے ذہن کا ایک شریف آدمی ہے۔

وہ سوچ میں ڈوبا ہوا کالج کے احاطہ میں آیا۔ اس کے سینے میں انتقام کے شعلے بھڑک رہے

تھے۔ اسے غصہ اس بات کا تھا کہ رُخسانہ کو برباد کرنے والے نے اسے بھی بے وقوف بنایا ہے کنواری دُلہن کے گھونگھٹ میں لپیٹ کر اُسے ایک جھوٹی عورت کا تحفہ دیا ہے۔

کالج کے اندر فراز ایک اسٹول پر بیٹھا ہوا تھا اور سر جھکائے گٹار کے تاروں کو درست کر رہا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ قیصر دروازے سے داخل ہو کر نپے تلے قدموں سے چلتا ہوا اس کی طرف آرہا تھا۔

پھر وہ قریب آکر کھڑا ہو گیا اور اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔

فراز نے دوبارہ سر جھکا لیا اور تاروں کو درست کرنے لگا۔

"کب آئے ———؟"

"ابھی ———!" اس نے مختصر سا جواب دیا۔

"رُخسانہ کیسی ہے؟" فراز نے پوچھا۔

قیصر کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ وہ رُخسانہ کو پوچھ رہا تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ ابھی رُخسانہ میں اس کی دلچسپی باقی ہے۔ اس نے غصّہ کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"تمہیں بہت یاد کرتی ہے۔ میرے گھر میں اس کا دل نہیں لگ رہا ہے۔ میرا خیال ہے وہ مجھ سے نہیں کسی اور سے محبت کرتی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ تم تو محبت کے فلسفے کو اچھی طرح سمجھتے ہو۔"

"اونہہ محبت ———!" فراز نے حقارت سے کہا۔ "محبت ایک فریب کا نام ہے۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"قیصر بھائی ——! آپ نے ٹھیک کہا ہے۔ میں محبت کے فلسفہ کو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں —— محبت ہوس کے سوا اور کچھ نہیں —— محبت کا نام لو اور ایک دوسرے کو بے وقوف بناؤ —— محبت کا نام لو اور محبوب کے جذبات سے کھیل کر اُسے بھول جاؤ۔"

قیصر اسے دانت پیستے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ فراز اس کے اندرونی کرب سے بے خبر اس کی طرف سے بے خبر منہ پھیرے گٹار کے تاروں کو ٹٹول رہا تھا۔

قیصر نے پوچھا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم بھی کسی کو کھلونا بنا چکے ہو —— ؟"

فراز نے جواب دیا۔

"عورت جب کھلونا بن جاتی ہے تو اسے کھیل کر پھینک دینا چاہیئے۔ میں نے بھی اسے"

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی قیصر کا ہاتھ گھوم گیا۔ فراز کی کنپٹی پر اس کا ہاتھ پڑا تھا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پلنگ کے سرے پر آگرا —— پھر اتنی ہی تیزی سے پلٹ کر حیرت سے قیصر کو دیکھا۔

"قیصر بھائی ——! کیا آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے ؟"

"دماغ میرا نہیں تمہارا خراب ہے۔ عورت کی عزت سے کھیلنے والے درندے! تمہاری انسانیت کہاں مر گئی ہے ۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے فراز کے منہ پر ایک ٹھوکر ماری —— فراز دوسری طرف الٹ گیا جہاں وہ گرا تھا وہاں فرش پر گٹار پڑا ہوا تھا۔ اس نے پھرتی سے گٹار کو اٹھایا اور فرش پر

اٹھتے اٹھتے اس پر حملہ کر دیا —— گٹار قیصر کے منہ پر پڑا اور سٹول سمیت فرش پر گر پڑا۔

فراز نے جھلا کر کہا۔

"انسانیت گئی جہنم میں —— میں کسی کی بھی عزت سے کھیلوں، آپ کون ہوتے ہیں مجھے نصیحت کرنے والے —— ؟"

قیصر نے قریب پڑے ہوئے اسٹول کو اٹھا کر اس کا نشانہ لیا۔ فراز بچتے بچتے پیچھے کی طرف ہٹنے لگا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا، قیصر جست لگا کر اس پر چھا گیا۔ دونوں فرش پر گرے اور ایک دوسرے پر گھونسوں کی بارش کرتے ہوئے لڑھکتے لڑھکتے دروازے تک پہنچ گئے۔

لڑتے لڑتے ہانپ رہے تھے اور بڑبڑا رہے تھے۔ قیصر کہہ رہا تھا۔

"ذلیل —— کمینے —— عورت صرف کھلونا نہیں ہوتی۔ کسی کی بیٹی اور کسی کی بیوی بھی ہوتی ہے ....."

فراز کہہ رہا تھا۔

"بے حیا عورت نہ تو کسی کی بیٹی ہوتی ہے اور نہ ہی کسی کی بیوی ہوتی ہے —— میں بھی آپ کو سمجھاتا ہوں کہ آپ مجھ سے نہ اُلجھیں ....."

یہ کہتے ہوئے اس نے قیصر کو ٹانگوں سے اُچھال کر دروازے کے باہر پھینک دیا۔ وہ باغیچے کی روش پر آ کر گرا۔ فراز نے دروازے پر سے اس پر چھلانگ لگائی لیکن وہ لڑھکتا ہوا دوسری طرف چلا گیا۔ لیکن فراز منہ کے بل روش پر گر پڑا۔

پھر ایک بار دونوں سنبھل کر اٹھے اور آپس میں گتھم گتھا ہو گئے —— لات، گھونسے
بازو توڑ حملے —— جھاڑیاں لرز رہی تھیں —— پھول روندے اور کچلے جا رہے تھے ——
سوکھے پتے چرمرا رہے تھے —— ہوا میں بکھر رہے تھے —— فضا میں سانسوں کے بھبکے
چھوٹ رہے تھے۔ ان کی نگاہوں کے سامنے سارا منظر دھندلا رہا تھا۔ زخموں سے جسم ٹوٹ
رہے تھے۔ چہرہ لہولہان ہو رہا تھا۔ وہ تھک کر چور ہو رہے تھے لیکن غصے کی آگ بدستور تھی
وہ گر گر کر سنبھلنے کی کوشش کر رہے تھے —— ٹکر برابر کی تھی۔ کوئی کسی سے ہار ماننے کیلئے
تیار نہ تھا۔

پھر دونوں ہی بے دم ہو کر رہ گئے۔ اب ان میں اتنی بھی سکت نہ تھی کہ اپنے پیروں پر کھڑے
ہو سکتے —— دونوں ڈگمگاتے ہوئے ایک دوسرے کے مقابل آئے۔ پھر اپنی تمام بچی کھچی توانائی
جمع کرتے ہوئے ایک دوسرے کو دھکا دیا اور دونوں ہی لڑکھڑاتے ہوئے پیچھے کی طرف جھاڑیوں
میں جا کر الجھ گئے —— جھاڑیاں ان کے بوجھ سے ہلنے لگیں اور ماں کی گود کی طرح انہیں ہلکورے
دینے لگیں۔

جسم کی تھکن کا نام بڑھاپا ہے۔ وہ تھک کر چور ہو گئے تھے اور بوڑھوں کی طرح ہانپ رہے
تھے بلکہ ہانپنے اور سانس لینے میں بھی انہیں تکلیف ہو رہی تھی۔ پھر وہ جھاڑیوں پر سے لڑھک
کر فرش پر آگرے۔

احاطہ کے محرابی گیٹ کی آڑ میں رابعہ خاتون کھڑی ہوئی بڑی دیر سے یہ تماشہ دیکھ رہی تھیں

لڑائی کے دوران انہوں نے جو باتیں کی تھیں، ان سے رابعہ خاتون نے اندازہ لگایا تھا کہ رخسانہ
کے سلسلہ میں قیصر، فراز پر شبہ کر رہا ہے بلکہ یقین کر چکا ہے کہ رخسانہ کی بربادی کا ذمہ دار فراز
ہے۔

حالات کو نیا رخ بدلتے دیکھ کر رابعہ خاتون حیران رہ گئی تھیں۔ حیرانی اس بات کی تھی کہ فراز
جیسا نیک لڑکا اپنے کسی گناہ کا اعتراف کر رہا تھا۔ اس کا یہ اعتراف خالد کے گناہوں پر پردہ ڈال
رہا تھا۔

رابعہ خاتون نے ان کی لڑائی کے دوران مداخلت نہیں کی۔ خوش قسمتی سے خالد تمام الزامات
سے بچ رہا تھا۔ پھر انہیں کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ فراز اور قیصر کے درمیان ہونے والی غلط فہمی کو
دور کرتیں۔

پھر وہ چونک کر کوٹھی کی طرف دیکھنے لگیں۔ رخسانہ کالج کی طرف آ رہی تھی۔ وہ جلدی سے
قدم اٹھاتی ہوئی رخسانہ کی طرف بڑھ گئیں۔ انہوں نے دور ہی سے پوچھا۔

"قیصر کا پتہ چلا —— ؟"

"نہیں خالہ جان —— ! میں ٹیکسی اسٹینڈ تک دیکھ آئی ہوں۔ پتہ نہیں وہ کہاں چلے
گئے ہیں ....."

رابعہ خاتون نے کہا۔

"عجیب خر دماغ لڑکا ہے۔ یہاں کالج میں بھی نہیں ہے۔ چلو۔ کوٹھی میں چلو .... !"
وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کوٹھی کی طرف لیجانے لگیں۔

"میں تم سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ تم خواہ مخواہ جوش میں آکر خالد کا نام زبان پر لانے والی تھیں۔"

"آپ نہیں جانتیں خالہ جان ——— ! کہ وہ کتنے اچھے ہیں ——— اتنے اچھے کہ میں انہیں دھوکہ نہیں دے سکتی۔"

"پھر وہی پاگلوں کی سی باتیں ——— ؟ میری بچی تم ابھی نادان ہو۔ یہ مرد کتنے مطلبی ہوتے ہیں تم نہیں جانتیں ——— بہرحال تمہیں رفتہ رفتہ تجربہ ہوگا۔ تم ابھی جاکر اپنے کمرے میں آرام کرو، میں ذرا مالی سے مل کر آتی ہوں۔"

وہ پورچ کے پاس آکر رک گئیں۔

"خالہ جان ——— ! میرا دل گھبرا رہا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے اب وہ کبھی واپس نہیں آئیں گے۔"

"تم گھبراؤ نہیں ——— وہ آئے گا اور ناک رگڑتے ہوئے آئے گا۔ تم دیکھتی جاؤ کہ میں تمہارے لئے کیا کرتی ہوں۔ میرے جیتے جی نہ تم بدنام ہوگی اور نہ ہی خالد پر آنچ آئے گی ——— جاؤ میری بات مانو۔ اپنے کمرے میں جاکر آرام کرو، میں ابھی آتی ہوں ......"

وہ سر جھکا کر کوٹھی کے اندر چلی گئی۔

رابعہ خاتون تھوڑی دیر تک کھڑی رہیں۔ پھر وہاں سے پلٹ کر تیز قدموں سے چلتی ہوئی کاٹیج کی طرف جانے لگیں۔

فراز اور قیصر اب تک گھاس کے فرش پر پڑے ہوئے تھے۔ آہستہ آہستہ ان کی سانسیں

درست ہو رہی تھیں۔ قوت بحال ہو رہی تھی۔ اور وہ ایک دوسرے کے خلاف بڑبڑا رہے تھے۔

فراز کہہ رہا تھا۔

"میں آج تک تمہاری عزت کرتا رہا مگر اب تم سے نفرت کرتا ہوں۔"

"اور ——— میں تم پر تھوکتا ہوں ....." قیصر نے جواب دیا۔

"تھوکنا ہے تو اپنے منہ پر تھوکو ——— تم نے ایک دن کہا تھا کہ تم رخسانہ سے نہیں پچیس ہزار روپے سے شادی کر رہے ہو۔"

"ہاں، ہاں میں نے کہا تھا۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہونے لگا۔ "لالچ نے مجھے اندھا کر دیا تھا۔ میں کھرے نوٹوں کو دیکھتا رہا۔ مگر کھوٹی عورت کو نہ دیکھ سکا۔ اب سنبھالو اپنی کھوٹی رخسانہ کو ——— میں یہاں اسے چھوڑ کر جا رہا ہوں۔"

"کیا بکتے ہوئے ——— !" فراز نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔ "رخسانہ میری بہن ہے۔ اگر تم نے ایک لفظ بھی کہا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

اسی وقت رابعہ خاتون چیختی ہوئی ان کے درمیان آگئیں۔

"یہ کیا بکواس ہے۔ تم لوگوں نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے ——— ؟"

فراز نے قیصر کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"دیکھئے امی ——— ! یہ احمق رخسانہ کے بارے میں ......"

رابعہ خاتون نے جلدی سے بات کاٹ کر کہا۔

" ہاں بیٹا ! میں سب سن چکی ہوں ـــــ یہ قیصر ہمیں بدنام کرنا چاہتا ہے۔ دراصل پچیس ہزار حاصل کرنے کے بعد اب یہ رخسانہ کو چھوڑنا چاہتا ہے۔"

پھر انہوں نے قیصر سے کہا۔

" دیکھو قیصر ـــــ! میں جھگڑا بڑھانا نہیں چاہتی۔ رخسانہ کو چھوڑنے یا نہ چھوڑنے کا فیصلہ ہمارے درمیان ہوگا۔ تم ابھی یہاں سے جاؤ۔ میں نہیں چاہتی کہ تم کوٹھی میں رہو اور میرے بیٹے کے دشمن بن جاؤ۔"

قیصر نے حقارت سے کہا۔

" میں خود یہاں رہنا نہیں چاہتا۔ میں ابھی اور اسی وقت یہاں سے جا رہا ہوں۔ احمد نگر پہنچتے ہی طلاق نامہ بھیج دوں گا۔"

وہ لڑکھڑاتا ہوا اور سنبھلتا ہوا کالج کے پچھلے گیٹ کی طرف چلا گیا۔

فراز اس کی طرف گہری نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

" عجیب احمق ہے۔ عورت کی عزت کے لئے مجھ سے لڑ رہا تھا اور اب عورت کو طلاق دینے کی دھمکی دے رہا ہے ـــــ کہیں یہ پاگل تو نہیں ہو گیا ہے ؟"

" پاگل ہی ہے چھوڑو اسے ـــــ دیکھو تو چہرہ کیسے لہولہان ہو گیا ہے۔ چلو میں زخموں کو صاف کر کے مرہم لگا دوں۔"

وہ فراز کا ہاتھ پکڑ کر کالج کے اندر جانے لگیں۔ پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔

" رخسانہ سے نہ کہنا کہ قیصر سے تمہاری لڑائی ہوئی تھی۔ وہ بے چاری پریشان ہو

جائے گی۔"

فراز نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ تھکے ہوئے قدموں سے چلتا ہوا کالج میں داخل ہو گیا۔

خالد لاہور واپس آگیا تھا۔

پنڈی میں بگڑتے ہوئے معاملات کو اس نے اپنے حق میں سنوار لیا تھا اور ارمانہ اب پوری طرح اس کی مٹھی میں تھی۔ اب خالد کو محض یہ کوشش کرنا تھی کہ فراز اور ارمانہ ایک دوسرے سے ملنے نہ پائیں۔ ان کی ملاقات سے ارمانہ کی غلط فہمی دور ہو سکتی تھی اور غلط فہمی دور ہونے کا مطلب یہی تھا کہ ارمانہ اس کے شکنجہ سے نکل جاتی۔

خالد کو یوں بھی فراز سے اپنی شکست کا انتقام لینا تھا۔ وہ اسے بُری طرح زخمی کر کے یہاں آیا تھا۔ یہ اس کے لئے کتنی توہین آمیز بات تھی کہ فراز ایک سانپ کی طرح اس کی آستین میں پل رہا تھا۔ اس کا کھا رہا تھا اور اسی کو ڈس رہا تھا۔

خالد نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس سانپ کو کچل دے گا یا اپنی کوٹھی کی حدود سے نکال دیگا۔

وہ غصہ میں طنطناتا ہوا کوٹھی میں داخل ہوا۔ ڈرائنگ روم کا زینہ طے کرتے ہی رخسانہ سے سامنا ہو گیا ـــــ رخسانہ نے اسے دیکھا ـــــ بڑی نفرت سے ـــــ بڑی حقارت سے جیسے کسی ذلیل ترین انسان کو دیکھا جاتا ہے۔ پھر وہ بڑی نفرت سے اس کے سامنے تھوک کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

خالد سکتے کی حالت میں کھڑا رہ گیا ـــــ یہ بات نہیں تھی کہ اسے اپنی ذلت کا احساس ہوا تھا۔ وہ خوبصورت لڑکیوں کی نفرت کو محبت میں بدلنے کا فن جانتا تھا اس لئے رخسانہ کی نفرت کو نظر انداز کر گیا۔ اور اسے اس طرح دیکھتا رہ گیا جیسے رخسانہ ایک نئے روپ میں اس کے سامنے آگئی ہو۔

وہ سوچ رہا تھا کہ شادی کے بعد وہ کتنی بدل گئی ہے۔ کتنی خوب صورت اور صحت مند ہو گئی ہے۔ اُسے تو دیکھ کر نشہ ہی آگیا ہے۔ یقین ہی نہیں آتا کہ وہ اس جسم کو پہلے بھی ہاتھ لگا چکا ہے۔ وہ تو بالکل نیا سانچہ، نئی لڑکی دکھائی دیتی ہے۔

وہ بہکتے ہوئے قدموں سے اوپری برآمدے میں آیا اور اس کمرے کی طرف دیکھنے لگا جس کے بند دروازے کے پیچھے رُخسانہ کا وجود گم ہو گیا تھا۔

پھر اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ ابھری۔ وہ شانِ بے نیازی سے ٹہلتا ہوا رابعہ خاتون کے کمرے کے پاس آیا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

رابعہ خاتون اسے دیکھتے ہی خوشی سے کھل گئیں۔

"کب آئے بیٹا ـــــ! پنڈی میں بہت دن رہ گئے؟"

وہ پلنگ کے سرے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

" پتھر کو موم بنا رہا تھا۔"

" کیا ارمانہ کی بات کر رہے ہو؟"

" اور کس کی بات کہوں گا۔ بہت مغرور بنتی تھی۔ ساری اکڑ دھری کی دھری رہ گئی۔ اب دیکھتے رہیئے۔ دو ایک روز میں وہ خود ہی چل کر میرے پاس آئے گی۔"

" تعجب ہے۔ ایسی کیا بات ہوگئی؟"

" کچھ نہ پوچھئے۔ تقدیر مہربان ہوگئی ہے۔"

" پھر بھی ——؟" انہوں نے پوچھا۔

" آپ تو بس سوالات کرنے ہی بیٹھ جاتی ہیں —— پہلے یہ بتایئے کہ یہ رخسانہ اتنی جلدی احمد نگر سے کیوں آگئی۔"

انہوں نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔

" تمہارے کئے کی سزا بھگتنے آئی ہے۔"

" کیا مطلب ——؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

" قیصر نے اس بچے کا باپ بننے سے انکار کر دیا ہے۔"

خالد غصّے میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

" ان کی کیا مجال کہ باپ بننے سے انکار کر دیں۔ ہم نے ساری برادری کے سامنے ایک کنواری لڑکی ان کے حوالے کی تھی۔ اب وہ پوری طرح ہمارے شکنجے میں ہیں۔"

" وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر رخسانہ خود ہی اپنے گناہوں کا اعتراف کر رہی ہے۔"

" کیا ——؟" وہ گھبرا سا گیا۔

" ہاں۔ وہ کہتی ہے کہ ساری دنیا کو دھوکہ دے سکتی ہے مگر قیصر کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔"

" کیا اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" وہ جھنجھلا کر چیخ پڑا۔

باہر اوپری برآمدے میں رخسانہ اپنے کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم کی جانب جا رہی تھی
ابعہ خاتون کے کمرے میں خالد کی آواز سن کر رک گئی۔

پھر وہ ان کے کمرے کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنے لگی۔ رابعہ خاتون کی آواز آ رہی تھی۔

"بیٹے تم پریشان کیوں ہوتے ہو۔ میں نے کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں۔ رخسانہ احمق سہی، میں
ق نہیں ہوں۔ میں نے اسے اتنا موقع ہی نہیں دیا کہ وہ قیصر کے سامنے تمہارا نام لے سکے۔"

رخسانہ کھڑکی کے پاس آکر رک گئی۔ کھڑکی کا پردہ ذرا سا سرکا ہوا تھا اور وہاں سے کمرے کا
رونی منظر دکھائی دے رہا تھا۔

رخسانہ نے دیکھا۔ خالد اس کی خالہ جان کے سامنے بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ پھر اس نے
ک کر پوچھا۔

"لیکن آپ کب تک رخسانہ کی زبان بند رکھیں گی۔"

"تم گھبراتے کیوں ہو، میں نے سب سوچ لیا ہے۔ ابھی رخسانہ کے سر پر قیصر کی محبت کا
ت سوار ہے۔ اسے لاکھ سمجھاؤ ابھی نہیں سمجھے گی۔ فی الحال میں اسے پرانی کوٹھی میں لیجاؤں
اور اسے وہیں رہنے پر مجبور کر دوں گی تاکہ قیصر پھر کبھی یہاں آئے تو اس سے نہ مل سکے اور

اور نہ ہی حقیقت کو جان سکے۔ پھر میں رُخسانہ کو بھی رفتہ رفتہ قائل کرتی رہوں گی کہ وہ قیصر کے سامنے تمہارا ذکر نہ کرے۔"

خالد سوچنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

"یہ تو ٹھیک ہے۔ مگر آپ جانتی ہیں کہ قیصر بھائی کا مزاج پل پل میں بدلتا رہتا ہے۔ کہیں وہ حقیقت معلوم کرنے بیٹھ گئے تو پھر کیا ہوگا ——؟"

رابعہ خاتون ہنستے ہوئے کہنے لگیں۔

"وہ بے وقوف لڑکا مطمئن ہو کر یہاں سے گیا ہے کہ تم گناہگار نہیں ہو بلکہ رخسانہ کی تباہی کا ذمہ دار فراز ہے۔"

"کیا ——؟" وہ حیرت سے انہیں تکنے لگا۔

رخسانہ کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ سُن کر اُسے سخت صدمہ پہنچ رہا تھا کہ فراز اس کی وجہ سے بدنام ہو رہا ہے۔

رابعہ خاتون کہہ رہی تھیں۔

"مجھے اس بات پر حیرانی نہیں ہے کہ قیصر نے فراز پر کیوں شبہ کیا ہے۔ حیرانی تو اس بات کی ہے کہ فراز خود اپنے گناہ کا اعتراف کر رہا تھا۔ نہ جانے اس نے کون سا گناہ کیا ہے؟"

"اور کون سا گناہ ہوگا۔" خالد نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ رخسانہ میرے علاوہ اس سے بھی ملتی رہی ہو۔"

"بکواس مت کرو۔" انہوں نے ڈانٹ کر کہا۔ "وہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔ فراز بھی ا

اپنی بہن سمجھتا ہے۔"

"اونہہ —— بہن ——!" اس نے حقارت سے کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ وہ کتنا پارسا ہے۔ وہ تو ایسا بدکار ہے کہ ارمانہ کی عزت کو بھی مٹی میں ملا چکا ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" رابعہ خاتون نے کہا۔ "وہ ایسا لڑکا نہیں ہے۔"

رخسانہ کو بھی اس بات کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ خالد اپنی طرح فراز کو بھی خواہ مخواہ گناہگار ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

خالد اپنی بات پر زور دے کر کہہ رہا تھا۔

"وہ ایسا ہی لڑکا ہے۔ میں نے ابھی آپ سے کہا تھا کہ ارمانہ میرے شکنجہ میں آگئی ہے اصل اسی کمزوری کی وجہ سے وہ اب میرے سامنے سر اٹھا کر بات نہیں کر سکتی ہے۔ مگر ایک عجیب بات ہے۔ جس طرح قیصر بھائی میرے گناہ کو فراز کے سر تھوپ رہے ہیں، اسی طرح ارمانہ، فراز کو گناہگار سمجھنے کی بجائے مجھے گناہگار سمجھ رہی ہے۔ یوں سمجھئے کہ میری ایک اسی چالاکی نے تمام بازی کا نقشہ بدل کر رکھ دیا ہے۔ ہوا یوں کہ ....."

وہ اپنی چالاکی کی داستان سنانے لگا —— رخسانہ حیرت سے سن رہی تھی۔ اس کی نگاہوں کے سامنے پہلے پیارا ارمانہ کا سراپا اُبھرا۔ پھر خالد ودا کی بوتل میں وہسکی انڈیل رہا تھا —— ارمانہ ودا کے دھوکہ میں شراب پی رہی تھی۔ اپنے ہوش و حواس سے بیگانہ ہو رہی تھی —— پھر اس منظر میں اچانک فراز نمودار ہوا۔ ایک زبردست جنگ چھڑ گئی —— فراز خالد وہ دھوکہ سے بے ہوش ہو کر زخمی ہو گیا —— کہانی آگے بڑھی —— اور آگے

بڑھی ---- اور آگے.....

یک بیک رخسانہ وہاں سے پلٹی ---- تیزی سے زینے کی طرف گئی۔ زینے کے دو دو پائدان کو پھلانگتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی۔ وہاں سے دوڑتی ہوئی کوٹھی کے باہر آئی۔ پورچ میں آکر ہوا کے ایک تیز جھونکے کی طرح گھومی ---- لڑکھڑائی ---- گرتے گرتے سنبھلی۔ سنبھل کر باغیچہ کی روش پر دوڑتی چلی گئی ---- کوٹھی کے بائیں طرف ---- کوٹھی کے پچھلے حصہ میں ---- محرابی دروازے کے پار ---- دوڑتے دوڑتے وہ کاٹج کے دروازے پر آکر رک گئی۔

فراز نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ دروازے کے ایک پٹ کو بری طرح تھامے ہوئے ہانپ رہی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔

فراز نے اسے بے دلی سے دیکھا اور کہا۔

"تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیئے تھا۔"

وہ ہانپتے ہوئے بولی۔

"کیا بہن اپنے بھائی کے پاس نہیں آسکتی؟"

"نہیں ----!" اس نے منہ پھیر کر کہا۔ "اس دنیا میں بھائی اور بہن کے رشتوں پر بھی کیچڑ اچھالی جاتی ہے ---- تمہارا مجازی خدا پاگل ہو گیا ہے۔"

"وہ پاگل نہیں ہیں ---- آپ نے انہیں غلط فہمی میں مبتلا کیا ہے۔ آپ نے ان کے سامنے ایک گناہ کا اعتراف کیا تھا لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ مظلوم عورت کون ہے؟"

"وہ مظلوم نہیں، مکار ہے، فریبی ہے ---- اس نے میرے اعتماد کو دھوکہ دیا تھا۔ میں اس کے نام پر تھوک کر چلا آیا...."

"بس کیجئے فراز بھائی ----!" وہ چیخ کر بولی۔

"ارمانہ کو مکار اور فریبی سمجھنے سے پہلے آپ نے یہ نہیں سوچا کہ ایک شریف زادی جس نے شراب کی بو تک نہیں سونگھی، اس نے شراب کیسے پی؟"

فراز نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"میں نے تو نہیں سوچا۔ تم نے کیا سوچا ہے، بتا دو۔"

"میں نے سوچا نہیں بلکہ حقیقت کی تہہ تک پہنچ کر آئی ہوں۔ ارمانہ بیمار تھیں۔ خالد دوا بوتل میں شراب ڈال کر اور وہ شراب پلا کر انہیں بے ہوش کرنا چاہتا تھا۔ مگر عین وقت پر آپ وہاں پہنچ گئے...."

فراز کے ذہن میں یک بیک آندھیاں سی چلنے لگیں۔

دوستی اور دشمنی کی آندھی ---- ارمانہ کو پیار سے دیکھنے اور نفرت سے ٹھکرانے کی آندھی ---- اعتماد کے مرنے اور اعتماد کے جینے کی آندھی ---- اس آندھی میں رخسانہ کی ایک ایک بات ہوا کے ظالم تھپیڑوں کی طرح اس کے دماغ میں لگ رہی تھی۔

پھر وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر کرسی پر گر پڑا۔ جب آندھی گزر جاتی ہے اور آندھی میں آئے ہوئے گھروندے گر جاتے ہیں۔ بکھر جاتے ہیں تب احساس ہوتا ہے کہ یہ کس وجہ سے گرے ہیں۔

محبت کی بنیاد ایک دوسرے کے اعتماد سے ہوتی ہے اور فراز کا اعتماد کمزور تھا۔ وہ غصہ میں دیوانہ ہو کر یہ نہیں سوچ سکا تھا کہ ارمانہ جیسی نیک لڑکی کسی کے بہکانے سے بھی شراب پی سکتی ہے۔ البتہ کڑوی دوا کے دھوکے میں پی سکتی ہے۔ خالد نے اس کی بیماری سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ارمانہ نشہ کے وجہ سے خالد سے بے تکلف نظر آ رہی تھی اور اس بے تکلفی کو فراز نے کچھ اور معنی پہنا دیئے تھے۔

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے پچھتا رہا تھا۔ یہ سوچ سوچ کر اسے ندامت ہو رہی تھی کہ اس کی پاکباز محبوبہ خود اسی کے ہاتھوں برباد ہوئی ہے۔

قیصر، احمد نگر واپس آ گیا تھا۔ اور جب سے آیا تھا، یہی سوچ رہا تھا کہ پھر سے پرانی زندگی کا آغاز کرے اور سمجھ لے کہ اس کی زندگی میں کوئی عورت نہیں آئی تھی، کوئی نہیں بچی تھی ——— وہ ہمیشہ سے تنہا ہے اور ہمیشہ تنہا رہے گا۔

انسان خریدی ہوئی چیز کو ٹھکرا سکتا ہے، بھول سکتا ہے۔ یہ سوچ کر کہ ایسی چیزیں دوبارہ خریدی جا سکتی ہیں۔ لیکن رخسانہ کی محبت بازار سے نہیں خریدی گئی تھی۔ اس محبت نے آہستہ آہستہ اس کے دل میں جگہ بنائی تھی۔ رفتہ رفتہ اس کے دل کا، اس کے جسم کا اور اس کی ذہن کا احاطہ کیا تھا۔

اب اسے یہ گھر خالی اور ویران سا لگتا تھا۔ کسی کی کمی برابر کھٹکتی رہتی۔ وہ ہزار نفرت سے سوچنے کی کوشش کرتا کہ وہ ایک بدکار عورت تھی۔ اسے دھوکہ دے آئی تھی لیکن لگا ہوا

کے سامنے دیوار پر بنی ہوئی محراب میں رکھی ہوئی جانماز اسے سمجھاتی تھی کہ اگر وہ دھوکہ باز ہوتی تو اس جانماز پر بیٹھ کر کبھی اپنے گناہوں کا اعتراف نہ کرتی۔

قیصر اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا اور رخسانہ کی زبان سے نکلے ہوئے ان تمام الفاظ کو یاد کر رہا تھا جو اس کی معصومیت اور سچائی کا یقین دلا رہے تھے۔ وہ چشم تصور میں اب بھی خدا کے حضور گڑگڑا رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ وہ ساری دنیا کو دھوکہ دے سکتی ہے لیکن اپنے خاوند کو نہیں دے سکتی۔ وہ خود چاہتی تھی کہ قیصر کو کسی طرح حقیقت معلوم ہو جائے۔ ایک گناہ سرزد ہو جانے کے باوجود اس میں عورت کی شرم و حیا بدستور تھی۔ وہ اپنی زبان سے اپنے خاوند کو بے حیائی کا افسانہ نہیں سنا سکتی تھی اور اسی لئے خدا سے التجا کر رہی تھی کہ وہ ربّ کریم اس کے خاوند کو اس شرمناک فریب سے محفوظ رکھے اور کسی طرح قیصر کو معلوم ہو جائے کہ وہ کسی دوسرے کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔

اور جب قیصر کو معلوم ہوا تو وہ عام مردوں کی طرح اس سے متنفر ہو گیا۔ عورت کی ایک غلطی اس کی ساری محبت اور خدمت گزاری کو بھلا دیتی ہے۔ غصّہ میں یہ یاد نہیں رہتا کہ انسان خواہ عورت ہو یا مرد اپنی ایک آدھ کمزوریوں کے باوجود قابل قدر ہوتے ہیں۔ اگر زندگی میں کبھی ایک بھول ہو بھی جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کو نفرت سے ٹھوکر مار دی جائے اُسے آئندہ غلطیوں سے بچانے کے لئے اس کی ایک غلطی کو معاف بھی کیا جا سکتا ہے۔

غصّہ سرد پڑ چکا تھا اور اب قیصر کو تنہائی ستا رہی تھی۔ کہ رخسانہ جیسی محبت، محنت خدمت کرنے والی عورت یقیناً اس قابل ہے کہ اسے معاف کر دیا جائے ــــ اور اگر ا

نے معاف نہ کیا تو وہ خود سکون سے نہ رہ سکے گا۔ کیونکہ وہ عورت اس کے دل و دماغ اور ں کے تمام حواس پر چھا چکی ہے۔

رخسانہ میں بہت ساری خوبیاں تھیں جنہیں وہ بھلا نہیں سکتا تھا۔ اس کے ہاتھوں کا وان، اس کے ہاتھوں کے دھلے ہوئے کپڑے ــــ کھنکتی ہوئی ہنسی، چھنکتی ہوئی پازیب کتی ہوئی باہیں، بہکتی ہوئی ادائیں ــــ رات کو جب وہ سوتا تو وہ اس کے ہاتھ پاؤں اتی تھی: اب نہیں تھی تو اس کے جسم کا جوڑ جوڑ دکھنے لگتا تھا۔ کبھی کبھی وہ یوں سوچنے لگتا کہ وہ کے سے، دبے قدموں اس کے پاس چلی آئے گی۔ یہ کمرہ پھر پچھلی محبتوں سے معمور ہو جائے گا۔ کے درمیان کوئی نفرت نہ ہوگی۔ کوئی بے اعتمادی نہ ہوگی۔

پچھلی باتوں کو ایک حادثہ سمجھ کر بھلایا بھی جا سکتا ہے ــــ ایک جان لیوا حادثہ کے ئی زندگی مل جائے تو پہلے سے زیادہ زندگی کی قدر بڑھ جاتی ہے ــــ ایک نفرت کے اگر پھر سے پہلے جیسی محبت مل جائے تو پہلے سے زیادہ وہ محبت مستحکم ہو جاتی ہے۔

قیصر کے دماغ سے نفرتوں کا غبار چھٹ رہا تھا۔ وہ رخسانہ اور صرف اپنی رخسانہ کے متعلق سوچ تھا۔ اس کی ایک غلطی کو بھول رہا تھا اور اس کی محبت کے ہزار پہلوؤں پر غور کر رہا تھا اور اس ت کا اعتراف کر رہا تھا کہ یہ گھر رخسانہ جیسی خدمت گزار بیوی کے بغیر نامکمل ہے۔ اگر وہ یہاں تو اس گھر کی ویرانی اسے پاگل بنا دے گی۔ وہ آئے گی ــــ اس گھر کو وہ اپنا ہی گھر ھتی ہے ــــ اس لئے وہ ضرور آئے گی ــــ چپکے سے، دبے قدموں وہ کے قریب آئے گی اور اسے اپنی موجودگی سے حیران کر دے گی۔

پھر اسے محسوس ہوا جیسے وہ واقعی تنہا نہیں ہے، اس کے آس پاس کوئی ہے —— کسی
کے قدموں کی آہٹ ہے —— مکان کے احاطہ میں کوئی چل رہا ہے۔

قیصر کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس کی نگاہیں دروازے پر جم گئیں —— کوئی مکان
کے اندر داخل ہوا —— قدموں کی آواز قریب سے قریب تر ہوتی گئی۔ پھر قیصر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا
اور حیرت سے بولا۔

"تم —— ؟"

اس کے سامنے دروازے پر فراز کھڑا ہوا تھا۔

"ہاں —— میں ہوں —— آپ کی دشمنی کے باوجود آپ کے گھر آیا ہوں۔ کیا آپ
مجھے نکال دیں گے ؟"

قیصر نے اسے بے بسی سے دیکھ کر کہا۔

"نہیں —— تم نے ٹھیک سوچا ہے۔ میں گھر آئے ہوئے مہمان سے جھگڑا نہیں کر سکتا
ویسے تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"میں آپ کو اس بات کا یقین دلاتے آیا ہوں کہ رخسانہ میری بہن ہے۔ نہ جانے آپ
یہ غلط فہمی کس طرح پیدا ہو گئی ہے کہ جو گناہ مجھ سے سرزد ہو چکا ہے، اس کا تعلق رخسانہ
سے ہے —— نہیں قیصر بھائی! میں نے جو کچھ بھی کہا تھا۔ اس کا تعلق ارمانہ سے ہے
کل آپ نے اس انداز میں مارپیٹ شروع کر دی تھی کہ میں آپ کے سامنے ارمانہ کا ذکر
سکا۔ بہرحال میں یہ فیصلہ کر کے آیا ہوں کہ آپ کی غلط فہمی دور کر کے ہی جاؤں۔"

قیصر حیرانی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ فراز آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔
اور اپنی جیب سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ رخسانہ کا خط ہے ....."

"رخسانہ ——!" قیصر کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ وہ نہیں آئی تھی مگر اس کے ہاتھوں
کی تحریر آئی تھی۔ اس نے جلدی سے اس خط کو لیا اور اسے کھول کر پڑھنے لگا۔

میرے سرتاج!

پتہ نہیں مجھ جیسی گناہگار عورت آپ کو سرتاج کہنے کا حق رکھتی ہے یا
نہیں۔ لیکن یہ میری زندگی کی پہلی اور آخری خواہش ہے کہ میں آپ کو اپنے سر
کا تاج سمجھتی رہوں۔

یہ آپ نے اچھا ہی کیا کہ مجھے اپنی نگاہوں سے دور کر دیا۔ اگر آپ
نے کبھی کسی ہمدردی کے جذبے سے مجھے قبول بھی کرنا چاہا تو میں انکار کر
دوں گی۔ کیونکہ میں ایک بیوی بن کر آپ کو بہت کچھ دے سکتی، لیکن آپ
کے دل میں یہ اعتماد پیدا نہیں کر سکتی کہ میں ایک پاکباز عورت ہوں۔
ماضی میں مجھ سے ایک غلطی ہو چکی ہے۔ اور یہ فطری بات ہے کہ ایک غلطی
مرد کے دل میں بہت سے شبہات پیدا کر دیتی ہے کہ یہ خطاکار عورت
آئندہ بھی کبھی بہک سکتی ہے، گمراہ ہو سکتی ہے۔

میرے پاس نیکنامی کی کوئی سند نہیں کہ میں فخر کر سکوں۔ ماضی کی چادر

ایسی داغدار ہے کہ آپ اسے دل کی مسند پر نہیں بٹھا سکتے۔ بہتر ہے
کہ آپ مجھے ایک خطاکار عورت سمجھ کر بھول جائیں۔ مجھ جیسی عورت کو قبول
کر کے تمام عمر شبہات اور بے اعتمادی کے انگاروں میں لوٹنا دانشمندی نہیں
ہے۔

تو یہ ہے —— آپ مجھے قبول کریں گے ہی کیوں ——؟ قبول کرنا ہی ہوتا
تو آپ خالہ جان کے پاس مجھے اس طرح پھینک کر کیوں چلے جاتے؟ میں بھی
کیسی خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتی ہوں۔

بہر حال یہ خط میں صرف ایک غلط فہمی دور کرنے کی غرض سے لکھ رہی
ہوں۔ آج خالہ جان اور خالد کی باتوں سے مجھے پتہ چلا ہے کہ اب فراز بھائی کو
مجرم سمجھ رہے ہیں۔ یعنی ایک ایسے انسان کو جسے میں ہمیشہ اپنا بھائی سمجھتی رہی
ہوں اور آج بھی ایک بہن کی طرح ان کا احترام کرتی ہوں۔

دراصل میری تباہی کا ذمہ دار صرف خالد ہے —— لیکن اب آپ کے
لئے کیا فرق پڑتا ہے کوئی بھی ہو۔ آپ نے تو مجھے ٹھکرا دیا ہے۔ اب تو مجھے
ٹھکرائی ہوئی عورت سمجھ کر کوئی بھی بُری نظروں سے دیکھ سکتا ہے —— مگر
خدا کی قسم میں ذلت آمیز نظریں برداشت کرنے کے لئے زندہ نہیں رہوں گی
مجھے صرف بچے کا انتظار ہے۔ اس معصوم کی جان لینے کا حق مجھے نہیں پہنچتا۔
غلطی میں نے کی ہے۔ سزا مجھے ملنی چاہیئے۔ لہذا جس دن وہ پیدا ہو گا، اسی

دن میں اسے خالہ جان کی گود میں دے کر ہمیشہ کی نیند سو جاؤں گی۔ فقط

آپ کی کنیز

رخسانہ قیصر "

خط ختم ہو گیا لیکن اسی طرح قیصر کے ہاتھوں میں کھلا رہا۔ اس طرح اس کی نظریں کاغذ
کی سطح پر جمی رہیں —— دراصل خط پڑھتے وقت تحریر نظروں کے سامنے نہیں تھی، رخسانہ
کی تصویر تھی، معصوم چہرہ، رس بھرے ہونٹ، تمتماتے ہوئے رخسار اور کالی کالی آنسو بھری
آنکھیں —— وہ پڑھ نہیں رہا تھا بلکہ رخسانہ بول رہی تھی اور اسے یقین دلا رہی تھی کہ آئندہ
وہ قیصر کی زندگی میں زہر گھولنے کے لئے یہاں کبھی نہیں آئے گی۔

فراز تھوڑی دیر تک اسے دیکھتا رہا پھر ایک کرسی پر آکر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

" میں نہیں جانتا کہ رخسانہ کے متعلق اب آپ کے جذبات کیا ہے —— آپ اس معصوم
لڑکی کی ایک بھول کو معاف کر سکتے ہیں یا نہیں ——؟

لیکن ایک بات جانتا ہوں۔ آپ کے معاف کر دینے کے باوجود وہ اپنے آپ کو معاف
نہیں کرے گی۔ وہ بہت حساس اور جذباتی لڑکی ہے۔ زندگی میں اسے پیار نہیں دھوکہ ہی دھوکہ ملا
ہے۔ وہ ایک نہ ایک دن ضرور اس نفرت انگیز زندگی سے کھیل جائے گی۔

میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب تک وہ زندہ ہے۔ اس وقت تک آپ اسے یہ احساس
دلانے کی کوشش کریں کہ غلطی اس کی نہیں ہے بلکہ خالد کی مکاری نے اسے تباہ کیا ہے۔

" خالد ——!" قیصر نے دانت پیس کر کہا۔ " میں اس سے ایسا انتقام لوں گا کہ وہ پھر کبھی

رخسانہ جیسی معصوم لڑکیوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکے گا۔

فراز نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

" آپ جوشِ جنون کی حالت میں ایک بار مجھ سے جھگڑ چکے ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ خالد سے ہاتھاپائی نہ کریں بلکہ کوئی ایسی عبرتناک سزا دیں کہ جسے وہ زندگی بھر یاد رکھے۔"

" یقیناً میں ایسی ہی سزا دوں گا۔ میری رخسانہ کو برباد کرنے والا اب کبھی سکون سے نہ رہ سکے گا۔ مجھے تو حیرت اس بات پر ہے کہ تمہاری امی اس جرم کو چھپانے کی کوشش کرتی ہیں۔"

فراز نے تلخی سے مسکرا کر کہا۔

" اس سے زیادہ حیرانی اس بات پر ہے کہ وہ خالد کا جرم میرے سر تھوپ رہی ہیں۔ کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ سوتیلے بیٹے کو بدنامی سے بچانے کے لئے ماں اپنے سگے بیٹے کو بدنام کر رہی ہے۔"

قیصر نے تعجب سے پوچھا۔

" کیا واقعی وہ تم پر الزام لگا رہی ہیں؟"

" ہاں ــــ رخسانہ نے چھپ کر ان کی باتیں سُنی ہیں۔ امی جانتی ہیں کہ آپ کالج میں کس بات پر مجھ سے لڑنے کے لئے آئے تھے۔ لیکن امی نے آپ کی غلط فہمی دور نہیں کی ــــ اب وہ رخسانہ کو پرانی کوٹھی میں لے کر رکھنا چاہتی ہیں۔ تاکہ آپ کبھی وہاں جائیں تو رخسانہ سے آپ کی ملاقات نہ ہو سکے۔ وہ ڈرتی ہیں کہ رخسانہ آپ کو خالد کا نام بتائے گی۔ یعنی وہ چاہتی ہیں

کہ آپ مجھے ہی مجرم سمجھتے رہیں ــــ میں حیران ہوں کہ امی نے مجھ سے ایک سوتیلی ماں کا رویہ اختیار کیوں کیا ہے۔"

قیصر نے جواب دیا۔

" ان کا یہ رویہ دیکھ کر بے اختیار زبان سے نکلتا ہے کہ وہ تمہاری سگی امی نہیں ہیں۔"

فراز نے اُسے چونک کر دیکھا۔ پھر سوچتے ہوئے کہا۔

کبھی کبھی میرے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہوتا ہے لیکن خیال سے کیا ہوتا ہے۔ وہ حقیقتاً میری امی ہیں۔ اب وہ ایسا پاگل پن کیوں کرتی ہیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔"

" تم نے ان سے پوچھا نہیں کہ یہ شرمناک الزام وہ تم پر کیوں لگا رہی ہیں۔"

" نہیں ــــ !" فراز نے جواب دیا۔ " میں ان کے پاگل پن کی انتہا دیکھنا چاہتا ہوں ابھی تک انہوں نے مجھے صرف آپ کی نظروں میں گرایا ہے۔ میں یہ تماشہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ بات اگر بڑھ جائے تو وہ دنیا والوں کے سامنے بھی مجھے ذلیل کریں گی یا خالد کے جرم کا اقرار کریں گی ــــ بہرحال آج میں بہت سے اہم فیصلے کر کے یہاں آیا ہوں۔ تاکہ آپ کے ساتھ مل کر خالد کے جرم و ستم کا حساب چکایا جا سکے۔ کل صبح ہی ہمیں لاہور واپس جانا ہوگا۔ کیونکہ ......" اس کے ہونٹوں پر ایک سنجیدہ سی مسکراہٹ آگئی۔

" کیونکہ ــــ پنڈی سے فون آیا تھا۔ ارمانہ کل وہاں آنے والی ہے۔"

رخسانہ پرانی کوٹھی میں آ گئی۔

رابعہ خاتون ہی اسے چھوڑنے آئی تھیں۔ انہوں نے کہا۔

"تم اب اسی کوٹھی میں رہنا۔ یہاں تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔ قیصر آئے گا تو میں فیصلہ کر دوں گی اور اسے مجبور کر دوں گی کہ وہ تمہیں اپنے ساتھ احمد نگر لے جائے۔"

رخسانہ نے اداسی سے کہا۔

"اب مجھے کسی سے ہمدردی اور محبت کی توقع نہیں۔ میرا انجام سامنے آ چکا ہے۔ میں ان کی مرضی کے خلاف زبردستی ان کی بیوی بن کر نہیں رہنا چاہتی۔ آپ انہیں مجبور نہ کریں۔"

"مجبور کیوں نہ کروں۔ ہم نے باقاعدہ اس کے ساتھ تمہارا نکاح پڑھایا ہے۔"

"باقاعدہ نہیں ——— بے قاعدہ!" رخسانہ نے جواب دیا۔ "ہمارے مذہب میں حاملہ عورتوں کا نکاح جائز نہیں ہے۔ ہم نے ایک غلطی کو چھپانے کے لیے بہت سی غلطیاں کی ہیں ——— بہتر ہے کہ ہم نے غلطیوں کو محسوس کریں۔"

رابعہ خاتون نے بگڑ کر کہا۔

"اے لڑکی تو تو بڑی بوڑھیوں کی طرح باتیں کرنے لگی ہے۔ جائز اور ناجائز نکاح کا خیال کرے گی۔ تو پھر ساری برادری یہ پوچھنے بیٹھ جائے گی کہ یہ بچہ کہاں سے لائی ہے —؟ اپنی بھی ناک کٹوائے گی اور ہمیں بھی ذلیل کرے گی۔"

"آپ نے مجھے ذلت سے بچانے کی بہت کوشش کی لیکن تقدیر میں رسوائی تھی۔ میں یہاں سے کہیں دور چلی جاؤں گی تاکہ میری بدنامی کا اثر آپ لوگوں پر نہ پڑے۔"

"پاگل نہ بنو ——— انسان چاہے تو تقدیر کا لکھا بدل سکتا ہے۔ تم صرف قیصر کی محبت کو دل سے نکال دو۔ یہ نہ سوچو کہ تم اسے بے وقوف بنا رہی ہو بلکہ یہ سوچو کہ وہ اپنی جھوٹی محبت سے تمہیں بے وقوف بنا رہا ہے۔ خواہ مخواہ تمہارے ضمیر کو جھنجھوڑ کر تمہیں سچ بولنے پر مجبور کر رہا ہے ——— ذرا عقل سے کام لو رخسانہ! اگر قیصر کو تم سے واقعی محبت ہوتی تو وہ تم سے کبھی نفرت نہ کرتا ——— تم نہیں جانتیں کہ یہ مرد دکھاوے کی محبت کرتے ہیں اور عورت کی غلطی کو کبھی معاف نہیں کرتے..."

رخسانہ نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ رابعہ خاتون اور خالد کی باتیں چھپ کر سن چکی تھی اور یہ جان گئی تھی کہ خالہ جان اسے اپنی باتوں سے قائل کرنے کی کوششیں کر رہی ہیں

تاکہ وہ اس سلسلہ میں قیصر کا نام نہ لے سکے۔

رابعہ خاتون نے یہی سمجھا کہ وہ واقعی قائل ہو رہی ہے۔ انہوں نے کہا۔

" دیکھو بیٹے ——— اگر اسے تم سے محبت ہوتی تو وہ تمہیں کبھی اس طرح چھوڑ کر نہ جاتا۔۔۔۔"

رخسانہ نے بناوٹی سنجیدگی کا اظہار کیا اور ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔

انہوں نے بڑی شفقت سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"محبت کا جواب محبت سے اور نفرت کا جواب نفرت سے دیا جاتا ہے۔ قیصر کو اگر تم سے محبت ہوتی تو میں کبھی اس کے خلاف نہ بولتی مگر وہ تم سے نفرت کرتا ہے۔ لہٰذا تمہیں بھی اس کی نفرت کا جواب دینے کے لئے انتقاماً یہی کہنا چاہیئے کہ اس بچہ کا باپ قیصر ——— اور صرف قیصر ہی ہے۔"

رخسانہ نے خاموشی سے سر کو جھکا لیا۔

رابعہ خاتون نے دل ہی دل میں خوش ہو کر کہا۔

" میری بیٹی! میں جو کچھ بھی کہہ رہی ہوں، تمہاری بھلائی کے لئے کہہ رہی ہوں۔ تمہیں صرف اپنے لئے ہی نہیں اپنے بچے کے لئے بھی سوچنا چاہیئے تاکہ وہ بڑا ہو کر قیصر کو اپنا باپ کہہ سکے۔ اگر تم نے ایسا نہیں سوچا تو دنیا والے تمہارے بچے کو ہمیشہ ناجائز اولاد کہہ کر طعنے دیتے رہیں گے۔۔۔۔"

" آپ ٹھیک کہتی ہیں خالہ جان ——— میں اس بچے کی خاطر جھوٹ ضرور بولوں گی

ہاں اتنی بار جھوٹ کہا ہے وہاں ایک جھوٹ اور کہہ دینے سے کیا فرق پڑ جائے گا۔"

رابعہ خاتون خوش ہو کر اس کی بلائیں لینے لگیں۔

" اسے کہتے ہیں دانشمندی ——— اس دنیا میں دوسروں کو بے وقوف بنا کر ہی اپنا مقصد حاصل کیا جاتا ہے۔ اب تم کسی بات کی فکر نہ کرو۔ اطمینان سے یہاں رہو اور دیکھتی جاؤ کہ قیصر تمہیں قبول کرنے کے لئے کس طرح مجبور ہوتا ہے۔"

اسی وقت دیوار گھڑی نے رات کے گیارہ بجائے۔ انہوں نے گھڑی کی طرف دیکھا اور کہا۔

" بہت رات ہو گئی ہے۔ مجھے واپس جانا ہے۔ تم اب جا کر سو جاؤ۔ کل صبح میں پھر آؤں گی۔"

وہ رخسانہ کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی باہر پورچ میں آئیں اور ملازم سے کہا۔

" قاسم ——— ! آج اپنی گھر والی کو اس کوٹھی میں سونے کے لئے بھیج دینا۔ رخسانہ بی بی یہاں اکیلی ہیں۔ کل میں کسی خادمہ کا بندوبست کر لوں گی۔"

یہ کہہ کر وہ کار میں بیٹھ گئیں اور رخسانہ کو تسلیاں دیتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں۔

ملازم نے رخسانہ سے پوچھا۔

" بی بی جی ——— میں گھر جاؤں؟"

" کتنی دیر میں آؤ گے؟"

" بس جاؤں گا اور روٹی کھا کر اور اپنی گھر والی کو لے آؤں گا۔ زیادہ سے زیادہ ایک

گھنٹہ لگے گا۔"

" اچھا جاؤ —— جلدی آنے کی کوشش کرنا۔"

ملازم چلا گیا۔ رخسانہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کوٹھی کے اندر ڈرائنگ روم میں آئی۔

وہاں تھوڑی دیر تک کھڑی سوچتی رہی۔

سوچ کا مرکز قیصر تھا۔

قیصر — جسے اب وہ کبھی بھلا نہیں سکتی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اس سے نفرت کرتا ہے۔ اتنی نفرت کہ جاتے وقت اس نے اپنی رخسانہ سے ملنا بھی گوارا نہ کیا تھا۔

اپنی رخسانہ —— میری رخسانہ کہنے والا قیصر کیا اتنی جلدی اپنی محبت کو بھول گیا تھا؟ کیا وہ محبت صرف اس جسم سے تھی —— دل سے نہیں تھی؟

محبت تو انسان کے دل سے، اس کی روح سے اور اس کے جذبوں سے کی جاتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ رخسانہ کا جسم میلا تھا۔ مگر دل تو آئینہ کی طرح سفید تھا۔ اس کے سارے جذبات اب صرف قیصر ہی کے لئے تھے —— افسوس کہ قیصر نے بھی عام لوگوں کی طرح اسے اوپر ہی اوپر سے دیکھا۔ اس کے دل میں جھانک کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی....

وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر زینے طے کرتی ہوئی اوپر اپنے بیڈ روم کی طرف جانے لگی۔ اس وقت اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے جسم میں جان نہیں رہی۔ وہ اپنی زندہ لاش کو گھسیٹتی پھر رہی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ وہ اندر سے مر چکی تھی۔ قیصر کو بھی اس نے خط میں یہی لکھا تھا کہ اب

مجھے جینے کی تمنا نہیں رہی۔ میں صرف بچے کی خاطر زندہ ہوں۔ میں اس معصوم اور بے گناہ کو مارنا نہیں چاہتی —— ہاں جب وہ اس دنیا میں آجائے گا تو میں اپنی موت کا فیصلہ ضرور کر دوں گی۔

وہ زینے طے کر کے اوپر آگئی اور اپنے بیڈ روم کا دروازہ کھولنے لگی۔ اسی وقت پورچ میں کسی گاڑی کی آواز آئی۔

وہ دروازے کے پاس سے پلٹ گئی اور نیچے ڈرائنگ روم کے دروازے کی جانب دیکھنے لگی۔

" کیا خالہ جان واپس آگئی ہیں ——؟" اس نے سوچا۔

باہر کار کا دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔ پھر رات کے سناٹے میں قدموں کی چاپ ابھرنے لگی —— رخسانہ کا دل بھی دھڑکنے لگا کیونکہ بھاری بھرکم قدموں کی آواز بتا رہی تھی کہ وہ زنانہ نہیں مردانہ ہے۔

پھر اچانک ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا اور رخسانہ کی اوپر کی سانس اوپر ہی رہ گئی۔ اس کے سامنے خالد کھڑا ہوا تھا۔

" تم ——!" وہ نفرت سے بولی۔ " یہاں کیوں آئے ہو ——؟"

وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

" یہاں آنا جرم تو نہیں ہے۔"

رخسانہ نے حقارت سے کہا۔

"یہاں آنا تو کیا۔ تمہارا اس دنیا میں پیدا ہونا ہی جرم تھا۔ نہ جانے کس گندے خون سے پیدا ہوتے ہو کہ تمہیں دیکھتے ہی تھوکنے کو جی چاہتا ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے زینے کے نچلے سرے میں آیا اور طنزیہ انداز میں بولا۔

"قیصر کی گود میں کھیل کر خوب بولنا سیکھ گئی ہو۔ کوئی بات نہیں میں برا نہیں مانتا۔ مجھے تمہاری یہ ادا پسند ہے۔"

وہ زینے پر چڑھنے لگا۔ رخسانہ نے للکار کر کہا۔

"خبردار ——— یہاں نہ آنا، اپنی بھلائی چاہتے ہو تو واپس چلے جاؤ۔"

وہ زینے طے کرتے ہوئے بولا۔

"بھئی تم تو خواہ مخواہ ناراض ہو رہی ہو۔ ہم ایک دوسرے کے لئے غیر تو نہیں ہیں ذرا دو گھڑی آپس میں ہنس بول لیں گے تو قیصر کی عزت میں کون سا فرق پڑ جائے گا۔"

"قیصر کی عزت ———" رخسانہ فخر سے تن گئی کہ وہ قیصر کی عزت ہے۔ اس نے پوری خود اعتمادی سے جواب دیا۔

"وہ رخسانہ مر گئی ہے جسے تم یاد کر کے یہاں آئے ہو۔ میں صرف قیصر کی بیوی ہوں اس کی عزت ہوں۔ تم جہاں ہو، وہاں رک جاؤ۔ آج میرے سامنے تمہاری کوئی مکاری نہیں چلے گی۔"

وہ زینے کے اوپر پہنچ کر رک گیا۔ رخسانہ اور اس کے درمیان چند قدموں کا فاصلہ تھا۔ اس نے للچائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا اور کہا۔

"محبت سے یا مکاری سے ——— جو انداز تمہیں پسند ہے۔ میں وہی اختیار کروں ا——— جانِ من! شادی کے بعد تو تم ایسے کھل گئی ہو کہ دیکھتے ہی نشہ آ جاتا ہے۔ میں ہراتے کے کنارے کب سے انتظار کر رہا تھا کہ آنٹی یہاں سے جائیں تو میں یہاں آؤں ر تمہارے سلگتے ہوئے جسم کو ٹھنڈا کر دوں ....."

آخ تھو ——— رخسانہ نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ پھر وہ اپنے بیڈ روم کی طرف ہانے کے لئے پلٹی۔ لیکن خالد نے اسے پکڑ لیا۔

رخسانہ کا ایک ہاتھ اس کی گرفت میں تھا۔ وہ دوسرے ہاتھ سے اسے مارنے لگی۔ خالد نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی پکڑ لیا۔ وہ گالیاں دینے لگی۔ پاؤں سے ٹھوکریں مارنے لگی۔ خالد کسی طرح اسے دونوں بازوؤں میں جکڑ لینا چاہتا تھا۔ مگر وہ قابو میں نہیں آ تھی اور واقعی یہ ثابت کر رہی تھی کہ وہ ایک کمزور عورت نہیں ہے۔

وہ کئی بار اس کی گرفت سے نکلی۔ کئی بار خالد نے اسے گھیر کر پکڑا۔ لیکن وہ کبھی نوچ سوٹ کر اور کبھی دانتوں سے اسے کاٹ کر اس سے الگ ہو گئی۔

خالد نے جھنجھلا کر ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر جڑ دیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے کی طرف گئی بچھے زینہ تھا۔ اس کے قدموں کا توازن بگڑ گیا۔ اچانک اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی ارر وہ زینے سے لڑھکتی ہوئی نیچے جانے لگی۔

خالد گھبرا گیا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس کی قسمت اچھی تھی کہ کوٹھی میں کوئی موجود ہیں تھا۔ اس نے رخسانہ کی طرف دیکھا تو وہ زینے پر سے نیچے ڈرائنگ روم کے فرش

پر بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی۔

"رخسانہ ——!" اس نے آواز دی۔

لیکن جواب نہیں ملا۔ وہ ایک لاش کی طرح ساکت پڑی ہوئی تھی۔ خالد ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے سیڑھیاں اترنے لگا۔

قریب پہنچ کر اس نے رخسانہ کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اسے جھنجھوڑ کر اٹھانے لگا۔ لیکن وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس کے ہاتھوں پر اور اس کی پیشانی پر ذرا سی خراشیں آئی تھیں لیکن یہ چوٹیں ایسی نہیں تھیں کہ بے ہوشی طاری ہو جاتی۔

پہلے تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ سخت جان کی لڑکی بے ہوش کیسے ہو گئی۔ پھر اس کے لباس کے نچلے حصے کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ اس کی شلوار خون سے بھیگ رہی تھی اچانک اسے خطرے کا احساس ہوا کہ اس کا حمل ضائع ہو چکا ہے اور اس وقت یہ لڑکی اپنی موت سے بہت قریب ہے۔ اگر اسے فوراً ہی ہسپتال نہ پہنچایا گیا تو یہ زندہ نہیں بچے گی۔

لیکن وہ خود اسے ہسپتال کیسے لے جا سکتا تھا؟ یہ الزام اپنے سر کیسے لے سکتا تھا کہ اس کی وجہ سے ہی یہ حمل ضائع ہو رہا ہے —— رخسانہ تو ہوش میں آتے ہی ساری حقیقت بیان کر دے گی کہ وہ اس کی عزت سے کھیلنے آیا تھا۔

وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ آس پاس کوئی نہیں تھا لیکن اس کے دل میں دہشت بیٹھ گئی تھی —— کوئی آ بھی سکتا تھا۔ اسے ایک مجرم کی حیثیت سے شناخت کر سکتا تھا۔

اس نے جلدی سے رخسانہ کو دونوں بازوؤں میں اٹھا لیا۔ پھر وہ تیزی سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر آیا —— باہر پورچ میں اس کی کار کھڑی تھی۔ اس نے کار کا پچھلا دروازہ کھولا اور پچھلی سیٹ پر رخسانہ کو ڈال دیا۔

کار کے دروازے کو دوبارہ بند کر کے وہ ڈرائنگ روم میں واپس آیا جہاں رخسانہ بے ہوش پڑی تھی۔ وہاں قالین پر خون کا ذرا سا دھبہ نظر آ رہا تھا۔ وہ بھاگتا ہوا کچن کی طرف گیا اور وہاں سے پانی لا کر قالین کے اس حصے کو دھونے لگا۔ ذرا سی دیر میں خون کا دھبہ مٹ گیا۔ پانی میں تحلیل ہو کر سرخ قالین میں گڈمڈ ہو گیا۔

اس نے پانی کا جگ واپس کچن میں لیجا کر رکھ دیا۔ پھر وہ تیزی سے چلتا ہوا، ڈرائنگ روم عبور کرتا ہوا باہر پورچ میں آیا۔ کار کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور ایک جھٹکے سے کار کو اسٹارٹ کر کے کوٹھی کے احاطے سے باہر نکل گیا۔

رات کی تاریکی میں کار ایک سنسان راستے پر تیزی سے بھاگی جا رہی تھی۔ پچھلی سیٹ پر رخسانہ غافل پڑی ہوئی تھی اور لمحہ بہ لمحہ موت سے قریب ہوتی جا رہی تھی۔

خالد پرانا کھلاڑی تھا۔ وہ استقاطِ حمل کے نتائج سے بخوبی واقف تھا کہ اگر ایسی عورت کو فوری طور پر طبی امداد نہ پہنچائی جائے تو مردہ بچے کا زہر سارے جسم میں پھیلنے لگتا ہے اور خالد یہی چاہتا تھا کہ رخسانہ کے جسم میں زہر پھیل جائے۔ اب اس کی موت ہی اس کے جرم پر پردہ ڈال سکتی ہے۔

اس نے کار کی رفتار بڑھا دی ——— وہ شہری آبادی سے باہر جا رہا تھا ——— باہر جہاں کوئی ہسپتال تھا اور نہ کوئی ڈاکٹر ——— نہ کوئی اس مظلوم لڑکی کا ہمدرد تھا اور نہ کوئی مددگار....

مرد کی تنہائیوں میں کوئی کھلونا بننے والی لڑکیوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ اپنی غلطیوں پر پچھتانے کے باوجود ان کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ لوگ کہتے ہیں کہ گناہگار مرنے کے بعد جہنم کی آگ میں جھونکا جاتا ہے۔ لیکن رخسانہ اپنی زندگی میں ہی جہنم کی اذیتیں برداشت کرتی رہی تھی اور اب آہستہ آہستہ بڑی ہی اذیت ناک موت مرتی جا رہی تھی۔

خالد نے ایک ویرانے میں پہنچ کر گاڑی روک دی۔ راستے کے ایک طرف اونچا سا ٹیلا تھا اور ٹیلے کے دوسری طرف ایک گہری ڈھلوان تھی۔

اس نے کار کی ہیڈ لائٹس کو آف کیا اور بڑی بے دردی سے رُخسانہ کو کھینچ کر باہر نکال لیا۔

پھر وہ دونوں ہاتھوں میں لے اٹھا کر ٹیلے پر چڑھنے لگا۔ ٹیلے کے دوسری طرف گہری تاریکی تھی۔ وہ ہانپتا ہوا اوپر آیا اور رخسانہ کو اس طرح پھینک دیا جیسے ٹوٹے ہوئے کھلونے کو پھینکا جاتا ہے۔ اندھیرے میں اس کے جسم کے لڑھکنے کی آواز آئی۔ پھر گہری خاموشی چھا گئی۔

وہ تیزی سے واپس پلٹ گیا۔ ٹیلے سے اتر کر کار کے پاس آیا۔ دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ——— پہلے اس نے کار سٹارٹ کی۔ پھر ہیڈ لائٹس آن کیں اور ایک یوٹرن

کر شہر کی طرف واپس چلا گیا۔

آدھی رات گزر چکی تھی۔ اس ویرانے میں نہ کوئی آبادی تھی اور نہ ہی ادھر سے گزرنے والا کوئی بھولا بھٹکا مسافر تھا ——— فقط ایک اونچا ٹیلا تھا اور چاروں طرف کھڑے ہوئے ننگے درخت تھے جن کی شاخیں ہوا کے جھونکوں سے سر پٹخ رہی تھیں اور کسی کے عبرتناک انجام پر ماتم کر رہی تھیں۔

خالد اپنی کوٹھی میں داخل ہوا تو ایک ملازم ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا اونگھ رہا تھا۔ اس نے اپنی رسٹ واچ میں وقت دیکھا۔ رات کے ڈیڑھ بج رہے تھے۔

اس نے ملازم کو آواز دی۔ وہ ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ اپنے کوارٹر میں جاؤ۔"

ملازم نے جواب دیا۔

"صاحب جی! مالکن پرانی کوٹھی میں گئی ہیں۔"

"پرانی کوٹھی میں ——؟" خالد گھبرا گیا۔

"جی ہاں ——!" ملازم نے کہا۔ "رخسانہ بی بی لاپتہ ہیں۔ مالکن اور وکیل صاحب ان کی تلاش میں گئے ہیں۔"

وہ پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ پھر اس نے پوچھا۔

"آنٹی تو یہاں تھیں۔ انہیں کیسے پتہ چلا کہ رخسانہ پرانی کوٹھی میں نہیں ہے؟"

"وہاں سے ایک ملازم اور اس کی گھر والی یہاں آئی تھی۔ انہوں نے ہی بتایا ہے کہ رخسانہ بی بی وہاں نہیں ہیں۔"

خالد نے اپنے چہرے کی گھبراہٹ چھپانے کے لئے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ ملازم نے کہا۔

"مالکن مجھے یہاں بٹھا کر گئی ہیں اور مجھ سے کہا ہے کہ آپ آئیں تو آپ کو وہاں جانے کے لئے کہوں۔"

"میرے جانے سے کیا رخسانہ مل جائے گی۔" اس نے جھنجھلا کر کہا۔

"م —— میں کیا جانوں صاحب! مالکن نے جو کہا تھا، میں نے کہہ دیا۔"

"بکواس مت کرو۔ جاؤ یہاں سے ......"

ملازم سر جھکا کر تیز قدموں سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی خالد بے چینی سے ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ وہ یہ سوچ کر گھبرا رہا تھا کہ آنٹی نے اسے پرانی کوٹھی میں کیوں بلایا ہے ——؟ کیا اس پر کسی قسم کا شبہ کیا جا رہا ہے؟

چور کے دل میں ہزار طرح کے خدشات ہوتے ہیں۔ وہ رخسانہ کو ٹھکانے لگا کر اور پوری طرح مطمئن ہو کر یہاں آیا تھا۔ پھر بھی گھبرا رہا تھا۔ ذرا ذرا سی بات سوچ کر اندر ہی اندر کانپ رہا تھا۔

خوف کی ایک یہ وجہ بھی تھی کہ کہیں تھانہ میں رخسانہ کی گمشدگی کی اطلاع نہ دے دی جائے

"نہیں —— اس نے سوچا —— ابھی شاید اطلاع نہیں دی گئی ہوگی۔ اس سے پہلے کہ آنٹی ایسی حماقت کریں انہیں تھانے تک جانے سے روک دینا چاہیئے۔

وہ سوچتا ہوا ٹیلیفون تک آیا اور اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی چیخنے لگی۔

وہ اُچھل کر دو قدم پیچھے چلا گیا۔ رات کے سناٹے میں فون کی گھنٹی ایک دھماکے کی طرح اس کے خوفزدہ ذہن سے ٹکرائی تھی۔

ذرا سی دیر میں وہ پسینہ پسینہ ہو گیا۔ پھر اُسے احساس ہوا کہ خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ تو محض گھنٹی کی آواز ہے۔

اس نے اپنی آستین سے چہرے کے پسینے کو خشک کیا۔ اور ہاتھ بڑھا کر ریسیور کو اٹھا لیا۔

"ہیلو —— میں —— خالد بول رہا ہوں۔"

"ہیلو —— بیٹا! میں ہوں تمہاری امی۔" رابعہ خاتون کی آواز سُنائی دی۔ "تم یہاں فوراً آؤ۔ رُخسانہ کہیں چلی گئی۔"

"وہ —— وہ کہاں جا سکتی ہے؟" خالد نے کہا۔ "آپ تو خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔ میرا خیال ہے وہ قیصر سے ملنے احمد نگر چلی گئی ہے۔"

"آں —— مگر اتنی رات گئے وہ تنہا کیسے جا سکتی ہے اور —— اور پھر آج اس

نے میرے سامنے قیصر سے نفرت کا اظہار کیا تھا —— نہیں بیٹا، وہ قیصر کے پاس نہیں گئی ہے۔"

"پھر کہاں جا سکتی ہے؟"

"یہی تو سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کہاں جا سکتی ہے۔ نہ جانے کیوں میرا دل گھبرا رہا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ احتیاطاً تھانے میں اس کی گمشدگی کی رپورٹ لکھوا دی جائے۔"

"ن —— نہیں —— آپ تھانے نہ جائیں۔"

"کیوں ——؟" حیرت سے پوچھا گیا۔

"آپ نہیں جانتیں آنٹی —— مم میرا مطلب ہے امی —— آپ میری امی ہیں نا ——؟"

"ہاں بیٹا ——! مگر تم تھانے میں رپورٹ کیوں نہیں لکھانا چاہتے؟"

"وہ اس لئے کہ اس میں ہماری بدنامی ہے۔ لوگ کہیں گے کہ ہمارے خاندان کی ایک لڑکی آوارہ اور بدچلن تھی اس لئے رات کو کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔ ہم دنیا والوں کو کہاں تک سمجھائیں گے کہ وہ بھاگ کر نہیں بلکہ اپنی پریشانیوں کی وجہ سے کہیں چلی گئی ہے۔"

"ہاں ——!" ان کی آواز آئی۔ "وکیل صاحب بھی یہی کہتے ہیں کہ تھانے میں رپورٹ لکھوانے سے بات کا تبنگڑ بن جائے گا۔"

"وہ ٹھیک کہتے ہیں۔ آپ یہاں آجایئے۔ ہم خاموشی سے اسے تلاش کریں گے۔"

"اچھی بات ہے میں آرہی ہوں۔"

فون کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ خالد نے بھی اطمینان کی سانس لیکر ریسیور کو رکھ دیا۔

اب اسے ذرا سکون کی ضرورت تھی۔ جو کچھ بھی ہوا، وہ اسے بھول جانا چاہتا تھا
اس نے پتلون کی جیب سے وہسکی کی چھوٹی سی بوتل نکالی اور اس کا ڈھکنا کھولکر گھونٹ
بھرنے لگا۔

بوتل چھوٹی سی تھی۔ وہسکی بھی کم تھی۔ اس کی پیاس نہیں بجھ سکتی تھی۔ اس نے اوپر کے
برآمدے کی طرف دیکھا۔ اس کے کمرے میں شراب کی بوتلوں کا سٹاک تھا۔ وہ وہاں اطمینان سے
بیٹھ کر پی سکتا تھا اور پی کر دل میں اٹھنے والے اندیشوں کو کچل سکتا تھا۔

اس نے بوتل کو بند کرکے جیب میں رکھ لیا اور زینے کی طرف بڑھنے لگا۔

اس وقت ڈرائنگ روم میں صرف ایک بلب روشن تھا۔ اوپری برآمدے میں تقریباً
اندھیرا تھا۔ خالد نے زینے پر قدم رکھا اور ایک پائیدان پر چڑھتے ہوئے اوپر کی طرف جانے لگا
ابھی اس نے نصف زینہ طے کیا تھا کہ اچانک تاریکی چھا گئی —— وہ لرز کر رہ گیا۔ اسے
یہی محسوس ہوا کہ وہ یک بیک اس تاریک ویرانے میں پہنچ گیا ہے جہاں وہ رخسانہ کو پھینک
آیا تھا —— بالکل ویسی ہی تاریکی تھی۔

پھر وہ جلد ہی سنبھل گیا اور سمجھ گیا کہ بجلی فیل ہوگئی ہے۔ وہ زینے کی ریلنگ تھام کر
اندازے سے اوپر کی طرف جانے لگا۔ پھر اسے خیال آیا کہ جیب میں دیا سلائی ہے۔ اسے
جلا کر کمرے تک جانا چاہیئے۔

اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر دیا سلائی نکالی —— لیکن جلانے کی نوبت نہیں آئی
س سے پہلے ہی مارے دہشت کے دیا سلائی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔

اس نے گھبرا کر رخسانہ کے کمرے کی طرف دیکھا —— وہاں کوئی تھا۔ کمرے کا دروازہ
را سا کھلا ہوا تھا۔ اور اس کمرے میں کسی نے دیا سلائی روشن کی تھی۔

دیا سلائی کی روشنی میں دیوار پر رخسانہ کا سایہ نظر آرہا تھا —— خالد کی گھگھی بندھ گئی
مارے دہشت کے دانت سے دانت بجنے لگے۔

پھر وہ اپنے پیروں پر کھڑا نہ رہ سکا۔ اس کے گھٹنے کانپ رہے تھے۔ وہ دھم سے گرا
اور نشیب کی طرف لڑھکنے لگا۔

"کون ہے —— ؟" کسی کی سریلی آواز گونجی۔

سیڑھیوں پر سے لڑھکتے ہوئے آواز کی شناخت اچھی طرح نہ ہوسکی۔ لیکن اسے ایسا ہی
لگ رہا تھا جیسے رخسانہ اس کے کانوں کے قریب ہی چیخ رہی ہے —— کون ہے؟ ——
کون ہے ...... ؟

وہ ہذیانی انداز میں چیخنے لگا۔

"بھاگ جاؤ —— یہاں سے بھاگ جاؤ —— تم مر چکی ہو —— تم زندہ نہیں
ہوسکتیں —— تم یہاں نہیں آسکتیں۔"

وہ ڈرائنگ روم کے فرش پر پڑا ہوا اس طرح اپنے ہاتھ پاؤں جھٹکنے لگا جیسے کوئی
اسے ذبح کر رہا ہو۔

"تم مجھے نہیں ڈرا سکتیں۔ میں ـــ میں تمہیں مار ڈالوں گا ـــ تمہارا گلا دبا دوں گا ـــ تمہیں ہمیشہ کے لئے ختم کر دوں گا۔"

اوپری برآمدے میں اسے رخسانہ کا سراپا نظر آ رہا تھا۔ چہرے کے نقوش اندھیرے میں گم تھے۔ اس کے پیچھے کمرے میں موم بتی کی دھیمی دھیمی روشنی تھی۔ اس لئے وہ روشنی کے پیش منظر میں ایک تاریک سائے کی طرح نظر آ رہی تھی۔

وہ ریلنگ پر دونوں ہاتھ رکھ کر شاید کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن خالد نے گلا دبا کر مارنے کی دھمکی دی تو بے اختیار اس کا ہاتھ اپنی گردن تک چلا گیا اور وہ سہمے ہوئے انداز میں اُلٹے قدم چلتی ہوئی کمرے میں چلی گئی اور ایک دھماکے سے دروازے کو بند کر دیا۔

کمرہ بند ہوتے ہی تاریکی اور گہری ہو گئی۔

خالد بدستور چیخے جا رہا تھا اور اندھیرے میں آنکھیں پھاڑے اوپری برآمدے کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ اٹھ کر بیٹھ جاتی ـــ انسان کے پاس جب ہاتھ پاؤں ہلانے کی قوت نہیں ہوتی تو وہ زبان سے کام لیتا ہے اور گالیاں دے کر دھمکیاں دیتا ہے۔

"خبردار میرے قریب نہ آنا ـــ تم نے اندھیرا کیوں کر دیا ہے ـــ مکار عورت تم اندھیرے میں میرا گلا دبانا چاہتی ہو ـــ میں تمہیں مار ڈالوں گا۔ خبردار میرے قریب نہ آنا ـــ میں تم سے نہیں ڈرتا ـــ میں ـــ میری بوتل کہاں ہے؟"

وہ اپنی جیب ٹٹولنے لگا۔

پھر بوتل نکل آئی۔ لیکن مارے گھبراہٹ کے ڈھکنا نہیں کھل رہا تھا۔ ہاتھ کانپ رہے تھے۔ زبان چل رہی تھی۔ وہ اپنے اندر بے نام سی جرأت پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

پھر یک بیک ڈرائنگ روم کا بلب روشن ہو گیا ـــ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا مل گیا روشنی ہوتے ہی خوف قدرے کم ہو گیا۔ سب سے پہلے اس نے اوپری برآمدے کی طرف دیکھا ـــ مگر وہاں کوئی نہ تھا۔

یہ محض واہمہ تو نہیں تھا۔

وہ سوچنے لگا۔

"ہاں ـــ یہ میرے دل میں چھپا ہوا خوف تھا جو اندھیرے میں ایک آسیب کی طرح سامنے آ گیا تھا...."

وہ بوتل کا ڈھکنا کھول کر فرش پر لیٹے ہی لیٹے پینے لگا۔ دو چار گھونٹ لینے کے بعد ہوش ذرا ٹھکانے آئے۔ وہ فرش سے اٹھ کر بڑبڑانے لگا۔

"نان سنس ـــ وہ تو اب تک مر بھی چکی ہوگی ـــ یہاں کیسے آ جائے گی۔"

وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے صوفہ کے پاس آیا اور تھکے ہوئے انداز میں بیٹھ گیا۔ اسی وقت پورچ میں ایک کار آ کر رُکی۔ تھوڑی دیر بعد رابعہ خاتون اور وکیل صاحب ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔

رابعہ خاتون نے خالد کو دیکھتے ہوئے پریشان ہو کر پوچھا۔

"ارے بیٹا ——— ! یہ تمہاری پیشانی سے خون کیسے بہہ رہا ہے ——— ؟

خالد کو اچانک اپنی چوٹوں کا احساس ہوا۔ اس نے ایک ہاتھ سے پیشانی کا خون پونچھتے ہوئے کہا۔

"میں زینے سے گر پڑا تھا۔"

رابعہ خاتون لپک کر آئیں اور اپنے دوپٹے کے آنچل سے اس کے چہرے کے خون کو پونچھنے لگیں۔ پھر انہوں نے بڑی محبت سے کہا۔

"بیٹا! زخمی ہوئے تھے تو ارمانہ کو آواز دے کر بُلا لینا تھا۔"

"ارمانہ ——— ؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں ——— وہ شام کو یہاں آئی ہے۔ رُخسانہ کے کمرے میں سو رہی ہے۔"

خالد نے جھنجلا کر اپنے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا۔ اور گھور کر رخسانہ کے کمرے کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر دل ہی دل میں بولا۔

"اچھا ——— تو وہ ارمانہ تھی ——— نان سنس ....!"

اسے اپنی بزدلی پر غصہ آ رہا تھا۔

ارمانہ لباس بدل کر آئینہ کے سامنے آئی اور بالوں میں کنگھی کرنے لگی۔ وہ سفید بلاؤز اور سفید رنگ کی ساڑھی پہنے ہوئے تھی۔ اب اس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ رنگین لباس پہنے اور سنگار کرے۔ عورت اپنی ہی نظروں میں گر جائے تو بناؤ سنگار کی خواہش مر جاتی ہے۔ اسی لئے وہ سفید لباس کو ایک کفن کی طرح پہن کر رہتی تھی۔

پہلے اس نے سوچا تھا کہ زہر کھا کر اپنی اس زندگی کا خاتمہ کر لے جسے خالد نے داغدار بنا دیا ہے۔ پھر اس نے سوچا کہ اپنے لئے تو سب ہی جیتے اور مرتے ہیں۔ اگر وہ زندہ رہ کر باپ کا قرض اتار سکتی ہے تو اسے خالد سے شادی کر لینا چاہیئے۔

حالانکہ خالد نے صاف طور سے کہہ دیا تھا کہ اب وہ اس سے شادی نہیں کرے گا ——— ہاں، کبھی کبھی دل بہلا سکتا ہے ——— اُف! کیسا کمینہ آدمی ہے۔ ایک

شریف لڑکی سے ایسی باتیں کرتے ہوئے اسے ذرا بھی شرم نہیں آتی۔

ارمانہ کے بس میں ہوتا تو وہ اسے زندہ دفن کر دیتی —— بہرحال وہ یہ فیصلہ کرکے آئی تھی کہ اس کے شرمناک تقاضوں کو پورا نہیں کرے گی۔ اگر اس نے شادی کی شرط منظور نہیں کی اور اسے بدنام کرنے کی دھمکی دی تو پھر وہ باپ کے قرض کا بھی خیال نہیں کرے گی اور کہیں جا کے ڈوب مرے گی یا زہر کھا لے گی —— ایک بار دھوکے سے برباد ہونے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ بار بار خود کو تباہ کرتی رہے۔ ایسا تو وہی کرتی ہیں جو اندر سے بازاری عورتوں کی طرح سستی ہوتی ہیں اور اوپر سے اپنی پارسائی کا بھرم رکھتی ہیں —— ارمانہ جھوٹی پارسائی نہیں جتانا چاہتی تھی۔

اس نے بالوں کو سلجھا کر اپنے شانہ پر پھیلا دیا اور کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آگئی۔

اس وقت صبح کے دس بجے تھے۔ وہ خالد کے کمرے کی طرف جانے کے لئے گھومی مگر پھر رک گئی۔ اسی وقت نیچے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا اور فراز کا چہرہ نظر آیا۔

وہ قیصر کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہو رہا تھا۔ ارمانہ کا دل آپ ہی آپ دھڑکنے لگا وہ جلدی سے پلٹ کر کمرے میں واپس آگئی اور دروازے کی اوٹ سے اس کی آواز سننے لگی۔

وہ ملازم سے اپنی امی کے متعلق پوچھ رہا تھا۔ ملازم نے بتایا کہ وہ اپنے کمرے میں ہیں۔

ارمانہ نے دروازے کو بند کر لیا —— خود کو چھپا لیا۔ وہ اوپر آ رہا تھا۔ اور یہ اس کا سامنا نہیں کر سکتی تھی۔ کس منہ سے اس کے سامنے جاتی —— ایک کنواری لڑکی

زور ہار جانے کے بعد اب اس میں کیا رہ گیا تھا کہ وہ اپنے محبوب سے آنکھیں ملا کر بات کرتی۔

آہ —— ! وہ کس طرح خود اپنی نظروں میں گر گئی تھی۔

دروازے کے قریب قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ دروازے کے پاس سے پلٹ کر کھڑکی کے پاس آئی اور پردے کی آڑ سے باہر دیکھنے لگی۔

فراز اور قیصر کھڑکی کے پاس سے گزر رہے تھے۔

وہ دونوں شانہ بہ شانہ چلتے ہوئے رابعہ خاتون کے کمرے کے سامنے آئے اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔

رابعہ خاتون بیٹھی ہوئی وکیل صاحب سے باتیں کر رہی تھیں۔ انہیں دیکھتے ہی گھبرا کر کھڑی ہو گئیں۔

پھر انہوں نے قیصر سے پوچھا۔

"تم کب آئے ——؟"

"ابھی آ رہا ہوں —— !" قیصر نے غرّا کر کہا۔ "رخسانہ کہاں ہے ——؟"

"وہ کہیں بھی ہے۔ تم سے مطلب —— تم تو اسے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔"

"میں آپ سے بحث کرنے نہیں آیا ہوں۔ رخسانہ سے ملنے آیا ہوں۔"

رابعہ خاتون نے جواب دیا۔

"جب تک فیصلہ نہیں ہو گا۔ تم رخسانہ سے نہیں مل سکتے۔"

"ہم ــــ!" قیصر نے گھور کر انہیں دیکھا۔ "آپ یہ کیوں نہیں کہتیں کہ اصل راز کھلنے کے ڈر سے آپ نے رخسانہ کو مجھ سے دور کر دیا ہے، نہ وہ مجھ سے ملے گی اور نہ مجھے یہ حقیقت معلوم ہو گی کہ اس کی تباہی کا ذمہ دار خالد ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے ــــ!" وہ گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئیں۔ "کون کہتا ہے کہ اس کا ذمہ دار خالد ہے۔"

قیصر نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر رخسانہ کا خط نکالا اور ان کی طرف بڑھا کر کہا۔

"اسے پڑھیے ــــ آپ سمجھتی تھیں کہ رخسانہ کو پرانی کوٹھی میں چھپا کر حقیقت کو بھی چھپالیں گی لیکن رخسانہ کو آپ کی سازش کا علم ہو گیا تھا۔ پرانی کوٹھی میں جانے سے پہلے ہی اس نے یہ خط لکھ کر فراز کو دیا تھا کہ مجھ تک پہنچا دیا جائے۔"

رابعہ خاتون خط کھول کر پڑھنے لگیں۔ رخسانہ نے اس خط میں صاف طور سے لکھ دیا تھا کہ اس کی تباہی کا ذمہ دار صرف خالد ہے۔

وکیل صاحب اس خط کی حقیقت کو نہیں جانتے تھے۔ اس لئے وہ حیرت سے ایک ایک کا منہ تک رہے تھے

رابعہ خاتون نے خط پڑھ لیا تھا۔ پھر بھی اس پر نظریں جمائے ہوئی تھیں اور سوچ رہی تھیں کہ اب کیا کرنا چاہیئے؟ اس وقت خالد کی صفائی میں کچھ نہ کچھ کہنا ضروری تھا۔ ورنہ قیصر اسی وقت خالد سے انتقام لینے پر تل جاتا ــــ انہوں نے بڑے ہی ٹھوس لہجے میں کہا۔

"رخسانہ نے جو کچھ بھی لکھا ہے۔ وہ غلط ہے۔ خالد ایسا لڑکا نہیں ہے۔"

قیصر نے پوچھا۔

"تو پھر ایسا لڑکا کون ہے؟ کون ہے اس بچہ کا باپ؟ آپ نے اس حقیقت کو پانے کے لئے رخسانہ کو مجھ سے منسوب کر دیا تھا۔ لہذا آپ سے زیادہ اصل مجرم سے ئی واقف نہیں ہے۔"

رابعہ خاتون پریشان ہو کر فراز کو دیکھنے لگیں۔ فراز نے کہا۔

"قیصر بھائی مجھ سے ایک بار دشمنوں کی طرح لڑ چکے ہیں۔ یہ تماشہ آپ نے بھی دیکھا تھا۔ ہمارے جھگڑا کرنے کے دوران آپ نے ہماری باتیں بھی سنی تھیں اور یہ سن کر بھی خاموش ی تھیں کہ رخسانہ کے سلسلہ میں قیصر بھائی مجھ پر شبہ کر رہے ہیں ــــ کیا آپ بتا سکتی کہ آپ خاموش کیوں ہو گئی تھیں؟ کیا آپ مجھے مجرم سمجھتی ہیں ــــ؟"

رابعہ خاتون اس سوال سے بوکھلا گئیں ــــ وکیل صاحب نے کہا۔

"بھئی بات کیا ہے۔ مجھے بھی تو بتاؤ۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے۔"

قیصر نے جواب دیا۔

"آپ کا اس معاملہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہذا فی الحال آپ خاموش رہیں۔"

رابعہ خاتون نے جلدی سے بات بدلتے ہوئے کہا۔

"قیصر ــــ تم خواہ مخواہ کی بحث لے بیٹھے ہو۔ ابھی ہمارے سامنے سب سے بڑی ھن یہ ہے کہ ہم رخسانہ کو کہاں تلاش کریں۔ وہ کل رات سے لاپتہ ہے۔"

"لاپتہ ہے ——؟" فراز نے گھبرا کر پوچھا۔

قیصر نے انہیں غیر یقینی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"وہ لاپتہ ہے یا آپ نے اسے غائب کر دیا ہے؟"

"میں کیا اس کی دشمن ہوں؟" انہوں نے بگڑ کر کہا۔

"دشمن تو نہیں ہیں۔ لیکن رخسانہ کو مجھ سے دور رکھنے میں آپ کا فائدہ ہے۔"

وکیل صاحب نے کہا۔

"قیصر —— تم ان کی بات کا نہیں تو میری بات کا یقین کرو۔ رخسانہ پرانی کوٹھی میں رہنے کے لئے گئی تھی۔ کل رات وہاں کے ملازم نے آکر خبر دی کہ وہ اچانک کہیں چلی گئی ہے۔ ہم کل سے اس کے لئے پریشان ہیں۔ تھانے میں رپورٹ اس لئے نہیں درج کرائی کہ اس میں خاندان کی بدنامی ہے۔ ہم ابھی بیٹھے یہی سوچ رہے تھے کہ شاید وہ احمد نگر تمہارے پاس چلی گئی ہے۔"

"وہ میرے پاس نہیں آئی ہے۔" قیصر نے چیخ کر کہا۔ "مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرو۔ وہ میرے پاس آنے کے لئے رات کو تنہا کبھی سفر نہیں کر سکتی۔ میں ابھی پرانی کوٹھی جا کر حقیقت معلوم کرتا ہوں —— آؤ فراز ...... !"

اس نے رابعہ خاتون کے ہاتھ سے رخسانہ کا خط چھین لیا۔ پھر وہ فراز کے ساتھ تیزی سے چلتا ہوا دروازے تک آیا اور تنبیہہ کے انداز میں ان کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔

"میں جا رہا ہوں —— اگر رخسانہ وہاں نہ ملی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ وہ

یسی بھی ہے، میری بیوی ہے۔ میرے گھر کی عزت ہے۔ میں اپنی عزت کی حفاظت کے لئے آپ کی بزرگی کا بھی احترام نہیں کروں گا۔"

رابعہ خاتون کا چہرہ ایسا سفید پڑ گیا تھا جیسے خون خشک ہو گیا ہو —— وہ دونوں کمرے سے نکل کر اوپری برآمدے میں چلتے ہوئے اس کھڑکی کے پاس سے گزر گئے جس کے پردے کی آڑ میں ارمانہ اب تک کھڑی ہوئی تھی اور انہیں زینے سے اتر کر جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

اس نے قیصر اور رابعہ خاتون کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی تھی اور اس نتیجہ پر پہنچی تھی کہ قیصر کو کسی مجرم کی تلاش ہے۔ اس مجرم کی —— جس نے رخسانہ کو تباہ کیا ہے —— رخسانہ کیسے تباہ ہوئی تھی، اس کی وضاحت نہ ہو سکی تھی۔ بہرحال کسی خط کا بھی ذکر ہو رہا تھا کہ رخسانہ نے اس خط میں خالد کو اپنی تباہی کا ذمہ دار بتایا ہے۔

تباہی —— اور خالد —— ارمانہ کانپ گئی۔ خالد کے نام سے اسے اپنی تباہی کا خیال آگیا —— کیا —— کیا خالد نے رخسانہ کو بھی اسی طرح تباہ کیا ہے؟

اُف میرے خدا —— تو نے اس شیطان کو اتنی ڈھیل دے رکھی ہے۔ رخسانہ قیصر کی نظروں سے گر گئی ہے اور میں —— فراز کو میری تباہی کی داستان معلوم ہو گئی تو میں اس کی نظروں میں گر جاؤں گی۔

وہ دل برداشتہ ہو کر کھڑکی کی طرف سے پلٹ گئی۔ پہلے وہ خالد کے پاس جا کر دو ٹوک فیصلہ کرنا چاہتی تھی۔ لیکن فراز کو دیکھنے کے بعد اب خالد کی صورت بھی دیکھنے کو

جی نہیں چاہتا تھا۔ مگر اس سے مل کر فیصلہ کرنا بھی ضروری تھا۔ آخر یہ پہاڑ سی زندگی
اس کے ساتھ گزارنا تھی۔

اس دنیا میں اپنی آرزوؤں کے خلاف کس طرح جینا پڑتا ہے۔ آج اس کا
احساس ہو رہا تھا ——— نگاہوں کے سامنے فراز کی تصویر تھی۔ مگر حالات اسے خالد
کی طرف لئے جا رہے تھے۔

پھر یکایک اس نے فیصلہ کیا کہ وہ فی الحال خالد سے نہیں ملے گی۔ جو کچھ اسے کہنا
ہے۔ وہ باتیں ایک خط میں لکھ کر اس کے پاس بھیج دے گی۔ اگر اس کا سامنا کئے بغیر ہی
بات بن سکتی ہے تو پھر کیا ضروری ہے کہ اس منحوس کا چہرہ دیکھا جائے۔

وہ سوچتی ہوئی میز کے پاس آئی اور خط لکھنے کے لئے کاغذ اور قلم تلاش کرنے لگی۔
میز پر بہت سے ناول ایک قطار میں رکھے ہوئے تھے لیکن لکھنے کا سامان نہیں تھا۔

اس نے میز کی دراز کھول کر دیکھا۔ وہاں ایک لیٹر پیڈ اور قلم رکھا ہوا تھا۔ اس کے
علاوہ قیصر اور رخسانہ کی کئی تصویریں رکھی ہوئی تھیں جو ان کی شادی کے موقع پر لی گئی تھیں

ارمانہ نے قلم کو اٹھایا اور لیٹر پیڈ کو سامنے میز پر رکھ کر اس کے سرورق کو اٹھایا۔
پہلے صفحے پر کسی کا نام لکھا ہوا تھا۔

ارمانہ اسے دیکھتے ہی ٹھٹھک گئی۔ وہ خط اسی کے نام لکھا ہوا تھا۔

" ارمانہ باجی !

آج پہلی بار آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔ فراز بھائی آپ کی ایک غلط فہمی

دور کرنے کے لئے پنڈی جانا چاہتے تھے لیکن میں نے اپنے سہاگ کا
واسطہ دے کر انہیں احمد نگر بھیج دیا ہے تاکہ قیصر کے دل میں میرے لئے
جو نفرت پیدا ہو گئی ہے، وہ اس نفرت کو مٹا سکیں۔ میں نے فراز بھائی
سے وعدہ کیا ہے کہ میں آپ کی غلط فہمی دور کر دوں گی۔

باجی ——— ! جی تو یہی چاہتا ہے کہ میں آپ کے پاس آکر ساری
باتیں روبرو کروں۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ خالہ جان اب مجھے کہیں نہ جانے
دیں گی اس لئے میں یہ خط لکھنے پر مجبور ہو گئی ہوں۔

اب میں ایک حقیقت آپ سے بیان کر رہی ہوں کہ آپ خود کو خالد
کا شکار نہ سمجھیں۔ میں احمق تھی کہ اس کے جال میں پھنس گئی۔ اس نے
آپ کو بھی تباہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ میں
نے خالد اور خالہ جان کی باتیں چھپ کر سنی ہیں۔ خالد اپنی زبان سے اعتراف
کر رہا تھا کہ وہ آپ تک پہنچنے میں ناکام رہا ہے ——— جسے آپ خالد
سمجھ رہی ہیں۔ دراصل وہ خالد نہیں تھا فراز بھائی تھے۔

بعد میں فراز بھائی سے مل کر مجھے یہ تفصیل معلوم ہوئی کہ خالد نے آپ کو شراب
پلا کر مدہوش کر دیا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ خالد کے ناپاک ہاتھ آپ تک
پہنچتے، وہاں فراز بھائی پہنچ گئے ——— پھر اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا ———
اس کی ذمہ داری فراز بھائی پر عائد ہوتی ہے۔ خالد آپ کی لاعلمی سے فائدہ

اُٹھا کر آپ کو بلیک میل کر رہا ..... "

خط مکمل نہیں تھا۔ ادھورا ہی رہ گیا تھا —— ادھورا کیوں رہ گیا تھا —— ؟

یہ سوال ارمانہ کے ذہن میں نہیں اُبھرا —— وہ تو کسی اور ہی خیال میں ڈوبی ہوئی تھی اس کے چہرے کی تمام اُداسیاں یکلخت مٹ گئی تھیں —— اس حقیقت نے اُسے دوبارہ زندگی دے دی تھی کہ وہ خالد کے ناپاک ارادوں سے محفوظ رہی۔

ناپاک ارادہ خواہ دشمن کا ہو یا دوست کا —— وہ ناپاک ہی ہوتا ہے —— فراز نے ایسی زیادتی کیوں کی —— ؟

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

اس رات کی بہت سی پرچھائیاں اس کے ذہن کے آس پاس منڈلانے لگیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ فراز سے نفرت کا اظہار کرے یا ناراضگی کا —— تلخ ناراضگی کا اظہار کرے یا میٹھی ناراضگی کا .....

یک بیک اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

وہ میز پر دونوں بازو پھیلا کر جھک گئی اور بازوؤں کے درمیان منہ چھپا کر رونے لگی۔

"ہائے فراز —— تم نے مجھے شیطان سے بچایا اور خود شیطان بن گئے ....."

خود شیطان بن گئے —— وہ رو رہی تھی۔

خود شیطان بن گئے —— وہ ہنس رہی تھی۔

ایک خیال اُسے رُلا رہا تھا۔ دوسرا خیال اسے ہنسا رہا تھا —— ایسا اکثر ہوتا ہے —— نفرت اور محبت کے سنگم پر آنسو اور قہقہے اسی طرح گڈمڈ ہو جاتے ہیں۔ پتہ ہی نہیں چلتا کہ بیک وقت رونے اور ہنسنے والے کے دل میں کیا بھید ہے۔

وہ روتے روتے ہنس رہی تھی اور ہنستے ہنستے رو رہی تھی۔ سر کے نیچے رکھا ہوا خط اس کے آنسوؤں سے دُھل رہا تھا —— نہیں دُھل نہیں رہا تھا بلکہ آنکھوں کے پانی سے کسی داغ کو دھونے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

گیارہ بج رہے تھے۔ لیکن خالد اب تک سو رہا تھا۔ سرہانے کی میز پر شراب کی بوتل کھلی پڑی تھی اور شیشے کا ایک گلاس میز سے لڑھک کر قالین پر آگیا تھا۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔

پھر اس دستک کے ساتھ رابعہ خاتون کی آواز آنے لگی۔

"خالد دروازہ کھولو .... !"

وہ نیند میں کسمسایا اور کروٹ بدل کر سو گیا۔

"دروازہ کھولو —— خالد .... !"

وہ زور زور سے دروازے کو پیٹنے لگیں۔

اس نے ناگواری سے منہ بنا کر آنکھیں کھول دیں۔ دروازہ اتنی شدت سے پیٹا جا

رہا تھا کہ اسے اٹھنا ہی پڑا۔ وہ بے دلی سے چلتا ہوا دروازے تک آیا اور ایک جماہی لے کر چٹخنی گرا دی۔

رابعہ خاتون ہڑبڑا کر کمرے میں داخل ہوئیں۔ ان کے پیچھے وکیل صاحب بھی تھے۔

"غضب ہو گیا۔" رابعہ خاتون نے گھبرا کر کہا۔ "قیصر یہاں آگیا ہے۔"

"قیصر —— !" خالد کی نیند کا خمار اڑ گیا۔

"ہاں —— وہ رخسانہ کو پوچھ رہا ہے ......"

"رخسانہ —— ؟" وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے چلا گیا۔ نیند اور شراب کے نشہ میں وقتی طور پر رخسانہ کو بھول گیا تھا۔ اس نے گھبرا کر کہا۔

"تو —— میں —— کیا کروں؟ میں نے تو رخسانہ کو نہیں چھپایا ہے۔"

"لیکن قیصر یہی سمجھ رہا ہے کہ ہم نے اسے چھپایا ہے۔ وہ اسے تلاش کرنے کے لئے پرانی کوٹھی کی طرف گیا ہے۔"

"تو جانے دیجئے —— !" وہ ہاتھ جھٹک کر ان کی طرف سے پلٹ گیا اور پلنگ کے سرے پر جا کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے لاپرواہی سے کہا۔

"وہ اپنی مرضی سے کہیں چلی گئی ہے تو اس میں ہماری کیا غلطی ہے۔ قیصر بھائی کے پاس کیا ثبوت ہے کہ ہم نے اسے چھپایا ہے؟"

"بہت بڑا ثبوت ہے۔" رابعہ خاتون نے کہا۔ "رخسانہ نے پرانی کوٹھی میں جانے سے پہلے قیصر کو ایک خط لکھا تھا۔ وہ خط تمہارے خلاف ہے۔ اس لڑکی نے اپنی تباہی کا

الزام تم پر لگایا ہے۔"

خالد گھبرا کر انہیں دیکھنے لگا۔ وکیل صاحب نے کہا۔

"خالد ---- اب میرے سامنے تمام باتیں واضح ہو گئی ہیں اور میں یہ اچھی طرح سمجھ چکا ہوں کہ تم نے رخسانہ کو جیتے جی مار ڈالا ہے۔ ۔ ۔ ۔"

"نہیں ---- !" وہ دہشت زدہ ہو کر چیخ پڑا۔ "میں نے اسے نہیں مارا ہے ---- یہ جھوٹ ہے ---- وہ کہیں بھاگ گئی ہے۔ میں نے اسے نہیں مارا ہے۔۔"

"تم اس طرح کیوں چیخ رہے ہو۔" وکیل صاحب نے کہا۔ "میں نے یہ تو نہیں کہا ہے کہ تم نے اسے جان سے مار ڈالا ہے۔ میں تو اس عزت کے لئے کہہ رہا ہوں۔ جس کے لٹنے کے بعد لڑکی زندہ رہ کر بھی مردوں سے بدتر ہو جاتی ہے ---- تم نے رخسانہ نہیں بلکہ اس کی عزّت کا خون کیا ہے۔ ۔ ۔ ۔"

"آں ---- !" خالد بوکھلا کر انہیں دیکھنے لگا۔ اسے اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا کہ وہ ذرا ذرا سی بات پر دہشت زدہ ہو جاتا ہے۔ اس نے جھنجھلا کر کہا۔

"آپ فضول باتیں نہ کریں۔ میں کسی کی تباہی کا ذمہ دار نہیں ہوں۔"

"تمہارے انکار سے کچھ نہیں بنے گا۔ رُخسانہ کا خط تمہارے خلاف بہت بڑا ثبوت ہے۔ تم کب تک اپنی پارسائی جتاؤ گے۔ رخسانہ آج گئی ہے تو کل ضرور آئے گی۔ قیصر اسے کہیں نہ کہیں تلاش کرے گا۔ پھر تم رخسانہ کے سامنے کیسے انکار کرو گے؟"

خالد کے جی میں آیا کہ وہ بے اختیار قہقہہ لگائے ---- وہ بڈھا وکیل سمجھ رہا تھا کہ

رخسانہ واپس آجائے گی۔ اسے کیا پتہ تھا کہ اس لڑکی کی لاش کسی ویرانے میں پڑی سڑ رہی ہے۔

اس نے قہقہہ نہیں لگایا صرف مسکرا کر کہا۔

"میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ رخسانہ واپس آجائے۔ فراز نے اسے بہلا پھسلا کر میرے خلاف خط لکھوایا ہے۔ وہ میرے سامنے آئے گی تو جھوٹ نہیں بول سکے گی۔"

رابعہ خاتون کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ انہوں نے کہا۔

"اس خوش فہمی میں نہ رہو خالد ---- پتہ نہیں رخسانہ کہاں گئی ہے اور کب واپس آئے گی مگر قیصر ابھی پرانی کوٹھی سے واپس آتے ہی تمہاری جان کا دشمن بن جائے گا ---- اس بد دماغ لڑکے سے اُلجھنا دانشمندی نہیں ہے۔ تمام ثبوت تمہارے خلاف ہیں۔ وہ مارنے مرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔"

خالد سوچ میں پڑ گیا۔

وکیل صاحب بڑبڑانے لگے۔

"پتہ نہیں وہ کہاں چلی گئی ہے۔ اس کا اس طرح چلے جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔"

"خطرہ ---- !؟" خالد نے چونک کر انہیں دیکھا ---- پھر تھوک نگل کر پوچھا۔

"کیسا خطرہ ---- ؟"

وکیل صاحب نے جواب دیا۔

"یہی کہ وہ اپنی بدنامی سے گھبرا کر خودکشی بھی کر سکتی ہے۔"

خالد نے جلدی سے کہا۔

" ہاں ہوسکتا ہے۔ وہ کسی کنویں میں چھلانگ لگا سکتی ہے یا ---- یا کسی اونچی جگہ سے گر کر جان دے سکتی ہے۔"

رابعہ خاتون نے پریشان ہوکر کہا۔

" نہیں نہیں ---- ایسا نہ کہو۔ وہ نہیں مر سکتی۔ وہ ایسا نہیں کر سکتی ---- ہائے خالد تم نے اس یتیم بچی کو کس حال میں پہنچا دیا ہے۔ میں اسے کہاں تلاش کروں۔"

" بکواس مت کیجئے ----!" خالد نے جھلا کر کہا۔ "غلطی صرف میری نہیں۔ اس کی بھی تھی۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ اور پھر ---- پھر ہم نے اسے بدنامی سے بچانے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا ---- لیکن وہ احمق ہے جو ہمیں اطلاع دیئے بغیر کہیں چلی گئی ہے۔ اور آپ کہہ رہی ہیں کہ میں نے اسے تباہ کیا ہے۔ اگر قیصر بھائی نے آپ کی زبان سے ایسی باتیں سُنیں تو ان کا شبہ یقین میں بدل جائے گا۔"

" نن ---- نہیں میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ ......" وہ گھبرا کر کچھ اور کہنا چاہتی تھیں مگر خالد نے ڈانٹ کر کہا۔

" پھر کیا مطلب ہے آپ کا ---- جسے دیکھو، وہی مجھ پر الزام دیئے جاتا ہے۔ ایک تو میں نے یتیم سمجھ کر اپنے ہاں پناہ دی۔ اور پر سے مجھے ہی بدنام کیا جا رہا ہے۔"

وکیل صاحب نے کہا۔

" خالد ---- یہ غصہ دکھانے کا وقت نہیں ہے۔ ابھی ہمیں یہ سوچنا ہے کہ قیصر کا

شُبہ کس طرح دور کیا جائے۔ وہ یہی سمجھ رہا ہے کہ رخسانہ کو ہم لوگوں نے کہیں چھپا دیا ہے۔"

خالد نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔

" ان کے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔ جسے جانا تھا وہ چلی گئی۔ ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہیں ---- قیصر بھائی کو اس کی ضرورت ہے تو جائیں تحت الثریٰ میں اسے تلاش کریں۔"

" تحت الثریٰ ----!" رابعہ خاتون پھر گھبرا گئیں۔ " نہیں بیٹا! ایسی باتیں نہ کرو۔ اللہ نے چاہا تو وہ ضرور واپس آئے گی۔"

" جی ہاں ----!" خالد نے کہا۔ " ضرور واپس آئے گی......"

اسی وقت ایک ملازم گھبرایا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور اپنے ہاتھ میں ایک اخبار کو لہراتے ہوئے بولا۔

" بیگم صاحبہ ----! یہ دیکھئے۔ یہ فوٹو والی عورت رخسانہ بی بی لگتی ہیں۔"

" رخسانہ ----!" خالد کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے آگے بڑھا اور ملازم کے ہاتھ سے اخبار جھپٹ کر دیکھنے لگا۔

تصویر میں ایک عورت لاش کی طرح پڑی ہوئی تھی۔ اس کا تمام جسم ایک چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ صرف چہرہ کھلا ہوا تھا ---- اور وہ چہرہ بڑی حد تک رخسانہ سے مشابہت رکھتا تھا ---- چھپائی کی خامی کی وجہ سے تصویر نمایاں نہیں تھی۔

" لاؤ ---- ذرا میں دیکھوں ......" وکیل صاحب اس کے ہاتھ سے اخبار لے کر

دیکھنے لگے۔ رابعہ خاتون تصویر کو دیکھنے لگیں۔ پھر بولیں۔

" رحم کر میرے مالک —— یہ تو رخسانہ ہی لگتی ہے —— ذرا پڑھیئے تو اس کا نام شاید لکھا ہو....."

خالد گھبرا کر پیچھے ہٹنے لگا۔ اور اخبار کی طرف سہمی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔

وکیل صاحب پڑھ رہے تھے۔

پولیس اور ڈاکوؤں کے درمیان زبردست فائرنگ —— ڈاکو فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے، لیکن اپنے پیچھے ایک عورت کی لاش چھوڑ گئے....."

خالد نے اطمینان کی سانس لی کہ اس عورت کا تعلق ڈاکوؤں کے گروہ سے ہے۔

وکیل صاحب کی آواز اسے سنائی دے رہی تھی۔

" پچھلی رات بیر نگا کے ویران علاقے میں...."

خالد کا سکون پھر برباد ہو گیا۔ بیر نگا کا علاقہ وہی تھا جہاں وہ رخسانہ کو پھینک آیا تھا۔

وہ دل ہی دل میں خود کو تسلی دینے لگا۔ کہ کوئی بات نہیں خبر کی سرخی میں لاش کا ذکر ہے۔ اگر وہ رخسانہ ہی ہے تو یقیناً مر چکی ہے۔

وہ اپنے خیال سے چونک کر پھر وکیل صاحب کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ اس خبر کا بہت سا حصہ پڑھ چکے تھے اور آخری حصہ پڑھ رہے تھے۔

" قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہ حاملہ تھی اور حمل ضائع ہونے اور خون کافی مقدار

ں بہہ جانے کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گئی تھی اور زندگی کی آخری سانسیں لے رہی ی۔ انسپکٹر کرامت علی نے بتایا ہے کہ اس نامعلوم عورت کی حالت بڑی ہی تشویشناک ہے۔ شاید ہی وہ جانبر ہو سکے۔"

خالد کا چہرہ سیاہ پڑ گیا۔ اس خبر سے صاف ظاہر تھا کہ جائے واردات پر پولیس ے پہنچنے تک رخسانہ مری نہیں تھی۔ اس نے جھلا کر کہا۔

" کیا واہیات اخبار ہے۔ سرخی میں لاش کا ذکر ہے اور خبر میں کہا جا رہا ہے کہ وہ ے ہوش تھی۔"

وکیل صاحب نے جواب دیا۔

" یہ اخبار والے اسی قسم کی دھانسو سرخیاں دیتے ہیں تاکہ ہم خبر پڑھنے پر مجبور ہو ائیں —— بہرحال یہ رخسانہ نہیں ہو سکتی۔"

" مگر ——!" رابعہ خاتون نے کہا۔ خبر میں تو لکھا ہے کہ وہ حاملہ تھی۔ میرے اللہ ہیں وہ رخسانہ نہ ہو۔ ذرا تصویر تو دکھائیے، میں اچھی طرح دیکھوں گی۔"

وہ اخبار لے کر غور سے دیکھنے لگیں۔

"خالد کو پورا یقین ہو چکا تھا کہ اس کا جرم اب سامنے آنے والا ہے۔ اگر وہ سخت بان نکلی اور مرتے مرتے بھی اس کا نام لے لیا تو پھر پھانسی کے پھندے سے اسے کوئی ہیں بچا سکے گا۔

رابعہ خاتون نے اچانک چیخ کر کہا۔

"یہ رخسانہ ہی ہے ——— میرا دل کہتا ہے کہ یہ میری مظلوم بچی ہے...."

انہوں نے اخبار سے نظریں ہٹا کر خالد کی طرف دیکھا۔ خالد تیزی سے پلٹا پھر الماری کھول کر اس نے ایک سوٹ کیس نکالا اور بڑی پھرتی سے اپنے کپڑے اس میں رکھنے لگا۔

رابعہ خاتون نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ کیا کر رہے ہو ——؟"

"مجھے کچھ دنوں کے لئے یہاں سے چلے جانا چاہیئے۔ یہ اخبار قیصر بھائی کی نظروں میں آگیا تو وہ مجھے رخسانہ کا قاتل سمجھیں گے۔"

"مگر بیٹا ——تم جاؤ گے کہاں؟"

"کہیں بھی جاؤں گا ——— یہاں رہنے میں میرے لئے خطرہ ہے۔"

اس نے ایک جھٹکے سے سوٹ کیس کو بند کیا۔ الماری سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر اپنی جیب میں رکھیں اور سوٹ کیس اٹھا کر کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

رابعہ خاتون اور وکیل صاحب اس کے پیچھے پیچھے اوپری برآمدے میں آئے۔ رابعہ خاتون نے کہا۔

"ہاں ——یہی دانشمندی ہے۔ فی الحال تمہارا یہاں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ تم چلے جاؤ گے تو میں قیصر کو سمجھانے کی کوشش کروں گی...."

وہ تینوں سیڑھیاں اترنے لگے۔ وکیل صاحب نے کہا۔

"مگر ——— وہ تصویر والی رخسانہ ہی نکلی تو اس سلسلہ میں تمہیں بھی پوچھا جائے گا۔"

خالد نے جھلا کر کہا۔

"مجھے کیوں پوچھا جائے گا۔ میں کوئی رخسانہ کا سگا ہوں ——؟"

"بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" وکیل صاحب نے کہا۔ "یہ مرڈر کہیں بھی ہو سکتا ہے۔ اس میں سگے سوتیلے۔ اپنے پرائے سب ہی کا بیان لیا جاتا ہے۔"

"میرے بیان کے لئے کہا گیا تو آپ کہہ دیجئے گا کہ میں کاروبار کے سلسلے میں مختلف شہروں کا دورہ کر رہا ہوں...."

رابعہ خاتون نے کہا۔

"ہاں بیٹا ——تم فکر نہ کرو۔ ہم سب سنبھال لیں گے۔ تم اپنی خیریت کی اطلاع دیتے رہنا...."

وہ تینوں ڈرائنگ روم میں پہنچ کر ایک جھٹکے سے یوں رک گیا۔ جیسے بجلی کا شاک پہنچا ہو ——ڈرائنگ روم کے دروازے پر قیصر کھڑا ہوا تھا۔

اس نے رابعہ خاتون سے غراتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کس کی خیریت کی اطلاع چاہتی ہیں؟ ——— خالد کی خیریت تو میں ابھی پوچھ لیتا ہوں...."

وہ آگے بڑھا ——— خالد سوٹ کیس پھینک کر کچن کی طرف بھاگا تاکہ پچھلے راستے سے فرار ہو جائے ——— لیکن کچن کے دروازے پر فراز کھڑا ہوا تھا۔ اس نے پوچھا۔

"کہاں ہے رخسانہ ——؟"

خالد دوسری طرف پلٹ گیا۔ دوسری طرف قیصر غرایا۔

"رخسانہ کہاں ہے ——؟"

"آں ——!" اس نے ہکلا کر کہا۔ "مم۔ مجھے نہیں معلوم —— میں نہیں جانتا —— بالکل نہیں جانتا۔"

قیصر نے اس کی جانب بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"تم ابھی کہاں بھاگ کر جا رہے تھے ——؟"

"مم —— میں تو کاروبار کے سلسلہ میں باہر جا رہا تھا۔"

"تڑاخ ——!" قیصر کا ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا۔ رابعہ خاتون چیختی ہوئی دوڑیں۔

"ذلیل —— کمینے میرے بچے پر ہاتھ اٹھاتا ہے۔ میں تیرا منہ نوچ لوں گی۔"

لیکن ان کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی قیصر نے اپنی جیب سے ایک چاقو نکالا اور اسے ایک جھٹکے سے کھول دیا۔

رابعہ خاتون ٹھٹھک کر کھڑی رہ گئیں۔ چاقو کا تیز اور نوکیلا پھلا ان کی آنکھوں کے سامنے چمک رہا تھا۔

فراز نے پیچھے سے آ کر خالد کو دونوں بازوؤں میں جکڑ لیا۔ قیصر نے رابعہ خاتون سے کہا۔

"اگر آپ نے ہمارے معاملات میں دخل دینے کی کوشش کی تو میں خالد کے ٹکڑے کر دوں گا۔"

وہ تھر تھر کانپنے لگیں اور رو رو کر کہنے لگیں۔

"میرا بچہ بے گناہ ہے۔ قیصر یقین کرو۔ تم نے برسوں ہمارا نمک کھایا ہے۔ ہماری بات پر یقین کرو۔ رخسانہ اپنی مرضی سے کہیں گئی ہے۔"

قیصر نے ان کی طرف دھیان نہیں دیا۔ وہ خالد کو گھورتے ہوئے آگے بڑھا اور بڑی آہستگی سے چاقو کی نوک خالد کی گردن پر رکھ دی۔

"نہیں ——!" رابعہ خاتون کے حلق سے ایک چیخ نکلی اور وہ دوڑتی ہوئی آ کر قیصر کے قدموں سے لپٹ گئیں۔

"رحم کرو —— میری جان لے لو۔ مگر اسے کچھ نہ کرو۔ میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ اس کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتی —— اس کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتی ....."

چاقو کی نوک خالد کی گردن سے ہٹ گئی۔

قیصر اور فراز دونوں ہی رابعہ خاتون کو حیرت سے دیکھنے لگے۔ پھر فراز نے کہا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں ——؟ آپ کا بیٹا خالد نہیں، میں ہوں۔"

"آں ——!" رابعہ خاتون چونک گئیں۔ انہیں ہوش آ گیا کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں۔

قیصر نے انہیں گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کے اس طرح تڑپنے سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ خالد ہی آپ کا سب کچھ

آپ اس کے عیب پر پردہ ڈالتی ہیں ۔ آپ اس کے گناہوں کو دوسروں کے سر تھوپتی ہیں ۔ چاقو کی نوک اس کی گردن پر چبھے تو آپ کا دل زخمی ہوتا ہے ـــــ نہیں آج تو میں اس کی بوٹی بوٹی کاٹ کر الگ کر دوں گا اور دنیا کو دکھاؤں گا کہ ایک سوتیلی ماں اپنے سوتیلے بیٹے کے لئے کس طرح تڑپتی ہے ۔ “

” نہیں ـــــ میں اس کی سوتیلی ماں نہیں ہوں ـــــ ! “ وہ قیصر سے لپٹ گئیں اور اس کے ہاتھ سے چاقو چھیننے لگیں اور بڑبڑانے لگیں ۔

” تم اسے نہیں مار سکتے ۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے تمہیں میری لاش پر سے گزرنا ہوگا . . . . . “

قیصر نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی مگر وہ اس بری طرح لپٹ گئی تھیں کہ الگ ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں ۔

فراز کا دھیان بھی بٹ گیا تھا ۔ خالد نے موقع دیکھتے ہی اچانک جھکائی دے کر فراز کو پیٹھ پر سے اٹھا کر دوسری طرف پھینک دیا اور تیزی سے زینے کی طرف بھاگتا چلا گیا ۔

فراز کے اٹھتے اٹھتے وہ زینہ طے کر چکا تھا ۔ وہ کسی کی طرف دیکھے اور رکے بغیر اپنے کمرے کی طرف دوڑتا جا رہا تھا ـــــ

فراز نے رابعہ خاتون کو کھینچ کر قیصر سے الگ کیا تو وہ فراز کو نوچنے کھسوٹنے لگیں ۔

” بد ذات ـــــ کمینے ـــــ سوتیلا آخر سوتیلا ہی ہوتا ہے ۔ تو میرے بیٹے کو

ـنے آیا ہے ۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی ۔ “

فراز نے ان کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر پرے دھکیل دیا اور نفرت سے کہا

” تو یوں کہیئے کہ میں سوتیلا ہوں اور خالد سگا ـــــ ! “

” ہاں ـــــ میں امّی کا سگا بیٹا ہوں ـــــ ! “

اوپری برآمدے سے خالد کی آواز گونجی ـــــ سب نے پلٹ کر دیکھا ۔ وہ ہاتھ ں ریوالور لئے کھڑا تھا ۔

” فراز اور قیصر اگر تم دونوں نے ذرا بھی حرکت کی تو میں گولی چلا دوں گا ـــــ امی ! پ ایک طرف ہٹ جایئے ۔ “

رابعہ خاتون آہستہ آہستہ چلتی ہوئی وکیل صاحب کی طرف آگئیں ۔ فراز اور قیصر ریوالور کے نشانے پر کھڑے رہ گئے ۔

خالد نے قیصر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ۔

” جب یہ بات کھل ہی گئی ہے تو میں صاف صاف کہہ دوں کہ میں امّی کا بیٹا ہوں یہ اعتراف میں اس لئے کر رہا ہوں کہ اس اعتراف کو سننے کے بعد تم دونوں ہی زندہ نہیں رہو گے ۔

میرے بیوقوف قیصر بھائی ! تمہارا وکیل باپ ہمارا ازلی دشمن تھا ۔ دشمن اس لئے کہ ہمیں ایک دیانت دار وکیل کی ضرورت نہیں تھی ۔ اور وہ بڑی دیانت داری سے فراز کے ڈیڈی کو مشورہ دے رہا تھا کہ وہ میری امّی سے شادی نہ کریں ۔

یہ ...ئے سے پچیس برس پہلے کی بات ہے۔ ان دنوں فراز کی ماں مرچکی تھی اور فراز
کے ڈیڈی نے دوسری شادی کے لئے میری امّی کا انتخاب کیا تھا۔

میری امّی نے فراز کے ڈیڈی کو اپنی طرف مائل دیکھا تو وہ اپنے شوہر کو چھوڑ کر یعنی
میرے باپ کو دھوکہ دے کر یہاں آگئیں اور مجھے بھی اپنے ساتھ لے آئیں۔

ان دنوں میں ایک برس کا تھا۔ فراز بھی تقریباً ایک سال کا تھا۔ قیصر کے باپ
نے فراز کے ڈیڈی کو سمجھایا کہ جو عورت دولت کے لالچ میں اپنے خاوند کو چھوڑ کر یہاں آ
سکتی ہے وہ اعتماد کے قابل نہیں ہوتی ——— لیکن ان پر تو محبت کا بھوت سوار تھا۔
انہوں نے مجھے اور امّی کو اپنے ہاں پناہ دے دی۔

امّی نے یہاں آکر سب سے پہلے قیصر کے باپ کے خلاف محاذ قائم کیا اور رفتہ رفتہ
فراز کے ڈیڈی کو ان کے خلاف بھڑکا کر انہیں یہاں سے نکال دیا۔ پھر ان کی جگہ ہمارے
یہ وکیل صاحب یعنی ارمانہ کے والدِ محترم آگئے .....“

خالد ——— !“ وکیل صاحب نے گھبرا کر کہا۔ ”تم یہ فضول باتیں کیوں کر رہے ہو
بہتر یہی ہے کہ ان دونوں کو فوراً ہی ختم کر دیا جائے۔ ورنہ ہم کسی مصیبت میں پھنس
جائیں گے۔“

خالد نے جواب دیا۔

”گھبرائیے نہیں وکیل صاحب ——— ! ان کی موت جب آ ہی گئی ہے تو انہیں
مرنے سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ مگر فراز کو معلوم تو ہو جائے کہ وہ اور اس کے ڈیڈی

...اری عمر کس طرح بیوقوف بنتے رہے اور اب وہ حقیقت معلوم ہونے کے بعد کس طرح
...ے بسی سے مرنے والا ہے۔

ہاں تو فراز ——— ! پھر ایک دن ایسا ہوا کہ میرا باپ نپٹنے کی حالت میں یہاں
...گیا اور امّی کو حاصل کرنے کے لئے تمہارے ڈیڈی سے اُلجھ پڑا ——— دونوں کے
...رمیان بڑی زبردست جنگ ہوئی۔ اس کے نتیجہ میں میرا باپ مارا گیا اور تمہارے
...یڈی کو قتل کے جرم میں بیس سال قید کی سزا ہوگئی۔

تمہارے ڈیڈی جیل یاترا کے لئے چلے گئے۔ قیصر کے باپ کو پہلے ہی نکال دیا گیا تھا
...رف تم یہاں کانٹے کی طرح کھٹک رہے تھے۔

پھر ہمارے وکیل صاحب کو ایک بہترین تجویز سوجھی ——— لیکن اس سے پہلے
...یں یہ بتا دوں کہ اصل میں تمہارا نام خالد ہے اور میرا نام فراز ہے ——— وکیل صاحب
...کی تدبیر کے مطابق تمہیں فراز اور مجھے خالد بنا دیا گیا۔ پندرہ سال بعد جب ڈیڈی کے
...یک چال چلن کی وجہ سے ان کی سزا معاف کردی گئی اور جب وہ ہمارے جوان ہوتے
...کے بعد یہاں آئے تو وہ اپنے بیٹے کو چہرے سے نہ پہچان سکے۔ وہ ہمیں ڈیڑھ سال کا دیکھ
...کر گئے تھے۔ جوان ہوکر ہم اتنے بدل گئے تھے کہ چہرے سے اصلیت کو پہچاننا ناممکن ہو
...گیا تھا۔

امّی نے مجھے خالد کے نام سے پیش کیا اور تمہیں فراز کے نام سے ——— تم اس فریب
...کو اس لئے نہ سمجھ سکے کہ بچپن ہی سے امّی تمہیں اپنا بیٹا کہتی تھیں اور تمہیں فراز کے نام سے

پکارتی تھیں ۔ وہ کئی بار جیل خانہ ڈیڈی سے ملنے گئیں لیکن ہم دونوں کو ساتھ لیکر نہیں گئیں
انہوں نے ڈیڈی کو سمجھا دیا تھا کہ بچوں کو جیل میں لانا مناسب نہیں ہے ۔
اور نہ ہی ان کے ذہن میں یہ بات بٹھانا چاہیئے کہ ان کا باپ قاتل ہے ۔

تمہارے ڈیڈی ان کے فریب میں آ گئے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پندرہ برس کے بعد
امی پر اعتماد کرکے انہوں نے مجھے اپنا بیٹا سمجھ لیا اور تم سوتیلے بنے رہے ——
آج بھی تم سوتیلے بیٹے ہو اور میں سگے بیٹے کی حیثیت سے ان کی کروڑوں کی
جائیداد کا واحد مالک ہوں ۔"

خالد نے قہقہہ لگا کر کہا ۔

" فراز —— نہیں بلکہ اصلی خالد مجھے تمہاری بدنصیبی پر ہنسی آتی ہے کہ
تم اپنے باپ کی شفقت اور دولت دونوں ہی چیزوں سے محروم رہے اور اب
ایک نامراد زندگی گزار کر اس دنیا سے جا رہے ہو ۔"

اس نے ریوالور سے فراز کا نشانہ لیا —— فراز نے ہاتھ اٹھا کر کہا ۔

" ٹھہرو —— مجھے اپنی موت کا افسوس نہیں ہے ۔ لیکن جہاں تم نے اتنی
باتیں کہی ہیں ۔ وہاں ایک بات اور بتا دو —— ؟"

خالد نے اوپری برآمدے کی ریلنگ پر اپنا بایاں ہاتھ ٹیک کر کہا ۔

" پوچھو —— کیا پوچھنا چاہتے ہو ۔"

فراز نے پوچھا ۔

" تمہارے اور امی کے جرم میں ارمانہ کے ڈیڈی برابر کے شریک ہیں ۔ یوں
ہنا چاہیئے کہ انہوں نے قدم قدم پر تم لوگوں کا ساتھ دیا ہے ۔ پھر تم نے انہیں
ولاکھ روپے کا قرضدار کس طرح بنا دیا —— ؟

خالد نے ہنستے ہوئے کہا ۔

" وہ ایک پیسے کے بھی قرضدار نہیں ہیں —— دراصل ارمانہ کو مجھ سے
شادی کرنے پر مجبور کرنے کے لئے انہوں نے چال چلی تھی ۔ امی اور وکیل صاحب
کے درمیان یہ معاہدہ ہوا تھا کہ وکیل صاحب مجھے کروڑوں کی جائیداد کا وارث بنائیں
گے اور امی ارمانہ کو اپنی بہو بنائیں گی —— بہر حال یہ ڈرامہ ختم ہو چکا ہے ۔
ب میں ارمانہ جیسی سیکنڈ ہینڈ لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا ۔ اس سے شادی کرنے
کی بجائے میں وکیل صاحب کو ان کی وفاداری کے سلسلہ میں پانچ لاکھ روپے دے
دوں گا ۔"

وکیل صاحب نے آگے بڑھ کر کہا ۔

" خالد —— ! تم میری بیٹی کی توہین کر رہے ہو ۔ تمہیں کیا حق پہنچتا ہے
کہ اس کے لئے سیکنڈ ہینڈ جیسا شرمناک لفظ استعمال کرو ۔"

خالد نے ہنستے ہوئے کہا ۔

" آپ کی بیٹی کی صحیح تعریف کر رہا ہوں —— فراز نے ارمانہ کو اس
قابل نہیں رکھا ہے کہ وہ ایک شریف زادی کہلائے ۔"

وکیل صاحب نے حیرت اور غصہ سے کہا۔

" یہ تم کیا کہہ رہے ہو ـــــ ؟ "

خالد نے جواب دیا۔

" جو کچھ کہہ رہا ہوں ۔ سچ کہہ رہا ہوں ـــــ فراز آپ کی عزت کا دشمن ہے۔"

وکیل صاحب نے غصہ سے کہا۔

" دشمن ہے تو پھر دیکھتے کیا ہو ۔ اسے ابھی میرے سامنے کتے کی موت مارو..... "

" ہاں ـــــ ! " خالد نے کہا۔ " یہ اسی قابل ہے کہ اسے تڑپا تڑپا کر مارا جائے۔ پہلے میں اس کے پیروں پر گولی ماروں گا تاکہ یہ بھاگ نہ سکے۔ میرے سامنے تڑپتا رہے ۔ "

خالد نے فراز کے پیروں کا نشانہ لیا۔ لیکن ریوالور کے ٹریگر پر اس کی انگلی کام نہ کر سکی ـــــ اچانک ہی اس کے سر پر دھاکہ سا ہوا ـــــ ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر اوپری برآمدے کی ریلنگ سے ہوتا ہوا ڈرائنگ روم کے فرش پر آ گرا۔

قیصر نے دوڑ کر ریوالور اٹھالیا ؟ اور پھر اوپر کی جانب دیکھا ـــــ خالد اوپر ریلنگ پر جھکا ہوا تھا ۔ اور اس کے پیچھے ارمانہ باتھ روم کا گٹر صاف کرنے والا لوہے کا پائپ لئے کھڑی تھی ۔

" خالد ـــــ میرا بچہ ...... ! " رابعہ خاتون زینے کی طرف بھاگیں۔

قیصر نے ڈپٹ کر کہا۔

" ٹھہر جاؤ ـــــ اگر تم وہاں گئیں تو میں خالد کو گولی مار دوں گا ۔ "

رابعہ خاتون گھبرا کر کھڑی ہو گئیں ۔ اور سر اٹھا کر بیٹے کی جانب دیکھنے لگیں۔ تھوڑی دیر کے لئے سناٹا چھا گیا۔

پھر خالد دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر پلٹا اور ارمانہ کو غرا کر دیکھنے لگا ۔ ارمانہ سہم کر پیچھے ہٹ گئی اور کہنے لگی۔

" کل رات آنٹی نے تمہیں بتایا تھا کہ مجھے رخسانہ کے کمرے میں ٹھہرایا گیا ہے لیکن تم بھول گئے ۔ فراز کو مارنے کی دھن میں تمہیں اتنا بھی یاد نہ رہا کہ میں اس کمرے سے ان کی حفاظت بھی کر سکتی ہوں ۔ "

خالد زخمی بھیڑیے کی طرح غرا کر ریلنگ کا سہارا لیتے ہوئے اٹھا۔ ارمانہ سہم کر پیچھے چلی گئی ۔ قیصر نے نیچے سے چیخ کر کہا ۔

" خالد ـــــ اگر تم نے ارمانہ کی طرف ایک قدم بھی بڑھایا تو میں تمہیں شوٹ کر دوں گا ۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ یہاں واپس چلے آؤ ۔ "

خالد نے بے بسی سے ریوالور کی طرف دیکھا جس کی نالی اس کی طرف اٹھی ہوئی تھی ۔ کچھ دیر پہلے وہی ریوالور اس کا محافظ تھا ۔ اور اب وہی اس وقت اس کی موت کا سامان بن گیا تھا ۔

اس کا سر چکرانے لگا ۔ ارمانہ نے پوری قوت سے اس کے سر پر لوہے کے پائپ سے حملہ کیا تھا ۔ ایک عورت کے ہاتھوں میں قوت ہی کتنی ہوتی ہے ۔ پھر بھی ناگہانی حملہ سے پانسہ پلٹ گیا ۔

وہ ریلنگ کا سہارا لے کر زینے کی طرف آنے لگا۔

فراز نے وکیل صاحب کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو وکیل صاحب ——— ! میری تقدیر بدلنے والے آپ ہیں۔ آپ نے مجھے باپ کے ہوتے ہوئے بھی یتیم بنا دیا۔ اور میرے ڈیڈی کو اولاد کی نعمت سے محروم رکھا ——— ؟"

"ن۔ نہیں ——— یہ جھوٹ ہے۔" وکیل صاحب نے خوف سے کانپتے ہوئے کہا۔ "یہ خالد جھوٹا ہے۔ اس وقت نشے میں ہے۔ پتہ نہیں کیا الٹی سیدھی باتیں کہہ گیا ہے۔ تم اس کی بات کا یقین نہ کرو۔"

فراز نے انہیں چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر رابعہ خاتون سے کہا۔

"تمہیں امی کہتے ہوئے اب احساس ہوتا ہے کہ میں ماں کے رشتے کی توہین کر رہا ہوں۔ بہر حال وہ تحریری معاہدہ نکالو جو تمہارے اور وکیل صاحب کے درمیان ہوا تھا۔"

رابعہ خاتون نے اس کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔

"یہ سب جھوٹ ہے بیٹا ——— ! ہمارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔ تم یقین کرو۔ تم ہی میرے بیٹے ہو۔ خالد نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ غلط ہے۔"

فراز نے پوچھا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خالد تمہارا بیٹا نہیں ہے ؟"

"نہیں ——— !"

فراز نے قیصر کو آنکھ مار کر کہا۔

"قیصر بھائی ——— ! خالد کو گولی مار دیجئے۔"

"نہیں ——— !" رابعہ خاتون چیختی ہوئی خالد کے سامنے آگئیں۔ فراز نے ان کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور کہا۔

"میں تین تک گن رہا ہوں۔ اگر تم نے وہ معاہدہ مجھے نہیں دیا تو تمہارا بیٹا تمہارے سامنے تڑپ کر مرے گا۔"

وکیل صاحب نے رابعہ خاتون سے کہا۔

"آپ گھبرائیے مت ——— یہ سب دھمکی ہے۔ یہ دونوں اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے خالد کو قتل کیا تو قانونی گرفت میں آجائیں گے۔"

ارمانہ نے نفرت سے اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ قیصر نے گولی چلا دی ——— گولی خالد کے پاؤں کو چھیدتی ہوئی گزر گئی اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔

رابعہ خاتون اپنی چھاتی پیٹنے اور چیخنے چلانے لگیں۔ فراز ان کے بازو کو مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا اور انہیں آگے بڑھنے سے روک رہا تھا۔

قیصر نے وکیل صاحب سے کہا۔

"یہ دھمکی نہیں ہے۔ ابھی اس ریوالور میں پانچ گولیاں باقی ہیں۔ یہ اپنی ماں کے سامنے تڑپ تڑپ کر مرے گا۔"

"نہیں نہیں ——— !" رابعہ خاتون نے روتے ہوئے کہا۔ "میرے بیٹے کو معاف

کر دو ۔ اُسے جان سے نہ مارو ۔ ہمارے درمیان جو تحریری معاہدہ ہوا ہے ۔ وہ میں تمہیں دے دوں گی ۔"

" یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں ؟ " وکیل صاحب نے گھبرا کر کہا ۔ " کیا آپ ہمیں پھنسانا چاہتی ہیں ۔"

رابعہ خاتون نے تڑپ کر کہا ۔

" مجھے اپنے بیٹے کی زندگی سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں ہے ۔ جہنم میں گئی یہ دولت ——— میں باقی زندگی جیل میں گزار لوں گی مگر اپنے بچے کو مرنے نہیں دوں گی ۔"

" مگر یہ تو سوچئے کہ میرا کیا ہوگا ——— ؟" وکیل صاحب نے جھلا کر کہا۔

قیصر نے ان سے کہا ۔

" آپ بھی جیل کی ہوا کھانے کے لئے تیار ہو جائیے ۔"

رابعہ خاتون نے کہا ۔

" مگر بیٹا ——— ! وہ تحریری معاہدہ یہاں موجود نہیں ہے ۔ بینک کے لاکر میں ہے ۔"

" کوئی بات نہیں ہے ۔" فراز نے کہا ۔ " لاکر کی چابی مجھے دیجئے ۔"

" وہ ——— وہ چابی میرے کمرے میں ہے ۔"

" تو پھر کمرے میں چلئے ۔"

فراز نے ان کا بازو نہیں چھوڑا اور انہیں کھینچ کر اوپری منزل کی طرف جانے لگا ۔ ارمانہ انہیں اوپر آتے دیکھ کر رخسانہ کے کمرے میں چلی گئی ۔ شاید وہ فراز کا سامنا کرتے ہوئے ہچکچا رہی تھی ۔

خالد زینے کے نیچے فرش پر بیٹھا ہوا تھا اور اپنے زخمی پاؤں کو پکڑ کر کراہ رہا تھا ۔

وکیل صاحب نے آگے بڑھ کر اسے ایک ٹھوکر ماری اور غصہ سے کہا ۔

" بے وقوف کہیں کے ——— یہ تباہی تمہاری حماقتوں سے آ رہی ہے ۔"

قیصر نے وکیل صاحب کو دھکا دے کر زینہ پر گرا دیا اور خالد سے کہا ۔

" خالد ——— اب سیدھی طرح بتا دو کہ رُخسانہ کہاں ہے ——— ؟"

خالد نے ہاتھ جوڑ کر کہا ۔

" قیصر بھائی ——— میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں رخسانہ کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا ——— پتہ نہیں وہ کہاں چلی گئی ہے ۔ آپ مجھے موقعہ دیں ۔ میں اُسے کہیں نہ کہیں سے تلاش کر کے لے آؤں گا ۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی کال بیل کی آواز سنائی دی ۔ قیصر نے پلٹ کر دروازے کو دیکھا ۔ پھر ریوالور کا رُخ خالد اور وکیل صاحب کی طرف رکھتے ہوئے وہ اُلٹے پاؤں دروازے پر آیا اور اسے کھول دیا ۔

دروازے پر ایک پولیس انسپکٹر چند سپاہیوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا ۔ قیصر انہیں دیکھ کر گھبرا گیا ۔ پھر اس سے پہلے کہ انسپکٹر ہولسٹر سے ریوالور نکالتا ، قیصر نے اپنا

ریوالور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے انسپکٹر صاحب! میں مجرم نہیں ہوں بلکہ میں نے مجرموں کو گھیر رکھا ہے۔"

انسپکٹر نے اس کے ہاتھ سے ریوالور لے کر کہا۔

"کہاں ہیں مجرم ——؟ انہوں نے کیا جرم کیا ہے؟"

وہ سپاہیوں کے ساتھ اندر آگیا۔

قیصر نے خالد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

"اس شخص کا نام خالد ہے۔ اور یہ...."

انسپکٹر نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"اچھا تو یہی مسٹر خالد ہیں۔ اس کوٹھی کے موجودہ مالک ——؟"

خالد نے دونوں ہاتھ اٹھا کر فریاد کی۔

"انسپکٹر صاحب —— ! مجھے بچائیے۔ میں اس کوٹھی کا مالک ہوں اور یہ شخص یہاں آکر ابھی مجھے قتل کرنا چاہتا تھا۔ یہ دیکھئے اس نے مجھے زخمی کر دیا ہے۔"

وہ اپنا زخمی پاؤں دکھانے لگا۔

اسی وقت رابعہ خاتون بھی فراز کے ساتھ کمرے سے باہر آئیں۔ پولیس انسپکٹر کو دیکھتے ہی وہ خالد کی طرف دوڑیں اور چیخنے لگیں۔

"دہائی ہے انسپکٹر صاحب! دہائی ہے —— یہ لوگ میرے بچے کو قتل کرنا چاہتے

ہیں۔"

انسپکٹر نے پوچھا۔

"یہ آپ کا لڑکا ہے؟"

"جی ہاں ——!" رابعہ خاتون نے کہا۔

"آپ کا نام رابعہ خاتون ہے؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ میرا نام رابعہ خاتون ہے اور یہ میرا لڑکا خالد ہے۔"

"ویری گڈ ——!" انسپکٹر نے ایک سپاہی سے کہا۔ "جاؤ —— مسٹر خالد کو ہتھکڑی پہنا دو ——!"

"نہیں ——!" رابعہ خاتون چیختی ہوئی خالد سے لپٹ گئیں۔ "یہ ظلم ہے —— جرم کوئی کرے، پکڑا کوئی جائے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے ——؟"

انسپکٹر نے قیصر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ شخص مجرم ہے یا نہیں —— ابھی اس کی تحقیق ہو جائے گی۔ میں دراصل خالد کی گرفتاری کا وارنٹ لے کر آیا ہوں، کیونکہ اس نے رخسانہ بیگم زوجہ قیصر علی کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔"

خالد کے ذہن میں ایک دھماکہ ہوا۔ اس نے رابعہ خاتون کو دھکا دیا اور زخمی پاؤں کی وجہ سے کھسکتے ہوئے اس طرح پیچھے جانے لگا جیسے فرار ہونے کی کوشش کر رہا ہو۔

قیصر نے انسپکٹر سے کہا۔

"انسپکٹر صاحب —— ! رخسانہ کہاں ہے۔ خدا کے لئے جلدی بتائیے۔ وہ میری بیوی ہے۔ میرا نام قیصر ہے ......"

"سوری مسٹر قیصر —— !" انسپکٹر نے کہا۔ "آپ ابھی اپنی شریک حیات سے نہیں مل سکیں گے۔ کیونکہ ان کی حالت بہت ہی تشویشناک ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے وہ ہوش میں آئی تھیں تو ہم نے ڈاکٹروں سے اجازت لے کر مجرم کا نام اور پتہ معلوم کیا ہے —— آپ بھی ہمارے ساتھ تھانے چلیں۔ کیونکہ آپ نے مجرم خالد پر قاتلانہ حملہ کیا ہے۔"

قیصر نے بے بسی سے فراز کی طرف دیکھا۔ فراز نے لاکر کی چابی دکھاتے ہوئے کہا۔

"گھبرانے کی بات نہیں ہے قیصر بھائی —— ! ہماری بے گناہی اور ان کے جرم کا ثبوت یہ لاکر کی چابیاں ہیں۔"

سپاہیوں نے تمام افراد کو گھیرے میں لے لیا۔ خالد کو ہتھکڑی پہنا دی اور انہیں لے کر ڈرائنگ روم سے باہر جانے لگے۔

ارمانہ اوپری برآمدے میں کھڑی ہوئی انہیں دیکھ رہی تھی۔

"مرحوم رب نواز کا اصل وارث فراز ہے، خالد نہیں ...."

ارمانہ نے مرحوم رب نواز کے تمام عزیزوں تک یہ خبر پہنچا دی اور ان سے التجا کی کہ وہ فراز اور قیصر کو ضمانت پر رہا کرا کے لے آئیں۔ اس خاندان کے معزز اور باحیثیت لوگ تھانے پہنچے تو بینک کے لاکر سے رابعہ خاتون کا تحریری معاہدہ آ چکا تھا۔

اس معاہدہ پر رابعہ خاتون اور وکیل ظفر عالم کے دستخط تھے۔ ان دونوں نے آپس میں معاہدہ کیا تھا کہ رابعہ خاتون کا بیٹا جس کا اصلی نام فراز ہے، اسے خالد کا نام دے کر رب نواز کا بیٹا بنا دیا جائے اور رب نواز کے بیٹے خالد کو فراز کا نام دے کر رابعہ خاتون کا بیٹا بنا دیا جائے —— نقلی خالد یعنی اصلی رابعہ خاتون کا بیٹا جب جوان ہوگا تو اسکی

شادی وکیل ظفر عالم کی بیٹی ارمانہ سے کی جائے گی۔ تاکہ خالد اور ارمانہ مشترکہ طور
پر رب نواز کی دولت کے حقدار بن جائیں ـــــ یہ معاہدہ اس لئے کیا گیا ہے کہ کہیں
رابعہ خاتون اپنا مقصد پورا کرنے کے بعد وکیل ظفر عالم کے حقوق سے مکر نہ جائے
اسی قسم کا ایک معاہدہ وکیل ظفر عالم کے پاس بھی تھا۔

وکیل صاحب اور رابعہ خاتون نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا تھا۔ ثبوت کے طور
پر ان کا تحریری بیان بھی موجود تھا۔ رب نواز کے عزیزوں نے تھانے ہی میں رابعہ خاتون
اور خالد پر لعن طعن کی اور فراز اور قیصر کو ضمانت پر رہا کرا کے گھر لے آئے۔

رابعہ خاتون، خالد اور ظفر عالم کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔ ارمانہ نے اپنی پھوپھی کو
پنڈی فون کیا اور اپنے باپ کی سازشوں کا مختصر حال سنا کر کہا۔

"پھوپھی جان! اگر آپ ڈیڈی کے لئے مقدمہ بازی کرنا چاہیں تو بے شک
کریں۔ مگر مجھے ڈیڈی کی رہائی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے ـــــ میں وہی بیٹی
ہوں جو ان کے دو لاکھ قرض اتارنے کے لئے اپنا سارا مستقبل تباہ کرنے پر آمادہ ہو
گئی تھی۔ مگر جب سے ان کی فریب کاریوں کا علم ہوا ہے، مجھے انہیں ڈیڈی کہتے ہوئے
شرم آ رہی ہے ـــــ آج سے میں ان کے لئے مر چکی ہوں۔"

فون کرنے کے بعد جب وہ ٹیلیفون اور ٹیلیگراف کی عمارت سے باہر آئی تو اسے
احساس ہوا کہ وہ دنیا میں تنہا رہ گئی ہے۔ نہ وہ باپ کے گھر جا سکتی ہے اور
نہ ہی خالد کے گھر میں رہ سکتی ہے حالانکہ اب وہ گھر قانونی طور سے فراز کا تھا۔

اور فراز اس کا تھا ـــــ لیکن جب تک وہ اسے اپنانے کے لئے آگے نہ بڑھتا۔ وہ
اس گھر کے لئے اجنبی تھی۔

پھر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنا سامان لے کر فی الحال کسی سہیلی کے ہاں اور کوئی
ملازمت تلاش کر کے ایک نئی زندگی کا آغاز کرے گی۔

یہ سوچ کر وہ کوٹھی میں آئی۔ قیصر تمام عزیزوں کے ساتھ بیٹھا ہوا رخسانہ کے
متعلق باتیں کر رہا تھا۔ اس نے ارمانہ کو دیکھتے ہی کہا۔

"آپ کہاں چلی گئی تھیں۔ فراز کا بھی پتہ نہیں ہے کہ کہاں چلا گیا۔ اب میں
یہ گھر کس بھروسہ پر چھوڑ کر جاؤں؟"

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"میں ہسپتال جا رہا ہوں۔ رخسانہ سے ملنے ـــــ ڈاکٹر نے خصوصی اجازت دی
ہے کہ میں تھوڑی دیر کے لئے اس سے مل سکتا ہوں۔"

"اوہ تو پھر آپ کو فوراً ہی جانا چاہیئے۔ میں آپ کی واپسی تک یہاں رہوں گی۔"

قیصر نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے عزیزوں سے اجازت چاہی اور وہاں
سے رخصت ہو گیا۔

قیصر کے عزیز تھوڑی دیر تک بیٹھے رابعہ خاتون اور ظفر عالم کے متعلق باتیں کرتے
رہے اور فراز کا مقدمہ لڑنے کے متعلق آپس میں مشورے کرتے رہے۔ پھر وہ دوسرے
دن آنے کے وعدہ پر رخصت ہو گئے۔

ارمانہ تنہا رہ گئی۔

وہ زینے طے کرتی ہوئی رخسانہ کے کمرے کی طرف آئی تاکہ اپنے کپڑے سمیٹ کر سوٹ کیس میں رکھ لے۔ اسے اپنی منزل کا پتہ نہیں تھا کہ منزل یہی ہے یا اس کے آگے بھی بھٹکنا پڑے گا۔

کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس نے سوئچ آن کیا لیکن روشنی نہیں ہوئی۔

"رہنے دو ارمانہ ——!" فراز کی آواز کمرے کی تاریکی میں ابھری۔

ارمانہ چونک کر آواز کی طرف پلٹی —— وہ آواز پلنگ کی جانب سے آرہی تھی۔

"میں نے اس کمرے کا بلب نکال دیا ہے۔ دراصل میں نہیں چاہتا کہ تم روشنی اور تنہائی میں مجھ جیسے مجرم کا چہرہ دیکھو۔

تم نہیں جانتیں ارمانہ —— کہ تمہاری غفلت میں اور تمہاری لاعلمی میں میں نے تم پر کتنا بڑا ظلم کیا ہے۔ تم اگر جان گئیں تو شاید مجھے بھی خالد جیسا ذلیل انسان سمجھ کر میری غلطی کو کبھی معاف نہیں کروگی۔ لیکن میں تمہیں ضرور بتاؤں گا کہ وہ میری غلطی؛؛!"

"ٹھہرو ——!" ارمانہ نے بات کاٹ کر کہا۔ "تم روشنی میں اپنا چہرہ ننگا نہیں کرنا چاہتے مگر تاریکی میں اپنی زبان کو ننگا کر رہے ہو —— رہنے دو فراز! مجھ پر کیا گزری ہے۔ اس کا علم مجھے رخسانہ کے خط سے ہو چکا ہے۔"

فراز حیرت سے تاریکی میں گھورنے لگا۔ پھر وہ پلنگ سے اتر کر آواز کی سمت بڑھنے لگا —— اندھیرے میں ارمانہ کی سسکیاں ابھر رہی تھیں۔

"میں شرمندہ ہوں ارمانہ —— لیکن تم بھی ذرا انصاف سے سوچو، تمہیں احساس ہوگا کہ میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو تمہیں نشہ کی حالت میں دیکھ کر غلط فہمی کا شکار ہو سکتا تھا۔ دراصل ہم دونوں ہی خالد کے فریب کا شکار ہو گئے تھے۔"

اس نے قریب آکر اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے رو رہی تھی۔

فراز نے اسے سینے سے لگا کر کہا۔

"پچھلی غلطیوں پر آنسو بہانے سے بہتر ہے کہ ہم ان کی تلافی کریں اور جلد از جلد ایک دوسرے کے ہو جائیں۔ اب تم یہاں سے نہیں جاؤ گی۔ کہیں نہیں جاؤگی ارمانہ..."

ارمانہ کی سسکیاں کچھ اور تیز ہو گئی تھیں۔

ارمانہ ہسپتال کے بیڈ پر آنکھیں بند کیے پڑی تھی۔

وہ ہوش میں تھی اور اپنے آس پاس دواؤں کی بو کو محسوس کر رہی تھی۔ وہ آنکھیں کھول سکتی تھی۔ لیکن آنکھیں کھول کر اب اس دنیا کو نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

وہ بڑے کرب سے سوچ رہی تھی کہ وہ مر کر بھی کیوں نہیں مرتی۔ موت اتنے قریب آکر بھی اس سے دور کیوں چلی جاتی ہے۔

"آ میری موت —— ایک بار پھر سے آجا —— مجھے جینے کی ذرا بھی آرزو نہیں ہے۔ میں وہ عورت ہوں جس پر کوئی مرد اعتبار نہیں کر سکتا۔ اور مجھے تو کسی

کی پرواہ نہیں ہے۔ جب وہی مجھ سے نفرت کرتے ہیں تو پھر میں کس محبت کی آس پر زندہ رہوں ——— نہیں، میں زندہ رہنا نہیں چاہتی ——— آ میری موت ایک بار آ جا ——— چپکے سے آ جا.....

کسی نے چپکے سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا ——— لیکن وہ موت کا ہاتھ نہیں تھا ——— رخسانہ کا دل دھڑکنے لگا۔ اس ہاتھ کے لمس کو وہ بند آنکھوں سے پہچان سکتی تھی۔

پھر جانی پہچانی محبت بھری سرگوشی سنائی دی۔

"رخسانہ ———!"

اس نے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے قیصر کا چہرہ اس پر جھکا ہوا تھا۔

"میری رخسانہ ——— میری اچھی رخسانہ ——— تم کیسی ہو؟"

رخسانہ نے ایک طویل سانس کھینچ کر کہا۔

"آ ——— پ ——— آپ مجھے دیکھنے آئے ہیں؟"

"ہاں ——— میں اپنی رخسانہ کو دیکھنے نہیں آؤں گا تو اور کون آئے گا۔"

"آپ ——— مجھے اپنی رخسانہ کہہ رہے ہیں؟"

"ہاں تم میری جو ہو ——— میری اور صرف میری...."

"اللہ! میں اب تک نہ مر سکی مگر اب خوشی سے مر جاؤں گی۔"

قیصر نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"ایسی بات نہیں کرتے ——— مری تمہارے دشمن ——— میں آج اس بات کا سچے دل سے اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے تمہاری جیسی شریک حیات کہیں نہیں ملے گی۔ تمہارے بغیر مجھے یوں لگتا ہے جیسے میری زندگی میں بہت بڑی کمی پیدا ہو گئی ہے تم جلدی اچھی ہو جاؤ گی نا رخسانہ!"

"ہاں میرے سرتاج ——— ! آپ نے مجھے قبول کر کے مجھے زندگی کی خوبصورتی کا احساس دلا دیا ہے۔ میں زندہ رہوں گی۔ صرف آپ کی محبت کے سہارے زندہ رہوں گی۔"

قیصر نے بڑی محبت سے اسے دیکھا۔ پھر قریب جھک کر اس کی پیشانی پر اپنے پیاسے ہونٹوں کو رکھ دیا۔

محبت کا ایک بوسہ خواہ وہ ماں کا ہو یا باپ کا ——— بیوی کا ہو یا خاوند کا ——— وہ غلطیوں کے بڑے سے بڑے دھبے کو دھو دیتا ہے۔
